THE SOURCES OF ISLAM

BY

Rev.William St.Clair Tisdall

ینابیع الاسلام

از

علامہ ڈبلیو سینٹ کلیئر ٹزڈل

اس بیان میں تمام مشہور اسلامی عقائد،مسائل،آیات،قصص اور رسوم وغیرہ کس کس کتاب اور مذہب سے ماخوذ ہیں۔

نیز سلطان القلم جناب اکبر مسیح صاحب مرحوم کے حواشی نے توسونے پر سہاگہ کا کام کیاہے۔ نہایت ہی عالمانہ کتاب ہے۔

مترجم سلطان القلم جناب اکبر مسیح صاحب مرحوم

1953

فہرست مضامین

دیباچہ مصنف

ارباب دانش پر یہ بات روشن ہے کہ آسمان وزمین اور ان کی ساری موجودات بغیر سبب وعلت عدم سے وجود میں نہیں آئی بلکہ خالق مسب بالااسباب واجب الوجود کے دستِ قدرت نے اس کو جامہ ہستی پہنا کر گوناگوں عجائب سے زیب وزینت بخشی ہے۔اسی طرح ہر دوسری شے کو بھی قیاس کرنا چاہیئے خواہ وہ خیال ہو یا قول یا فعل ایسی کوئی چیز اس حیرتکدہ عالم میں نظر نہیں آتی جس کا سبب نہیں یعنی جس کے بغیر اس کا موجود ہونا ممکن نہ تھا۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کی قوموں کے درمیان بے شمار مختلف مذاہب اور انواع واقسام کے ادیان مروج ہیں اور تھوڑی سے تحقیق سے یہ بات روشن ہوسکتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دین سچا ہو یا جھوٹا اپنا اصل وماخذ رکھتا ہے حتیٰ کہ جس طرح ہر دریا کا کوئی سوتا ہے اسی طرح ہر دین کے لئے بھی سرچشمہ ضروری ہے۔

محمدی دین (دین اسلام) جس کا پچھلے زمانہ میں ظہور ہوا اکثر ملکوں میں پھیل گیا ہے اور بہت سی ملتوں اور قوموں کےدلوں اور عقلوں پر مسلط اور قابض ہوچکا ہے۔بنی نوع انسان کے بے شمار افراد اس مذھب کے معتقد ہیں اور اس کو اپنی روحانی امیدوں اور آرزوؤں کی جڑ اور بنیاد بنا چکے ہیں۔اس لئے اس کتاب کے ناچیز مصنف کو یہ بہت مناسب ہوا کہ وہ خدا کی مدد سے اس بات کا سراغ لگائے کہ اس مذہب کا ماخذ ومنبع کیا ہے۔یہودی اور عیسائی تو اس دین کی صداقت تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے خوب چھان بین کرکے دیکھ ڈالا لیکن کوئی ایسی دلیل ہمارے ہاتھ نہ لگی اور نہ کوئی ایسا نشان ملا جس سے اس مذہب کا من جانب اللہ ہونا ثابت ہوسکتا بلکہ جن لوگوں نے گذشتہ زمانوں میں اس مذہب کو بغیر تحقیق وتفتیش اپنے بزرگوں کی تقلید میں اختیار کرلیا تھا ان میں سے بہت لوگ خفیہ وعلانیہ آج اس کو ترک کرکے دوسرے دینوں کو قبول کرتے جاتے ہیں کیونکہ ان کو آج تک کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس دین پر کوئی معقول دلیل لا کر ان پر اس کی صداقت وحقانیت ثابت کرسکتا۔ہاں چند کتابیں ضرور پرانے زمانہ میں اور اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کی طرف سے اس مضمون پر لکھی گئی ہیں۔مگر وہ کسی اہلِ عقل اور صاحب بصیرت کے لئے کافی متصور نہیں ہوسکتیں کیونکہ جن دلیلوں سے ان میں کام لیا گیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ کسی محقق کے شک وشبہ کو رفع کرکے اس کے دل کی بے قراری کی دوا ہوسکیں۔ان کتابوں کے مصنفوں نے اپنے دین کے اثبات میں کمال غیرت کے ساتھ معترضین کے حملوں کو دفع کرنے کے لئے بہت زور مارا اور اپنی طرف سے کچھ اٹھا نہیں رکھا مگر افسوس کہ ان کا مبلغ علم ان کی قابل داد غیرت وحمیت کے برابر نہ تھا اور ان کو اپنے مقصد میں ناکام رہنا پڑا۔ یہ دیکھ کر اس ناچیز مصنف کو یہ امر ازبس قرین مصلحت معلوم ہوا کہ وہ بھی دین اسلام کے حقیقی سرچشموں کا بڑی تحقیق کے ساتھ از سر نو کھوج کرے اور سراغ لگائے۔چنانچہ خدا کی مدد سے جہاں تک اس کی ناقص عقل ومعلومات کو رسائی تھی اس نے ہر چیز کو پرکھا اور تلاش کرکے اس کتاب میں مندرج کردیا اور اب ناظرین باتمکین کی خدمت میں اپنی محنت کے اس حاصل کو پیش کرکے امید وار ہے کہ اگر وہ اس کو غور وفکر سے پڑھینگے تو خدا کے فضل سے ان پر یہ بات روشن ہوجائے گی کہ دین اسلام کہاں سے آیا اور کہ یہ بڑی نہر جو بہت سے ملکوں میں مذہبی کشت زاروں کو سیراب کررہی ہے اس کے بیرونی سوتے جو اس کو پانی پہنچارہے ہیں اور جن کی بدولت یہ جاری ہے کہاں کہاں ہیں۔

تنبیہ

اس کتاب کے ترجمہ میں آیات قرآن کا ترجمہ تو اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے موافق جو اہل اسلام میں نہایت ہی مستند ومقبول عام ہے درج کیا گیا ہے۔ باقی اور زبانوں کی کتابوں سے جو ترجمے اس میں ہوئے ان کی صحت ودرستی کا ذمہ دار خود مصنف کتاب ہے جس کی فارسی کتاب میں جا بجا ان اصلی زبانوں مثلاً عبرانی، یونانی، سریانی، ارمنی، حبشی قبطی، بابلی ،ژوندی سنسکرت وغیرہ وغیرہ کی اصلی عبارت بھی لفظ بلفظ نقل ہوئی ہے ۔اس ترجمہ میں صرف عربی وفارسی کے اقتباسات بغرض اختصار اس سے خارج کردئیے ہیں۔ اگر کوئی صاحب مصنف کے ترجمہ کو پرکھا چاہیں یا اصلی زبان میں ان مضامین کے پڑھنے کا شوق رکھیں تو وہ مصنف کی فارسی کتاب کو پڑھ سکتا ہے۔

یہ بھی ملحوظ خاطر ہے کہ اس ترجمہ کے متن میں وہ تمام مضامین جو خطوطِ وحدانی کے اندر اس طرح بند ہیں اور وہ کل مضامین جو فٹ نوٹ میں بطور حاشیہ چڑھے ہوئے ہیں ان کی صحت کا حوابدہ صرف مترجم کتاب ہے۔

مصنف کی کتاب کے مضامین سے وہ بالکل خارج ہیں گو وہ باجازت مصنف اضافہ کئے گئے۔

فصل اول

اس امر کے بیان میں کہ اسلام کے مستند مجتہدوں اور جید عالموں نے ان اہم مسائل کے حل کرنے میں کیا کچھ کہا ہے

علمائے اسلام کا تو یہی قول ہے کہ ہمارا دین خدا کی طرف سے ہے جو بتوسط حضرت محمد صاحب آشکارا ہوا۔ پس وہ اسلام کو آنحضرت کی رسالت کی حقانیت پر مبنی کرتے ہیں اور جو کوئی ان کی رسالت و نبوت کا منکر ہو ان کے نزدیک وہ کافر ہے کیونکہ ان کی دانست میں ایسا انکار دین کی جڑ اور بنیاد کو معرض خطر میں ڈالتا ہے ۔ یہ لوگ اسلام کے چار ارکان مانتے ہیں یعنی قرآن و حدیث واجماع وقیاس ۔ تیسرے اور چوتھے کی نسبط یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اصولاً وہ قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہوسکتے۔ پس حقیقت میں دین اسلام کی بنیاد قرآن وحدیث ہی ٹھہرتے ہیں۔

مگر افسوس یہ ہے کہ جمہورِ اہل اسلام اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ صحیح حدیثیں کونسی ہیں۔ سنی اور حدیثوں کو مانتے ہیں اور شیعہ اور کو۔ شیعوں کے عقائد کے موافق احادیث معتبر ان پانچ کتابوں میں مندرج ہیں یعنی کافی تالیفِ ابو جعفر محمد کلینی (سنہ وفات 329ھ)من لا یستحضرہ الفقیہ تالیف شیخ علی ابن بابویہ (سنہ وفات 381ھ) تہذیب واستبصار ہر دو تالیفِ شیخ ابو جعفر محمد طوسی (سنہ وفات 466ھ) پانچویں کتاب جس کا شمار احادیث میں کیا جاتا ہے نہج البلاغت ہے ۔ تالیف سید رضی (جن کا سنہ وفات 406ھ) ہے ۔ اس کتاب میں حضرت علی کا کلام جمع کیا گیا ہے ۔

سنیوں کے ہاں ان کتب خمسہ کی جگہ معتبر کتبِ احادیث چھ ہیں جن کو اصطلاح میں صحاح ستہ کہتے ہیں۔ ان میں دو کتابوں یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم بڑے مبالغے کے ساتھ صحیح کہی جاتی ہیں حتیٰ کہ ان کا نام ہی صحیحین پڑ گیا ہے۔ باقی چار کتابیں جامع ترمذی ،وسنن ابی داؤد ،سنن نسائی ،سنن ابنِ ماجہ ہیں۔ ایک اور کتاب یعنی للوطا امام مالک کی تالیف ہے بعض لوگ ابن ماجہ کی جگہ اس کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں۔

علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن وحیِ متلو ہے اور احادیث وحیِ غیر متلو اور انہوں نے اس پر بھی اتفاق کرلیاہے کہ اگر کوئی حدیث آیاتِ قرآن کے خلاف ہو تو وہ مردہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک قرآن کلام خدا ہے پس حقیقت میں خاص الخاص فائدہ ان احادیث کا قرآن کے دقیق ومشکل مضامین کو حل کرتا ہے ہوا یعنی جو کچھ قرآن میں بیان ہوا اس کی تشریح اور توضیح ان سے کی جاتی ہے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں وارد ہوا ہے سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى یعنی "پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو رات کے وقت ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک" اب اس آیت کے معنی دریافت کرنے کے لئے چاہئیے کہ حدیثوں کی طرف رجوع کریں اور قصہ معراج کو جو اہل اسلام کے درمیان اس قدر مشہور ہورہاہے ان کی مدد سے سمجھیں۔اسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ پچاسویں سورہ کا نام "ق" کیوں آیا تاوقتیکہ ان حدیثوں سے خبر نہ ہو جن میں کوہ قاف کے موجود ہونے کا ذکر آیاہے۔

واضح ہو کہ ہم کو اس کتاب میں اختصار مد نظر ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان سنی وشیعہ دونوں اس سے فائدہ اٹھائیں۔ پس ہمارا پکا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں اسلام کے کسی ایسے عقیدہ و تعلیم پر بحث نہ کریں جو قرآن پر مبنی نہ ہو اور جس کی تشریح ان احادیث میں نہ آئی ہو جو مقبولہ فریقین ہیں۔

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ قرآن کلام خدا ہے اور قبل از پیدائش عالم خدا نے اس کو لوح محفوظ پر لکھا اور اگرچہ بزمانِ خلیفہ مامون الرشید اور اس کے بعد بھی بڑے بڑے مباحثے قرآن کے قدیم ہونے پر اٹھے جن کا بیان یہاں غیر ضروری ہے۔مگر اس بات پر تمام مسلمان ہمیشہ سے متفق رہے ہیں کہ قرآن کی تالیفِ انسانی نہیں بلکہ سارے کا سارا اللہ کی طرف سے بذریعہ حضرت جبرائیل حضرت محمد پر نازل ہوا۔

ابن خلدون اس دعویٰ کے بیان میں لکھتا ہے کہ قرآن بزبان عربی اس عبارت میں آسمان سے نازل ہوا جو اہل عرب اپنے خیالات بیان کرنے میں استعمال کرتے تھے اور فقرے کے بعد فقرہ اور آیت کے بعد آیت ایسے طور سے نازل ہوتی گئیں جیسا کہ عقیدہ وحدانیت الہیٰ کے اظہار کے واسطے یا ان تکالیف شرعی کے اعلان وتصریح کے لئے لازم تھا جن کو برداشت کرنے کی ہدایت انسان کو خدا کی طرف سے ملی ہے۔پس اول حالت کے لحاظ سے تو ہم کو عقائد دین کا علم حاصل ہوا اور دوسری کے لحاظ سے ہم کو وہ احکام ملے جن سے انسانوں کے اعمال کا انتظام ہوتا ہے (جلد 2صفحہ 458) ایسا ہی ایک دوسرے مقام میں لکھتا ہے کہ ان باتوں سے ظاہر ہوا کہ تمام کتب ربانی میں صرف قرآن ہی ایسا ہے جس کے متن والفاظ وفقرات سب کے سب آواز کے ذریعہ سے جو سنی جاتی تھی پیغمبر کو سپرد کئے گئے۔اس طرح توریت انجیل وباقی کتب ربانی کی حالت اور ٹھہری کیونکہ ان کو انبیاء نے وجد کے عالم میں آوازِ الہام سے بصورتِ خیالات حاصل کیا اور پھر جب وہ اپنی معمولی انسانی حالت پر آجاتے ہیں تو انہیں کو اپنے اپنے الفاظ میں قلمبند کرلیا کرتے تھے۔ او ریہی وجہ ہے کہ ان صحیفوں کی عبارت معجزے میں داخل نہیں (جلد اول صفحہ 194و195)*۔

* یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی عبارت کے معجزہ ہونے کا دعویٰ کسی واقعی حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ اہل اسلام کے مسئلہ وحی والہام کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔

قرآن کے اس طور پر من جانب اللہ ہونے کے بارے میں اہل اسلام کے خیالات کا جوابدہ دراصل خود قرآن ہی ہے۔ چنانچہ سورہ بروج میں مندرج ہے۔ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ترجمہ "کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا لکھا۔ تختی میں جس کی نگہبانی ہے" اور سورہ انعام میں مرقوم ہے "کہو اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے بیچ اور اترا ہے مجھ کو یہ قرآن کہ تم کو اس سے خبر دار کروں"۔ اس قسم کی آیات سے یہ آشکارا ہے کہ قرآن اپنے حق میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حضرت محمد کی تصنیف نہیں اور نہ انسانی کتابوں سے تصنیف وتالیف کیا گیا ہے بلکہ وہ خدا کی جانب سے شبِ قدر میں حضرت محمد پر آسمان سے نازل ہوا۔ جیسا سورہ قدر میں لکھا ہے۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ یعنی ہم نے یہ اتارا شب قدر میں۔"

اب اگر کوئی اس دعوے کو تسلیم کرلے تو اس کو ماننا پڑے گا کہ قرآن کا اکیلا سوتا اور اسلام کا سارا سرچشمہ خود ذاتِ خدا ہے اور اس کے سوا اس کا کوئی دوسرا ماخذ نہیں۔ لیکن اگر اس کے برخلاف واقعات کے اعتبار پر کوئی محقق یہ ثابت کردے کہ قرآن کے اکثر اجزا اور اسلام کے بہت سے عقائد بلاشک وشبہ دوسرے دینوں سے اور ان کی کتابوں سے لئے گئے ہیں جو حضرت محمد کے زمانہ میں موجود تھیں اور اب بھی ہیں تو دین اسلام کی بنیاد بالکل جڑ سے اکھڑجائے گی اور چونکہ ایسے معترضین موجود ہیں جو بڑے دعوے کے ساتھ للکار کرکہتےہیں کہ ہمارے پاس ان امور کا کافی ثبوت موجود

ہے۔ پس پر انصاف پسند اور حق جو شخص کا بالخصوص ہر سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس اہم مسئلہ کو بڑی گہری نگاہ سے پرکھے اور دریافت کرے کہ معترضین کا قول واقعی کہاں تک حق ہے۔ اب اگر اس کے امکان میں ہو تو وہ ان اعتراضوں کو رد کرکے مخالفوں کا منہ بند کرے اور اسلام کی حقانیت اور قرآن کے اللہ ہی کی طرف سے نازل ہونے کا ثبوت دے کر ثواب کمائے دگر نہ سچی بات کو جان لینے اور حق کو پہچان لینے سے بڑھ کر دنیا میں اور کونسی نعمت ہوسکتی ہے؟ سانچ کو آنچ نہیں۔ اس لئے اس وقت ہم خدا کی مدد سے ان لوگوں کے اعتراضات سننے اور ان کے دعوے کے دلائل پرکھنے میں مشغول ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم اور دین اسلام کے اکثر عقاید دوسرے دینوں اور قدیم کتابوں سے لئے گئے ہیں۔

فصل دوم

ان لوگوں کے دعوے کی تشریح و تحقیق جو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعض عقائد ورسوم عرب جاہلیت کے دینوں اور عادتوں سے ماخوذ ہیں اور دین اسلام کا پہلا سر چشمہ یہی ہیں

معترضین کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ اس بات پر تل گئے کہ اہل عرب کو بت پرستی سے آزاد کرکے خدا کی عبادت کی طرف مائل کریں اور جب آپ نے سمجھا کہ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں خدا کی وحدانیت کے قائل تھے اور بہت سی عادتیں اور رسمیں جو ان میں رائج ہیں وہ ان کو ان کے دیندار اور باپ دادا سے ورثہ کے طور پر پہنچی ہیں تو آپ نے نہ چاہا کہ ان لوگوں کو ان ساری باتوں کے چھوڑ دینے پر مجبور کریں بلکہ یہ کوشش کی کہ ان کے دین کی اصلاح کریں اور ہر پرانی عادت ورسم جو آپ کو نیک ومناسب معلوم ہو بحال رکھیں چنانچہ سورہ نساء رکوع 18میں ہے یعنی اور اس سے بہتر کس کی راہ جس نے منہ دھرا اللہ کے حکم پر اور نیکی میں لگا اور چلا دین ابراہیم پر جو ایک طرف تھا اور اللہ نے پکڑا ابراہیم کو یار" اور سورہ آل عمران رکوع 10میں ہے یعنی توکہہ سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہوجاؤ دین ابراہیم کے جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا شرک والوں میں "ایسا ہی سورہ انعام رکوع 20میں یعنی "توکہہ مجھ کو تو سمجھائی میرے رب نے راہ سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا شرک والوں میں۔"

پس جب آنحضرت کے دل میں یہ سمائی کہ اہل عرب کی تمام عادات ورسوم بجز شرک وبت پرستی ودختر کشی اور چند اور بری باتوں کے زمانہ ابراہیم سے ان کے درمیان محفوظ چلی آئی ہیں تو انہوں نے ان عادتوں اور دینی اخلاقی رسموں میں سے اکثر کو اپنے دین میں داخل کرکے بحال رکھا۔

اگرچہ عرب کے جنوبی ومشرقی ملکوں کی بعض قومیں حضرت نوح کے بیٹے حام کی اولاد کے ساتھ مل جل گئی تھیں تو بھی توریت سے اور نیز ابن ہشام اور طبری وغیرہ کی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ممالک کے شمالی اور مغربی اطراف میں بہت سے باشندے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے تھے۔ ان میں بعض تو نسل یقطان (قحطان) سے نکلے تھے۔ بعض اولاد قطورہ سے جو ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ تھی اور بعض نسلِ اسماعیل سے جس کے باعث خاص کر قوم قریش ان میں مشہور تھی۔

اولاد سام میں توساری قوموں کا اصلی مذہب خدائے واحد کی عبادت تھا پر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ان لوگوں نے بھی شرک وبت پرستی کو شام کی اصلی قوموں اور دیگر ہمسایہ ملتوں سے سیکھنا شروع کردیا اور انجام کار اپنے خدا پرست بزرگوں کے دین کو بگاڑڈالا لیکن ایسے تاریک زمانہ میں بھی جب بنی اسرائیل کے سوا قریباً تمام ملتوں اور قوموں نے خدا کی پاک ذات کی وحدانیت کو بالکل فراموش کرڈالا تھاجزیرہ عرب کے شمالی ومغربی ملکوں کے باشندے اس عقیدہ وحدانیت کو مضبوط پکڑے رہے۔

اس امر کا قوی احتمال ہے کہ ملک عرب میں ان اطراف کے باشندوں کے درمیان سورج چاند اور ستاروں کی عبادت پہلے پہل حضرت ایوب کے زمانہ کے قریب داخل ہوئی جیسا کہ اس نبی کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے (بائبل مقدس کتاب حضرت ایوب 31باب آیات 26تا28)۔ یونان کا سب سے مشہور مورخ ہیروڈوٹس جو 400سال قبل از سنہ مسیحی گذرا بتلاتا ہے کہ ان ایام میں ان اطراف کے قبائل عرب میں عموماً فقط دو معبود مانے جاتے تھے جن کے نام اس نے ارتال اور اللات لکھے ہیں (باب 3فصل 8)اس میں شک نہیں کہ اس پہلے معبود کا نام اللہ تعالیٰ تھا جس کو وہ عجمی سیاح عرب کے املاو تلفظ سے ناواقف ہونے کے باعث درست طور پر نہیں لکھ سکا کیونکہ یہ امر تو مسلمہ ہے کہ خدائے عزوجل کا یہ نام زمانہ جاہلیت میں بھی یعنی قبل از اسلام اہل عرب کے درمیان رائج ومشہور تھا۔ چنانچہ سبعہ معلقہ میں جاہلی شعراء کے کلام میں بارہا اللہ کا نام آیا ہے۔

دیوانِ نابغہ میں یہ اشعار ہیں

لھم شیمۃ لمہ یُعطھا اللہ غیرہُمہ مِنَ الجودِوالا حلم غیر عوازِبِ

مجلتھمہ ذُات الالآوِدَ ینھمہ قوِیمہ فمایرجُون غیر العواقبِ

ایضاً

الَمہ ترَاَنَ اللہ اعطاکَ سورۃً ترٰی کُل مَلک دوالا حلیم غیر عوَاَازبِ

بِانکَ شمس والملوکُ کوَاَکب اذا طلَعت لمہ یبدُ منھن کوکبُ

ایضاً

وَنحنُ لَدیہ نسل اللہ جلدہ یرَدلناَملکاًولارضِ عامراً

وَنحن نرجی الخلد اَن فاَز قدحنا

وَنرھبُ قدِحَ الموتِ ان جاَء قاَھراً

اور دیوان لبید میں یہ شعر ہے۔

لعمرکَ تدری الضوارِب ماالحصیٰ ولاَزاجرات الطیر مااللہ صانعَ

علاوہ ازیں سب جانتے ہیں کہ زمانہ قدیم سے کعبہ تمام قبائل عرب کی عبادت گاہ خیال کیا جاتا تھا چنانچہ یونان کا مشہور مورخ ڈیوڈورس جو تاریخ مسیحی سے ساٹھ سال پہلے زندہ تھا لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی کعبہ اسی طرح موجود تھا (باب 3)اور اس عبادت گاہ کو لوگ بیت اللہ کہتے تھے۔ اَل حرفِ تعریف سے صاف ظاہر ہے کہ اہل عرب میں وحدانیت الہٰی کا عقیدہ کسی زمانہ میں بھی فراموش ہونے نہیں پایا تھا۔ گو ان کے اور بھی بہت سے معبود تھے جن کی وجہ سے قرآن میں ان کو مشرکین کہا گیا ہے کیونکہ وہ دوسرے معبودوں کو خدا کی تعظیم وعبادت میں شریک کرکے ان کی پرستش کرتے تھے لیکن وہ کہتے تھے کہ ہم ان معبودوں کی پرستش زندہ خدا کی پرستش کی طرح نہیں کرتے بلکہ ان کو صرف وسیلہ شفاعت خیال کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ان کی شفاعت کے ذریعہ سے خداوند حقیقی ہم پر مہربان ہوگا اور ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔ بت پرستوں کے اس عقیدہ کے ثبوت میں صرف مندرجہ ذیل حکایت کو کتاب مواہب الدنیہ سے یہاں نسل کرنا کافی ہوگا۔ قدم نفر من مہاجرہ الجشد حین قراء علیہ اسلام والنجمہ ازاھوی حتی بلغ افریتمہ اللات والعزی مناۃ الثالثۃ الاخری القی الشیطان فی منیتہ ای فی

تلاتہ تلک لغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی۔ فلما ختمہ السورۃ سجد صلعمہ وسجد معہ المشرکین لتوھمہ انہ ذکر التھمہ بخیر۔ ونشی ذالک بالناس اس واظھر ہ الشیطان حتی بلغ ارض الحبشتہ ومن بھامن المسلمین عثمان ابن مظعون اصحابہ وتحد ثوان اہل مکتہ قرا اسلموا کلھمہ وصلوہ صلعم وتدامن السلمین بمکتہ ضا قبلو اسرا عاًمن الحبشہ: یعنی مہاجرین حبشہ میں سے کچھ لوگ آئے جس وقت حضرت محمد سورہ نجم پڑھ رہے تھے جب وہ اس آیت پر پہنچے "تم نے دیکھا لات اور عزیٰ اور منات تیسرے پچھلے کو" آیت نمبر 19و20) تو شیطان نے ان کی منتیہ یعنی تلاوت میں یہ الفاظ ڈال دئے "یہ بت نازک بدن بلند مرتبہ ہیں اور یقیناً ان سے شفاعت کی امید رکھنا چاہئیے۔" پھر جب سورۃ ختم ہوئی تو آنحضرت نے سجدہ کیا اور ان کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا کیونکہ ان لوگوں کو گمان گذرا کہ آپ نے ان کے بتوں کو تعریف کے ساتھ یاد کیا اور لوگوں میں یہ بات پھیل گئی اور شیطان نے اس کو مشہور کیا حتیٰ کہ اس کی خبر حبش تک پھیلی اور ان مسلمانوں کے کان تک پہنچی جو وہاں تھے عینی عثمان ابن مظعون اور اس کے ساتھیوں کے اور اس کا چرچا ہوا کہ تمام اہل مکہ مسلمان ہوگئے اور آنحضرت کے ساتھ انہوں نے نماز پڑھ لی اور مکہ میں مسلمانوں کو امن ہوگیا۔ پس وہ لوگ جلدی سے حبش سے لوٹ آئے۔

اس حکایت کو ابن اضحاق اور ابن ہشتام اور طبری اور دیگر مسلمان مورخوں نے بھی بیان کیا ہے اور جو کچھ یحیےٰ اور جلال الدین اور بیضاوی نے سورہ حج کی تفسیر میں لکھا اس سے بھی یہ واقع ثابت ہوتا ہے چنانچہ سورہ حج کے پانچویں رکوع میں یوں وارد ہوا ہے یعنی اور جو رسول ہم نے بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملادیا اس کے خیال میں پھر اللہ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا ہوا۔

اسی سلسلہ میں کچھ آگے اسی کتاب میں یوں لکھا ہے کہ کذا نبہ علیٰ ثبوت اصلھا شیخ الاسلام والحافظ ابو الحافظ ابوا الفضل الحسقلانی فقال اخرج ابن ابی حاتمہ الطبری و ابن المنذز من طریق شعبۃ عن ابی بشر من سعید بن جبیر قال قراء رسول اللہ صلعیم بحکتہ والنجمہ فلما بلغ افرایتمہ اللات والعزیٰ ومنات الثالثۃ الاخری القی الشیطان علی لسانہ تلک الغرانیق العلیٰ وان شفا عتھن لترتجیٰ وقال المشرکون ماذکر الھتنا بخیر قبل الیوہ فسجدوسجدہ وامنزلت ھذٰہ الایتہ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الااذا تنمنی القی الشیطان فی امنیتہ لایتہ۔ یعنی اسی طرح اس کی اصل کے ثابت ہونے پر شیخ السلام اور حافظ ابوا الفضل عسقلانی نے تاکید کی ہے پس کہا ہے کہ روایت کی ہے کہ ابن حاتم اور طبری اور ابن منذز نے کئی طریقوں سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے کہا کہ پڑھا۔ رسول اللہ صلعم نے مکہ میں سورہ نجم پس جب پہنچے آیت افریتم پر شیطان نے

آپ کی زبان پر ڈال دیا کلمہ تلک الغرانیق کو پس مشرک بولے آج سے پہلے انہوں نے ہمارے دیوتاؤں کو کبھی بھلائی کے ساتھ یاد نہیں کیا تھا پس آنحضرت نے سجدہ کیا اور ان لوگوں نے بھی سجدہ کیا پھر یہ آیت نازل ہوئی ماارسلنا من قبلک۔ اور شمس العلما مولوی شبلی نعمانی صاحب اپنے کتاب سیرہ النعمان کے صفحہ 170میں اسی روایت پر یہ فرمایا ہے " متاخرین میں حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث نہیں گذرا۔ وہ بڑے زور وشور سے اس حدیث کی تائید کرتے اور فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کے واۃ ثقہ ہیں اس لئے اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

شہرستانی نے اپنی کتاب ملل ونحل میں قدیم عربوں کے مذاہب ورسوم کے باب میں جو کچھ لکھا تھا اس کو مورخ ابوالفدا نے نقل کیا ہے۔ تاریخ ابوالفدا کا ترجمہ بزبان اردومولوی کریم الدین صاحب مرحوم نے کیا ہے تھا۔ جو شہر دہلی میں 1847میں چھا پا گیا چنانچہ اس کی جلد اول صفحہ 237و238میں لکھا ہے:

"شہرستانی ملل ویخل میں کہتا ہے کہ عرب زمانہ جاہلیت میں کئی قسم پر تھے۔ ایک قسم کے تو خدا تعالیٰ کا بالکل انکار کرتے تھے اور ان کا یہ مقولہ تھا کہ ہر ایک شے اپنی طبعیت سے زندہ ہوجاتی ہے اور دہر مارڈالتا ہے اور پھر ہر گز زندہ نہ ہونگے جیسا کہ قرآن شریف میں بھی ان لوگوں کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے اس آیت کا ترجمہ یہ ہے *1 وہ کافر کہتے تھے کہ ہماری زندگی دنیا ہی کی ہے۔ آپ ہی مرتے ہیں اور آپ ہی زندہ ہوجاتے ہیں نہیں مارتا ہم کو مگر زمانہ "2* اور ایک قسم کے کافر خالق کا اقرار کرتے تھے مگر پھر زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔ ان کی بھی قرآن میں بایں مضمون خبر آئی ہے کہ اقرار کیا انہوں نے پیدائش اول کا اور شبہ میں ہیں نئی پیدائش سے یعنی پھر کر زندہ ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔ ایک قسم کے کافر بتوں کو پوجتے تھے اور ہر ایک قبیلہ سے ایک بت مختص تھا۔

بایں تفصیل: ود ایک بت تھا اور قبیلہ کلب کے لوگ اس کو پوجتے تھے۔ یہ بت ایک قلعہ مسمےٰ دومتہ الجندل میں رکھا رہتا تھا اور سواع ایک بت تھا۔ قبیلہ مذمل کا اور یغوث کومذحج قبیلہ پوجتا تھا اور بعض قبائل یمن بھی اس کی پرستش کرتے تھے اور یعوق کو ہمدان اور لات کو ثقیف طائف میں اور عزیٰ کو قریش اور نبی کنانہ اورمنات کو قبیلہ ادس اور خرزج پوجا کرتے تھے اور ہبل سب بتوں میں معظم اور بڑا تھا۔ یہ بت کعبہ کے اوپر رکھا رہتا تھا۔ پھر اساف اور نایلی دو بت صفا اور مردہ پر تھے۔ ان میں بعض لوگ میلان طبعیت یہودیوں کے مذھب کی طرف بھی رکھتے تھے اور بعضے نصرانیہ کی طرف ڈھلے ہوئے

تھے۔ بعضے صائبہ کے مذہب کی طرف تھے۔ ان کے سب کام 3طلوع وغروب پر مقرر تھے حتیٰ کہ حرکت اور جنبش بھی نہ کرتے تھے جب اس کے موافق طلوع وغروب نہ پاتے اور کہا کرتے تھے اب کے فلاستارے کے طلوع وغروب کے سبب سے ہمارے ملک میں سینہ برسا۔ بعضے ان میں کے

1سورہ جاثیہ 33آیت۔2سورہ ق 14آیت،3نچھتروں

فرشتوں کوسجدہ کرتے تھے اور بعضے جنوں کو پوجتے تھے اور علم اس زمانہ میں یہ پڑھے جاتے تھے: علم الانساب، علم الانواع، علم التواریخ، تعبیر الرویا، حضرت ابوبکرصدیق، ان علوم میں بڑی دسترس رکھتے تھے اور بعض باتیں جو ایام جاہلیت میں کفار کرتے تھے شریعت اسلام میں بھی جائیز رہیں چنانچہ وہ لوگ ماں اور بیٹی سے نکاح نہ کرتے تھے اور دو بہنوں کو جمع کرنا ان کے نزدیک بہت برا تھا اور جو شخص اپنے باپ کی جورو کو گھر میں ڈال لیتا اس کو برا جانتے تھے اور اس کو ضیزن کہا کرتے تھے جو ہندی میں ماں کی گالی ہے اور خانہ کعبہ کا حج کیا کرتے تھے اور عمرہ بجالاتے تھے اور احرام باندھتے تھے اور طواف کرتے اور دوڑتے اور جو جگہ ٹھہرنے کی ہے وہاں ٹھہرتے اور کنکریاں پھینکتے اور تین سال کے بعد ایک مہینہ بھر مراقبہ کرتے اور 1*غسل کی حاجت سے نہاتے اور کلی کرتے اور ناک پانی سے پاک کرتے اور سر پر پانی ڈالتے اور مسواک کرتے اور مستنجا کرتے اور ناخون کٹواتے اور بغل کے بال لیتے اور موی زہار منڈواتے اور ختنہ کرتے اور چور کا دہنا ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے۔ یہ باتیں شریعت اسلام میں بھی جاری رہیں۔

اس قول کے موافق ابن اسحاق اور ابن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل کی اولاد پہلے خدائے واحد کی پرستار تھی مگر بعد میں بت پرستی میں مبتلا ہوگئی لیکن تو بھی یہ لوگ حضرت ابراہیم کے زمانہ کی بہت سے عادتیں اور رسمیں مانتے رہے اور اس بات کو کبھی نہ بھولے کہ اللہ تعالیٰ اور سب معبودوں سے افضل اور ان پر حاکم ہے۔ چنانچہ سیرت الرسول میں مرقوم ہے خلفت الخلوف ونسوا ما کا نوا علیہ واستبدلوا بدین ابراہیم واسماعیل غیر لافصبدوالاوثان وصار والیٰ ما کانت علیہ لامم قبلھمہ من الضلالات وفیھمہ علیٰ ذالک بقایا من عہد ابراہیم یتمسکون بھامن تعظیمہ البیت الطواف ۔۔۔۔۔۔ بروالحج والعمرۃ والوقوف علی عمرفتہ المزدلفہ ھدی البدن وَلاہلال بالحج والعمر مع ادخالھمہ فیہ مالیس منہ فکانت کنانتہ وقریش اذا ھلوا قالو لبیک اللھمہ لبیک لبیک لاشریک ہولک تملکہ وماالک فیوحدونہ بالتلہ ثمہ ید

1*وکانو یکسبون فی کل ثلث اعوام شھر اً یعنی اور ہر تیسرے برس ایک مہینہ لوند کا بڑھاتے تھے۔

خلون معہ اصینا مھمہ یجلون ملکھا بیدہ ترجمہ :ان کی اولاد بگڑ گئی جس طریق پر وہ تھے اس کو بھلایا اور بجائے ابراہیم اور اسمٰعیل کے دین کے اور دین بدل لیا اور بتوں کو پوجنے لگے اور جن گمراہوں میں ان سے پہلے کی قومیں مبتلا تھیں انہیں میں گرفتار ہوگئے مگر باوجود اس کے ان کے درمیان کچھ باتیں ابراہیم کے وقت کی رہ گئی ہیں جن پر اب تک وہ قائم ہیں مثلاً تعظیم خانہ کعبہ، اس کا طواف کرنا۔ حج وعمرہ اور عرفہ ومزدلفہ میں کھڑا ہونا۔ قربانی کے جانوروں کا بھیجنا۔ حج وعمرہ میں اہلال کرنا۔ گو انہوں نے ان میں اور باتیں داخل کردی تھیں۔ پس اہل کنانہ وقریش جب اہلال کرتے تھے تو پکارتے تھے لبیک اللھمہ لبیک کوئی تیرا شریک نہیں بجز اس کے کہ جو تیرا ہی ہے۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور وہ کسی شے کا مالک نہیں پس لبیک کہہ کر وہ اس کی وحدانیت کا تو اقرار کرتے تھے پر پھر اس کے ساتھ اپنے بتوں کو بھی شریک کرلیتے اور ان کا اختیار اسی کے ہاتھ میں دیتے تھے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الأَمْرَ مَا مِن شَفِيعٍ إِلاَّ مِن بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلاَ تَذَكَّرُونَ یعنی تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان وزمین چھ دن میں۔ پھر قائم ہوا عرش پر تدبیر کرتا کام کی۔ کوئی سفارش نہ کرسکے مگر جو پہلے اس کا حکم ہوا ہے وہ اللہ ہے رب تمہارا سوا اس کو پوجو۔ کیا تم دھیان نہیں کرتے۔ (سورہ یونس آیت 2)اس سے ثابت ہے کہ ایام جاہلیت میں اہل عرب خدا کو تبوسل عزیٰ ومنات دلات پوجا کرتے تھے اور ان کو تقریب الہیٰ کا وسیلہ جانتے تھے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں نے بھی ولیوں اور پیر پیغمبروں کو اپنے گناہوں کی مغفرت کا وسیلہ جان رکھا ہے۔ ان کو بھی قرآن مشرک قرار دیتا ہے۔

پس واضح ہوا کہ زمانہ آنحضرت تک یہ اہل عرب ایک طرح سے خدا کی عبادت بجالاتے تھے اور اس کی پاک ذات کی وحدانیت کا اقرار کرتے تھے۔ لہذا معترضین کا قول یہ ہے کہ اس عقیدہ کے حاصل کرنے کے لئے آنحضرت کو کچھ ضرور نہ تھا کہ وہ اپنی قوم وملت بلکہ اپنے گھر سے باہر جاتے۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام عبداللہ اور آپ کے پھوپھی زاد کا عبیداللہ جن کے ناموں میں اللہ معروف باللام آیا ہے یعنی اس میں آل وحدانیت الہیٰ کی علامت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عمدہ عقیدہ آنحضرت کی بعثت کے قبل مشہور ہوچکا تھا۔1*

1*چنانچہ صاحب ملل ونحل عرب جاہلیت کے بیان میں لکھتے ہیں کہ کان قصی ابن کلاب ینھی عن عبادت غیر اللہ من الا صنام یعنی بن کلاب (جو آنحضرت کے پرداد اہاشم کے دادا تھے) خدا کے سوا بتوں کی پرستش سے منع کیا کرتے تھے۔

آنحضرت نے اسی عقیدہ وحدانیت کو اپنے دین میں داخل کرلیا اور سب سے زیادہ اسی پر زور دیا۔

رہیں دوسری رسمیں یعنی طواف کرنا ، اہلال کرنا اور احرام باندھنا اوراسی طرح کی اور رسمیں یہ بھی سب انہیں پہلی قوموں کے دین سے اسلام میں آگئیں۔ رسم ختنہ بھی حسب قول شہرستانی اسی قسم میں سے ہے ۔ چنانچہ عیسائیوں کا ایک یونانی صحیفہ مسمی بہ خط برنباس ہے جو دوسو برس بعد از مسیح تالیف ہوا ۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ "ہر مرد شامی وعربی اور بتوں کے تمام پوجاری ختنہ کراتے ہیں۔" اور یہ بھی معلوم ہے کہ قدیم قبطیوں میں بھی یہ رسم جاری تھی ۔1*

اس میں شک نہیں کہ زمانہ آنحضرت میں بتوں کی پرستش بڑے زور پر تھی۔ خاص خانہ کعبہ میں 360 بت پوجے جاتے تھے مگر تو بھی ابن اسحاق اور ابن ہشام خبر دیتے ہیں کہ عمر دین یحی اور ہذیل بن مدرکہ بتوں کی یہ پرستش آنحضرت سے صرف پندرہ پشت پہلے ملک شام سے لائے اور اس کو مکہ میں رواج دیا۔ مگر ایک بات صاف ہے یعنی بت پرستی ایک ایسی لچر بات ہے جس کی ناشائیستگی اور بطالت کے سمجھنے کے لئے کسی اوسط درجہ کی عقل والے کو بھی الہام ووحی کی حاجت نہیں ہوسکتی لیکن حجر اسود کو چومنے کی رسم قابل غور ہے ۔ قدیم بت پرست اس کو اسی طرح پوجا کرتے تھے کیونکہ ان کی دانست میں وہ بہشت کے پتھروں میں سے ایک تھا۔ یہ عادت اہل عرب کو اس درجہ بھا گئی تھی کہ آنحضرت کو جرات نہ ہوئی کہ ان کو اس سے روکتے اور آج تک دیندار مسلمانوں کو وہ کالاپتھر چومنا پڑتا ہے ۔2*

1* قبطی عیسائیوں میں خصوصاً حبشی عیسائیوں میں یہ رسم ہمیشہ فرض رہی ہے چنانچہ آج کے دن تک وہ لوگ اپنی اولاد کا ختنہ کرتے ہیں۔

2* زیادہ محتاط لوگوں کو یہ عمل بت پرستی کا ایک صریح شائبہ معلوم پڑتاہے ۔ وہ دل سے تو اس سے بیزار ہیں پر حضرت کی سنت کی وجہ سے مجبوراً چومتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرو کی نسبت مسلم نے کتاب الحج میں لکھا ہے قبل عمرُ بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ الحج ثورُ قال امدا اللہ لقد علمتُ انک حجر ولا الی رایت رسول اللہ صلیَ اللہ علیہ وسلمہ یقبلک ماقبلتک (یعنی بوسہ دیا عمر بن خطاب نے حجر اسود کو اور بولے خدا کی قسم مجھ کو خوب معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے اور اگر میں نے نہ دیکھا ہوتا کہ رسول ﷺ تجھ کو بوسہ دیتے تھے تومیں تجھ کو بوسہ نہ دیتا ۔

اسی طرح اور بھی رسوم اور عقائد تھے جن کو لوگوں کے ڈر سے حضرت نہ مٹاسکے اور اسی حال پر رہنے دیا۔ چنانچہ اس بات پر یہ حدیثیں جو صحیح مسلم کے اسی باب میں آئی ہیں شاہد ہیں۔ عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالت قال لی رسول اللہ حداثتہ عہد قومک بالکفر لنقضت البیت ولجعلتہا علیٰ اساس ابراہیم یعنی حضرت عائشہ نے کہا کہ مجھے سے رسول نے کہا تیری قوم نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تومیں کعبہ کو توڑ ڈالتا اور اس کو ابراہیم کی نیو پر بناتا۔

اور دوسری حدیث میں ہے لولا ان قومک حدیث عہد ھم فی الجاھلیہ فاخات ان تنکو قلو بھمہ النظرت ان ادخل الجدر فی البیت وان الزق بابد بالارض ۔ یعنی اگر تیری قوم نے نئی نئی جاہلیت نہ چھوڑی ہوتی اور مجھے ڈر نہ ہوتا کہ ان کے دل پھر جائینگے ۔ تومیں ارادہ کرتا کہ داخل کردوں دیواروں کو کعبہ میں دروازہ اس کا زمین سے ملادیتا۔

اسی قسم کی ملکی مصلحتوں نے اور قومی مخالفتوں کے ڈرنے اسلام میں بہت سے باتیں جوفی نفسہ مناسب نہیں برقرار رہنے ہیں اور کعبہ کے سوار اور بھی بہت کچھ ہے کہ جس کی سالہاسال کی بزرگی و تعظیم نے سپر ہو کر حضرت کے دست تعدی کوروک دیا۔

حاصل کلام یہ کہ دین اسلام کا پہلاپتھر سرچشمہ وہ عادات ورسوم وعقاید ہیں جن کا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اہل عرب خصوصاً قریش میں رواج تھا اور مسلمان اس کی تردید میں بجزاس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ رسوم وعقائد وغیرہ ابتدا میں حضرت ابراہیم پر الہام ربانی سے ظاہر ہوئے تھے اور پھر آنحضرت مامور ہوئے کہ دوبارہ لوگوں سے ان کو منوائیں ۔ توریت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عقیدہ وحدانیت ورسم ختنہ ابراہیم کے دین میں تھے لیکن وہاں نہ مکہ کا کوئی ذکر ملتا ہے نہ کعبہ کا نہ طواف کا نہ حجر اسود کا اور نہ احرام کا پس کوئی شک نہیں کہ وہ رسمیں جو ان چیزوں کے ساتھ وابستہ ہیں وہ سب بت پرستوں کی اپنی تراشی ہوئی باتیں ہیں۔ دین ابراہیم اور الہام الہیٰ ان کے لئے ذمہ دار نہیں ہوسکتے۔

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کی اکثر آئتیں ان قصائد سے ماخوذ ہیں جو قبل از اسلام قریش کے درمیان مشہور ہوچکے تھے اور دکھلاتے ہیں کہ بعض فقرات اشعار ذیل کے جو جاہلی شاعر امراء القیس سے منسوب کئے گئے ہیں قرآن میں ملتے ہیں۔ قاضی الامام ابوعبد اللہ الحسین کی شرح معلقات السبعہ مطبوعہ ایران کے آخر میں جو قصائد امراء القیس دئے ہوئے ہیں ہمارا یہ اقتباس انہی کے موافق ہے۔

دَنتِ السَاعَۃُ والشقَ القمرُ	عَزُ غزال صَادر قلبی و نفرَ
احَور قد حَرُتُ فی اَوصَافہ	ناعِس الطرب بعینہ حَور
مَریوَمُ العیدِ فی زینۃ	فرَمانی فَنتعاطی فَعقدرَرَ
بَھامہِ من لحاظ فاَتِک	فَترَکنی کھشۃ المحظر
وَاِزَامَا غاغاب عِنی سَاَعۃ	کاَنتِ السَاعۃ ادھیٰ وامَر
کَتَب الحُسن علیٰ وِجنتہ	بسحیق المسکِ سطراً مختصرا
عاَدۃ الاَقمار لیرَی فی الدجیٰ	فرَاَیت اللینل یسری بالقمر
با الضحیٰ وَاللیل مِن طریۃ	فرَقہ ذا النور کمہ شی زھر
قلت اِذشق العذ اُرخدہ	ذنَتِ الساعۃ واَنشق القمر

ولہ ایضاً

اَقبَل وَالعشاق من خلفہ	کاَنھمہ من حدَب ینسُلونَ
وَجاَءَ یَومُ العیدِ فی زینۃ	لِمثل ذا فَلیعمل العاملون

ان اشعار میں جن الفاظ وفقرات پر خط کھنچا ہے وہ قرآن کی سورہ قمر آیت 1و29و31و46اور سورہ ضحیٰ آیت 1 سورہ انبیاء آیت 96اور سورہ صافات آیت 59میں ملتے ہیں۔ ان میں فرق اس قدر ہے کہ بعض الفاظ کی صورت میں کچھ کمی کردی گئی ہے مگر معنی میں کچھ تفاوت نہیں۔ بہر حال ان اشعار اور قرآن کی آیات میں ایک علاقہ ظاہر ہے جو توارد کی حد سے گذرا ہوا ہے اور دراصل یہ اشعار امراء القیس کے ہیں یا زمانہ قبل از اسلام کے تو مسلمان اس توافق کا کوئی جواب نہیں رکھتے۔ 1*

1* ہاں ایک اور بات ہے جس کا یہاں ذکر کردینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ آنحضرت کو بھی شعر و سخن سے مذاق تھا یعنی آپ اپنے زمانہ کے شعراء کے کلام سے دلچسپی رکھتے تھے خصوصاً جن کے خیالات پاکیزہ اور بیشتر مواحدانہ تھے۔ مشکواۃ کتاب لارب۔ باب البیان والشعر میں لکھا ہے کہ دیار مشرق کے دو سرح بیان خطیبوں کا کلام سن کر لوگ دنگ ہوگئے تو حضرت بول اٹھے ان من البیان السحر یعنی بعض کلام تو جادو ہوتا ہے" وہیں آپ کا یہ مقولہ بھی ہے ان من الشعر حکمۃ یعنی " بعض شعر میں حکمت ہوتی ہے" اس سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت محمد اچھے نقاد سخن تھے۔ وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے شعر کی مذمت فرمائی لاَکان یتملی جوفر جل قیحاً خیرلہ من ان یتلئی شعراً یعنی اگر کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرے "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نے برا بھلا سب قسم کا کلام سنا تھا اور برے اشعار اور برے شعراء سے آپ بیزار ہوگئے تھے جیسے ہمارے زمانہ مولانا حالی ۔ آنحضرت کو اچھے اچھے اشعار یاد بھی تھے چنانچہ اسی باب میں یہ حدیث ہے اصدق کلمتہ قالہا الشاعر کلمتہ لبیر الا کل شئی اخلا اللہ باطل یعنی سب سے سچا سخن جو کسی شاعر نے کہا لبید کا کلام ہے یعنی سوائے ذات خدا کے ہر شے ہیچ ہے ۔ اس سے مختلف کلاموں کو باہم مقابلہ وموزانہ کرنے کا دعویٰ مستنبط ہوتا ہے اور مسلم کی کتاب الشعر میں اسی مطلب پر ایک اور حدیث ہے جس میں اس قدر اضافہ ہے وکاد ابن ابی الصلت ان یسلمہ یعنی اور ابواصلت کا بیٹا اسلام کے بہت قریب تھا۔ یہ دیندار شعراء میں سے ایک شخص تھا اس کے کلام میں زیادہ تر معرفت کی باتیں ہیں اسلئے آپ نے اسکی اس قدر تعریف کی اور آپ اس کے کلام کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اس شخص کی تعریف میں کتاب الاخانی الامام ابی الفرح الاصہبانی میں لکھا ہے کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھا جنہوں نے قبل از اسلام دین حقیقی اختیار کرکے بت پرستی ترک کردی تھی بلکہ یہ خود بھی اہل عرب کے درمیان دعویٰ نبوت کرنے والا تھا۔ چنانچہ مشکواۃ کے اسی باب میں ذیل کی حدیث اس مضمون پر آئی ہے عمر بن شرید سے سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا اپنے باپ سے وہ کہتے تھے کہ ایک دن میں رسول اللہ کے ساتھ ان کے پیچھے سوار تھا۔ آپ نے فرمایا تجھ کو امیہ بن ابی الصلت کا کچھ کلام یہ ہے کہ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا پڑھ۔ تب میں نے ایک بیت پڑھا۔ آپ نے فرمایا اور پڑھ ۔ میں نے ایک بیت اور پڑھا۔ آپ نے فرمایا اور پڑھ ۔ اس طرح میں نے ایک سو بیت پڑھ ڈالے۔ اور حضرت خود بھی اکثر عمدہ اشعار موقع سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگ میں آپ کی انگلی سے خون نکلا۔ آپ نے حسب حال ایک شعر پڑھا۔ یوم خندق آپ کام کرتے جاتے تھے اور اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ اس کا مذکورہ بھی اسی باب مشکواۃ میں ہے۔

اسلام سے پہلے دیندار لوگوں میں سے جن کی تعریف شہرستانی کرتا ہے ومن کان قصہ التوحید ویومن بیومہ الحساب قس بن ساعدۃ الایادی یعنی توحید کا ماننے والا اور روز حساب کا قائل ایک قس بن ساعدۃ لایادی تھا۔ حضرت کو اس کا کلام بھی بہت مرعوب تھا اور آپ اس کا وعظ بھی سن چکے تھے۔ یہاں ہم اس کا تذکرہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے تحفہ سے نقل کرتے ہیں (باب 2 کید 37) ابن عباس روایت نمودہ است قال ان وفد بکر بن رایل قل مواعلی رسول اللہ فل فرغ لمن حوسجھ قال قال رسول اللہ فیکمہ حد یعرف قس بن ساعۃ الایادی قالوا اکلنا نعر ذہ قال مافعل تلواملک فقال رسول اللہ کانی انظر الیہ علی جمل احمر بعہ کاظ قایئما یقول ایھا الناس اجتمعوا اسمعوا وعوار کل من عاش مات وکل من سات ذات رکل ماھو آت آت فی السماء لخیراً وان فی الارض بصراً عماد موضوع وسقف مرفوع وحجار تبور وتجارۃ لن تبوریل راج رسماء ذاۃ البراج اقسم قس حقالئن کان فی الامر رضی لیکونن بعدہ سخط وان اللہ عزت قدرتۃ دینا ہواحب الیہ من رینکمہ الذی انتہمہ علیہ مالی اری الناس یذھبون نکا یرجعنو ارضوا افاقامواہم ترکوا فنامواثمہ انشد ابوبکر شعراً کان یحفظ لہ فی الذاھبین الاولین من القرون لنا بصایر الخ (ترجمہ) ابن عباس نے روایت بیان کی کہ قوم بکر بن وائل کی طرف کے لوگ رسول اللہ کے پاس آئے ۔ پھر جب اپنی ضروریات سے فارغ ہولئے تو رسول اللہ نے فرمایا تم لوگوں میں سے کوئی قس بن ساعد ایادی کو بھی جانتا ہے ؟ وہ بولے ہم میں سے ہر ایک اس کو جانتا ہے آپ نے پوچھا اس کا کیا ہوا ؟ وہ بولے مر گیا۔ پس رسول اللہ نے فرمایا میں گویا

اسوقت اس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ بازار عکاظ میں لال اونٹ پر سوار کھڑا یہ کہہ رہا ہے ۔ اے لوگو جمع ہو۔ کان دھر کے سنو اور یاد رکھو جو زندہ رہا وہ مرا اور جو مرا وہ گیا گذرا ہوا۔ اور جس کو آنا ہے وہ ضرور آئے گا۔ بلاشک آسمان میں بھلائی ہے اور زمین میں عبرتیں ۔ ایک ستون کھڑا ہے اور سقف بلند ہے ۔ دریا موج مارہا ہے اور سودا بے نقصان ہے ۔ رات اندھیری ہے اور آسمان برجوں والا ہے ۔ میں قس سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ شروع خوب ہوتا ہے تو پیچھے برائی ہوتی ہے ۔ بیشک خدا قادر کی طرف سے ایک دین ہے جو اس کو اس دین سے زیادہ پسند ہے جس پر تم لوگ ہو۔ یہ کیا بات ہے جو میں دیکھتا ہوں ؟ لوگ گذر جاتے ہیں اور لوٹ کر نہیں آتے۔ کیا ان کا دل لگ گیا اور وہیں بس گئے یا چھوڑ دیئے گئے اور سورہے ؟ پھر ابوبکر نے کچھ شعر کہے جو قس کے کلام سے اس کو یاد تھے۔ اگلے وقتوں کے گئے گذرے لوگوں کے حالات سے ہم کو دانائی حاصل ہوتی ہے ۔ الخ۔

حافظہ آنحضرت کا زبردست تھا۔ دیکھو قس کا کلام جو نثر میں ہے ۔ آپ کے ذھن میں کیسا تازہ رہا۔ اہل عرب میں عوام الناس کے مذاق بگڑے ہوئے تھے۔ فحش عیاشانہ کلام کی قدر تھی جیسا کہ امراء القیس وغیرہ مشہور روز گار لوگوں کا ہوتا تھا۔ عمدہ وعالی مضامین کو پسند کرنے والے معدودے چند تھے۔ آنحصرت کی طبعیت اس کے لئے از بس مناسب وموزون واقع ہوئی تھی۔ پس کچھ عجب نہیں کہ قرآن کے اندر صدہا دینداروں کا متفرق کلام نثر و نظم ویسا ہی یا کچھ ردو بدل کے ساتھ محفوظ رہ گیا ہو اور جو لوگ قرآن کو کلام ربانی نہیں مان سکتے بلکہ کلامِ انسانی کہتے ہیں وہ اس کو انہیں با خدا لوگوں کے ملفوظات سمجھتے ہیں جو دینداری کی وجہ سے ہر لعزیز ہوئے اور جن کے نتائج طبع بد اخلاق زمانہ کے بے قدری نے نسیاً منسیاً کردئیے ۔ شہر ستانی نے عرب محصلہ کے بیان میں ایسے بعض لوگوں کو ذکر کیا ہے اس میں اسی قس بن ساعدد کا ایک شعر ہے ۔

کلا بل ھو اللہ احد　　　　یس بمو اور دو کا والد

اس کا مقابلہ کرنا چاہئے قرآن کے ان جملوں سے قل ھو اللہ احد لمہ یلد ولمہ یولد اور امیہ بن ابی الصلت کا بھی ایک سخن شہر ستانی نے نقل کیا ہے کل دین یوم القیامت عند اللہ الادین الحنفیۃ اور اس کا مقابلہ قرآن کی اس آیت سے کرنا چاہئیے ومن یتبغ غیر الاسماھورینا فلن یقبل منہ آل عمران 1ع اور حضرت کی دانست میں دین صنیفی اور دین اسلام ایک رسمی چیز ہے فاتبعو املۃ ابراھیمہ حقیقاً آل عمران 9ع اور زید بن عمرو بن نفیل جس کا ذکر آخری فصل کتاب میں آئے گا یہی دعویٰ کرتا تھا لمہ یبق علی دین ابراہیم احد غیری ۔ اور اسی قمام پر زہیر بن ابی سلمی کا ایک مقولہ درج ہے یحی العظامہ وہی رمیم اس کو قرآن کی اسی آیت سے ملادیا قال من یحیی العظام وہی رمیم سورہ یس 5ع اس مضمون کو ذرا تفصیل سے ہم ضمیمہ میں بیان کریں گے ۔

فصل سوم

اس دعویٰ کی تحقیق میں کہ قرآن وحدیث کی بعض تعلیمات وحکایت یہودیوں کی تفاسیر وروایات اور افسانوں کے مضامین سے ماخوذ ہیں اور کہ اسلام کی بعض دینی رسوم صائبین قوم کے پرانے طریقے سے نکلی ہیں

جس وقت حضرت محمد نے نبوت کا دعویٰ کرکے اس امر میں کوشش کرنا شروع کیا کہ اپنی قوم کو بت پرستی سے پاک کرکے دین ابراہیم کے راستہ پر لگادیں تو اہل عرب کے پاس کوئی الہامی کتاب نہ پائی جس کو ان کی تمام قومیں قبول کرتیں اور اپنا قانونِ شریعت سمجھتی ہوں اور اسی باعث سے ان لوگوں کے بگڑے ہوئے دین کی اصلاح کرنا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں ان کے درمیان تین قومیں موجود تھیں جن کو اپنی دینی کتابوں پر بڑا ناز تھا اور معترضین کا قول ہے کہ جس وقت دینِ اسلام طفلِ نوازد کی طرح پالنے میں پڑا ہوا تھا ان میں سے ہر ایک قوم نے اس کے پالنے پوسنے میں اچھا خاصہ حصہ لیا جس سے انکار کرنا بغیر ناشکری کے ممکن نہیں۔ یہ تین قومیں صائبین ،یہود و نصاریٰ تھے جن میں سے ہر ایک کا ذکر اپنے اپنے موقع سے کیا جائے گا۔

صائبین کے بارے میں جن کا مذہب اب بالکل اٹھ گیا ابوالفدا اپنی مشہور تاریخ میں یوں لکھتا ہے کہ " ابو عیسیٰ مغربی کہتا ہے کہ امت سریان سب مذہبوں اور امتوں سے اول ہے چنانچہ حضرت آدم اور اس کی اولاد کی زبان سریانی ہی تھی اور ان کی ملت ومذھب بعینہ ملت ومذہب صائبین ہے ۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس دین کی تعلیم حضرت شیث اور حضرت ادریس اور یس علیہ السلام سے پائی ہے ۔ ان کے پاس ایک کتاب بھی ہے جو حضرت شیث کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے ہیں جو خدا تعالیٰ نے اس پر نازل کئے تھے۔ ان صحیفوں میں محاسن اخلاق یعنی سچ بولنا اور شجاعت کرنا اور مسافر کے واسطے تعصب کرنا ایسی ایسی باتیں اس کتاب میں لکھی ہیں اور اس

کتاب میں امرو نہی بھی موجود ہے اور وہ تمام بری باتیں جن سے آدمی کو پرہیز کرنا چاہئے اور اچھی باتیں جن کرنا چاہئیے اس میں سب مذکور ہیں۔

اب ہم صائبین قوم کی عبادت کا طور بیان کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ صائبین کے مذہب میں سب طرح کی عبادتیں ہیں از انجملہ سات وقت کی نماز ہے۔ جن میں سے پانچ وقت کی نماز مطابق پنج وقتی نماز اہل اسلام کے ہے۔ اور چھٹے وقت کی نماز کو صلواۃ ضحیٰ یعنی دوپہر کی نماز کہتے ہیں اور ساتویں وقت کی نماز کا وقت چھ گھنٹے رات گذر جانے پر ہوتا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی مانند نماز پڑھتے ہیں۔ نیت نماز کی مسلمانوں ہی کی مانند کرتے اور ایک نماز کو دوسری سے نہیں ملاتے اور 1* جنازہ کی بھی نماز بدون

1* واضح ہو کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اوقات مروجہ نماز کے تین تھے۔ صبح وشام اور دوپہر۔ زردشتیوں کے اوقات نماز پانچ تھے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ صائبین کے اوقات سات تھے اور ابوالفدا لکھتا ہے کہ "نماز نصاریٰ کی سات وقت کی ہوتی ہے۔ فجر، دوپہر، ظہر۔ عصر، مغرب، عشا اور آدھی رات کی نماز تاریخ مترجم صفحہ 219 جلد اول۔ غالباً عرب میں عیسائیوں کا یہی دستور رہا ہو۔ طہارت ووضو نماز کے لئے دین صائبی و یہود میں لازم ہے۔ پس مسلمانوں کی نماز دراصل یہودی وعیسائی اور صائبی اور زردشتی طریقوں سے مرکب ہے۔

اسلام کی نماز میں تین وقت بھی ہیں۔ پانچ وقت بھی سات وقت بھی۔ نمازیں مسلمانوں کی سات ہیں جن کے جداگانہ سات اوقات ہیں یعنی۔ فجر۔ ضحیٰ، ظہر، عصر، مغرب، عشاء، تہجد ان میں ضحیٰ وتہجد فرض نہیں۔ دوسری پانچ نمازیں فرض ہیں۔ یوں سات اوقات بھی ہیں اور پانچ توضرور ہیں۔ ان پانچوں میں سے ظہر وعصر کی اور مغرب عشا کو ملاملا کر ایک ہی وقت میں پڑھ سکتے ہیں۔ پس پانچ اوقات کے تین ہی اوقات رہ جاتے ہیں (خطبات 236)۔

رکوع اور سجدہ کے پڑھتے ہیں اور تیس دن کے روزے بھی رکھتے ہیں اور روزہ میں چاند کا دیکھنا اور افطار کرنا سب کچھ کرتے ہیں اور جب آفتاب اول بُرج یعنی حمل میں آتا ہے تب عید کرتے ہیں اور چوتھائی رات باقی سے غروب آفتاب تک روزہ رکھتے ہیں اور جب پانچ ستارے جن کو متحیرہ کہتے ہیں اپنے اپنے بیت شرف میں داخل ہوتے ہیں تب یہ لوگ عیدیں کرتے تھے۔ وہ پانچ ستارہ متحیرہ یہ ہیں۔ زحل ،مشتری ،مریخ ،زہرہ ،عطارد،اور مکہ کی بھی عزت کرتے تھے (ابوالفدا مترجم جلد اول صفحہ 197و198)۔

پس اس بیان سے ظاہر وباہر ہے کہ اسلام کے نہایت ہی اہم ارکان روزہ پنجگانہ نماز اور بعض دیگر فرائض جن پر مسلمان عمل کرتے ہیں قوم صائبین سے لئے گئے ہیں۔

رہے یہود یہ امر محتاجِ بیان نہیں ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں بالخصوص ہجرت سے پہلے یہ لوگ ملک عرب کے درمیان شمار میں کثیر اور بہت ہی ذی اقتدار تھے۔ ان کے قوی ترین جتھوں میں بنی قریظہ بنی قنیقاع اور بنی نضیر بہت بڑھے چڑھے قبیلے تھے لیکن چونکہ یہ حضرت کو شروع سے جھٹلاتے رہے اور انہوں نے ٹھان لی تھی کہ آپ کے دعویٰ نبوت ورسالت کو تسلیم نہیں کرینگے جیسا انجام کار ظہور میں بھی آگیا ہے اس لئے ان اور مسلمانوں کے درمیان کئی معرکہ آرائیاں ہوئیں اور پھر بڑی دقتوں کے بعد مسلمانوں کو قابو ملا کہ ان لوگوں کو مغلوب کرکے یہ تیغ کریں یا ملک عرب سے نکال دیں۔ یہ یہودی گو علم وفضل کے اعتبار سے تو اس قدر مشہور ومعروف نہ تھے تو بھی اپنے انبیاء کی کتابوں مثل توریت وزبور وغیرہ کو بڑی غیرت واحتیاط کے ساتھ نگاہ رکھتے تھے اور اہل کتاب کے نام سے ممتاز تھے جس لقب سے ان کو عیسائیوں کے ساتھ قرآن جا بجا یاد کرتا ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ زبان عبرانی سے بخوبی واقف نہ تھے تو بھی مثل ان یہودیوں کے جو آج کل ایران اور دیگر بلاد اسلامی میں آباد ہیں اپنے بزرگوں سے مجموعہ تالمود کے بہت سے قصے کہانیاں اور خیالی روایتیں اور افسانے سنتے چلے آئے تھے اور بتواتر مانتے رہے تھے اور اکثر جب توریت وکتب ربانی کے سمجھنے سے قاصر ہوتے تو ان کی جگہ پر یہی ضعیف وموضعہ روایتیں زبان سے بیان کرتے تھے۔ لیکن اہل عرب جو ان یہودیوں کے مقابلہ میں نادان وجاہل تھے ان کی تعظیم کرتے تھے کیونکہ وہ ان کو بلاشک وشبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد اہل کتاب محافظ کلام ربانی اور وارثِ علم دین جانتے تھے۔ 1*

1* یہودیوں کے دین نے عربوں کے خیالات میں بالکل انقلاب ڈال دیا تھا اور اس امر کے یقین کرنے کی بہت معقول وجوہ ہیں کیونکہ وہ تمام حنفی اور دیگر موحد فرقے جنہوں نے شرک وبت پرستی کو ترک کردیا تھا دین یہود کی فدیات سے تھے۔ اسلام سے پہلے یہودی عرب میں کوئی ہزار برس تک رہ چکے تھے اور بڑی عزت ووقار کے ساتھ رہ چکے تھے۔

سر سید احمد اپنے تیسرے خطبہ میں لکھتے ہیں۔ "یہودی مذہب عرب میں ان یہودیوں کے ساتھ آیا جو پانچویں صدی قبل از حضرت مسیح کے بخت نصر کے ظلم سے ------ بھاگ گئے تھے اور شمال عرب میں میں بمقام خیبر آباد تھے۔ تھوڑے عرصے کے بعد ------ انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا---- جب یمن کے بادشاہ ذونواس حمری نے مذہب یہود اختیار کیا تب اس نے اور لوگوں کو بھی بالجبر اس مذہب میں داخل کرکے اس کو ترقی دی۔ اس زمانہ میں یہودیوں کو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور اکثر شہر قلعے ان کے قبضہ میں تھے۔ پھر لکھتے ہیں" اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودیوں کے ذریعہ سے ملک عرب میں خدا تعالیٰ کی معرفت کا علم جیسا کہ قبائل عرب میں بالعموم پیشتر تھا اس سے بھی دوچند ہوگیا۔ وہ عرب جنہوں نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا اور وہ لوگ بھی جو ان سے راہ ورسم رکھتے تھے اس سے فیضیاب

ہوئے تھے کیونکہ یہودیوں کے پاس ایک عمدہ قانون شریعت اور سوشیل اور پولٹیکل موجود تھا اور اس زمانہ کے عرب اس قسم کی چیز سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اس سے معقول طور پر استنباط ہوتا ہے کہ بتہ سے خانگی اور سوشیل آئین اور رسوم جو اس قانون میں مذکورہ ہیں عربوں نے اختیار کرلئے ہونگے ۔ خصوصاً یمن کے رہنے والوں نے جہاں کہ ان کے بادشاہ ذونواس نے یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا اور اس نے یہودی مذہب کی ترویج میں کوشش کی ہوگی۔ (صفحہ 229و231)۔

یمن کا حال تو جو کچھ تھا وہ تھا ہی مگر خاص مدینہ کا حال کسی طرح اس سے کم نہ تھا۔ بڑے بڑے زور آور قبیلے یہودیوں کے یہاں آباد تھے اور ایسے ایسے قلعے ان کے قبضہ میں تھے کہ ان سے جنگ کرکے عمدہ برآمد ہونا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ مدینہ موحدین کا گویا گھر تھا ۔مکہ سے نکل کر موحدین کو اسی مدینہ میں پناہ ملی تھی۔ عرب پر ان یہودیوں کی اور ان کے دین کی دھاک سی بیٹھی ہوئی تھی سنن ابی داؤد کتاب النکاح کے باب فی جامع النکاح میں ابن عباس سے روایت ہے کہ کان ھذا الحی من الانصار وھمہ اھل وثن مع ھذا الحی من الیھمہ دوھمہ اہل کتاب مکا نوایردن بھمہ فضلا علیھمہ فی العمہ فکا نوں ایقتدون بکثیر من فعلھمہ یعنی انصار کا ایک قبیلہ تھا جو بت پرستی کرتا تھا ان کے ساتھ یہود کا ایک قبیلہ تھا جو اہل کتاب تھے اور یہ انصار ان یہودیوں کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے ۔ علم کے لحاظ سے اس لئے کہ انصار بہت سے باتوں میں یہودیوں کی پیروی کیا کرتے تھے" اور ان یہودیوں کے دین کی عربوں کی نگاہ میں کیسی وقعت تھی اس بات سے روشن ہوسکتی ہے۔ جو اسی کتاب کی کتاب الجہاد کے بابی فی لاسیر یکمہ علی السلام میں یوں مرقوم ہے ھن ابی عباس کانت المراۃ تمون مقلاۃ فتجعل علیٰ نفسھان ان عش لھا ولمہ ان تھودہ فلما اجیلت بنو النصیر کان فیھمہ من ابناء الانصار فقالو الاندع ابناء نانا نزل اللہ عزوجل لا اکداہ فی الدین یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ دستور تھا کہ جس عورت کی اولاد جیتی تھی تو وہ منت مانتی تھی کہ اگر میرا بچہ جیئے گا تو میں اس کو یہودی کروادونگی۔ پس جب بنی نضیر یہودی جلاوطن ہونے لگے تو ان میں سے انصار کے لڑکے بھی موجود تھے انصار بولے کہ ہم اپنے لڑکوں کو نہ چھوڑینگے۔ اس پر اللہ نے آیت اتاری کہ دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں " عرب کا عقیدہ ان یہودویوں کی نسبت کس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بت پرست والدین اپنے بچوں کو ان یہودیوں کے سپرد کردیتے تھے اور ان کو یہودی کرادیتے تھے اور اس دین کو مقبولِ بارگاہ الہیٰ جانتے تھے۔

معترضین کہتے ہیں کہ جب عقلائے عرب کی طرح آنحضرت بھی سمجھے کہ بت پرستی کوئی حقیقت نہیں رکھتی بلکہ خدائے واحد کے آگے مکروہ ہے اور انہوں نے ٹھان لی کہ میں اپنی قوم کو پھر سے ابراہیم خلیل کے دین کی طرف پھیرالوں تو ان کو بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ مثل دیگر حنفا کے (جن کا ذکر آخر فصل کتاب ہذا میں آئے گا) آپ بھی یہود کی طرف رجوع کرکے تحقیق وتلاش کریں کہ دین حنفی وملت ابراہیمی میں کون کون سے عقائد وفرائض ومراسم دینی داخل ہیں۔1* اس بات کی تصدیق خود اس امر سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ اہل کتاب کا مرتبہ اس جاہل اور بت پرست قوم میں کتنا بڑھا ہوا تھا کہ جہاں کوئی بت پرستی سے بیزار ہوا فوراً اس نے اہل کتاب کی طرف رجوع کیا۔ ابوعامر راہب کا حال روضتہ الصفا جلد دوم میں یوں لکھا ہے " ازخریمتہ بن ثابت منقول است کہ ابوعامر راہب پیش ازآنحضرت از شرک وبت پرستی اعراض نمودہ متشبث بملت ابراہیم شد د پلاس پوشیدہ بہر طرف میگردیدو ازاحبار یہود علمائے نصاریٰ از خصوصیاتِ شریعت خلیل الرحمان مے پرسید " یعنی ابو عامر نے حضرت سے پہلے شرک وبت پرستی سے بیزار ہو کر ملت ابراہیم اختیار کرلیا تھا اور پشینہ (فقیروں) کی پوشاک پہن کر ہر طرف دوادوش کرتا ہوا یہودیوں کے احبار اور عیسائیوں کے عالموں سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی شریعت کی خصوصیات کے بارے میں پوچھتا پھرتا تھا۔ کوئی وجہ نہیں کہ آنحضرت نے کوئی دوسری راہ اختیار کی ہو اور اپنے نامدار پیشرؤں کی پیروی نہ کی ہو۔ حق تو یہ ہے کہ آپ نے اس باب میں سب سے زیادہ کوشش وتفتیش کی جس کا ایک بڑا ثبوت یہی ہے کہ آپ یہود کے قصص وافسانوں سے جو ان کے درمیان مروج ہورہے تھے اچھی طرف واقف ہوگئے تھے حتیٰ کہ آپ کی نسبت حدیث میں آیا ہے عن عبداللہ بن عمر وقال کان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلمہ یحد ثنا عن بنی اسرائیل حتی یصبح مایوقومہ الا الیٰ عظمہ صلاۃ یعنی عبدا اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی اللہ صلعم ہم لوگوں سے بنی اسرائیل کی حدیثیں بیان کرتے کرتے صبح کردیتے تھے اور اٹھؒنے کو نہ آتے جب تک نماز کا خیال نہ آت سنن ابی داؤد کتاب العلم ۔ پھر اسی کی کتاب الارب میں ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایسے بہت اقوال یاد ہوگئے تھ جن کو اس زمانہ میں لوگ پرانے پیغمبروں سے منسوب کرتے تھے عن ابن مسعود قال قالہ رسول اللہ صلعم ان مما دارک الناس من کلاہ النبوۃ الاوالی لمہ میستحی نافعل ماشت یعنی ابومسعود سے روایات ہے حضرت نے فرمایا لوگوں کو اگلے نبیوں کے کلام سے جو کچھ پہنچا اس میں یہ ہے کہ جب تیری عیا جاتی رہے تو کر جو تیرے جی میں آئے اور یوں تو آنحضرت نے عام اجازت دے رکھی تھی حد ثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج یعنی بنی اسرائیل سے حدیثیں روایت کرو کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن جب اہل کتاب کے ساتھ آپ کی مخالفت بڑھ گئی تو وہ لوگ بھی آپ کو تعلیم کرنے میں نحل کرنے لگے اور شاید کبھی کبھی دھوکا بھی دیتے تھے۔ چنانچہ مسلم کتاب صفات النافقین میں حمید بن بعد الرحمان کی روایت ہے قال ابن عباس سالتھہ انبی صلعم عن شئی نکتموۃ آیا واخبرودہ بغیرہ فخر جو اقدار ولاقد خبروہ بما صالھہ وعنہ یعنی ابن عباس نے کہا آنحضرت نے اہل کتاب سے کوئی بات پوچھی تھی۔ انہوں نے اس کو تو چھپایا اور اس کی جگہ کوئی اور بات بتادی اور آپ کو یہ سمجھا کر چلے گئے کہ جو بات آپ نے پوچھی تھی وہی ہم نے بتلادی۔ کیا عجب کہ قرآن وحدیث کے بہت سے خلاف واقعہ بیانات کا ماخذ اہل کتاب کی خلاف بیانی ہو۔

قرآن سے ہوتی ہے ۔ اگر تعلیمات واخبار مندرجہ قرآن وحدیث کو ان تعلیموں اور خبروں سے ملائیں جن کا اس وقت یہود کے درمیان چرچا ہورہا تھا تو روز روشن کی طرح یہ بات کھل جاتی ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت ہی پکا اور یقینی رشتہ ہے اور ان کی آپس کی عجیب وغریب مشابہت ہر قسم کے شک کو مٹادیتی ہے۔ اس قیاس کو تقویت دینے والی بات ایک یہ ہے کہ قرآن جا بجا دین ابراہیم کو سچا دین مانتا ہے اور پھر بڑے شدومد کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہے کہ یہودیوں کا مذھب برحق ہے اور ان کی کتب مقدسہ من جانب اللہ ہیں چنانچہ مرقوم ہے۔"اور جھگڑا نہ کرو کتاب والوں سے مگر اس طرح جو

بہتر ہو مگر جو ان میں سے بے انصاف ہیں اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اترا ہم کو اور اترا تم کو اور بند گی ہماری تمہاری ایک کو ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔ (سورہ عنکبوت ع5)۔یعنی تم کہو ہم نے یقین کیا اللہ کو اور جو اترا ہم پر جو اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو عیسیٰ کو اور ملا سب نبیوں کو اپنے رب سے ہم فرق نہیں کرتے ایک میں ان سے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں (سورہ بقرہ ع 16)۔ اور اسی امر کی مطابقت میں تھا کہ شروع شروع میں آنحضرت نے اپنا اور مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کو (جو یہودیوں کا قبلہ ہمیشہ سے رہا ہے) ٹھہرایا اور مدت تک اس پر برقرار رہے 1*

1* اور جب آپ مدینہ میں ہجرت کرکے آئے تو یہودیوں کی پیروی میں اور آگے قدم بڑھانا شروع کیا اور ان لوگوں کا روزہ عاشورہ اپنے اوپر فرض ٹھہرالیا اس کا قصہ یوں ہے۔ قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینہ لوجد الیھود یصومون عاشوراء اف لھمہ عن ذالک نقالو ھذا الیوم الذی اظھر اللہ فیہ موسیٰ علیٰ فرعون ونحن احق بموسیٰ علیٰ فرعون ونحن نصومہ تعظیماً الہ فقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحن احمق بموسیٰ منکمہ وامر بصیامہ یعنی روایت ہے کہ رسول للہ صلعم جب مدینہ میں آئے تو یہودیوں کو عاشورا کا روزہ رکھتے پایا۔آپ نے ان سے اس کی بابت دریافت کیا۔ انہوں نے کہا آج کے دن اللہ نے موسیٰ کو فرعون پر فتح بخشی تھی اور ہم اسی کے ادب کی خاطر اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ تب نبی صلعم نے کہا ہم تم سے زیادہ موحلی کے قریب ہیں اور اس دن کے روزے کا حکم فرمایا۔ مسلم کتاب الصیام باب سوم یوم عاشورا۔

اب ان واقعات کے سامنے یہ عذر قابل پذیرائی نہیں کہ قرآن میں آپ کو الرسول النبی الامی لکھا ہے (اعراف ع 19) اس لئے کہ آپ ناخواندہ تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جب یہودیوں کی کتابیں پڑھ نہیں سکتے تھے تو کیونکر ان کتابوں سے مضامین اخذ کرسکتے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ حضرت کو امی اس لئے نہیں کہا کہ آپ ناخواندہ تھے بلکہ اس لئے کہ آپ غیر اہل کتاب تھے 1* ۔ عرب نے بھی غیر عرب کو عجمی بمعنی غیر فصیح شمار کیا ہے۔ پس اگر کسی عربی کتاب میں لکھا ہوا ملے کہ حافظ شیرازی عجمی تھے تو اس سے یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ غیر فصیح ہیں سخت نادانی ہوگی ۔2*

1* چنانچہ اس طرح تو قرآن میں تمام اہل عرب کو امی کہا ہے۔ ھو الذی بعث فی الایتیت رسولا منھمہ یعنی وہی ہے جس نے اٹھایا امیوں (یعنی عربوں میں) ایک رسول انہیں میں کا (جمعہ ع 1) یعنی کہہ دے اہل کتاب سے اور امیوں سے (آل عمران ع 2) اور یہود نصارےٰ کے مقابلہ میں ایک جگہ ان کو کہا الذین لا یعلمون یعنی وہ لوگ جن کے پاس علم نہیں (بقرہ ع14) حالانکہ معلوم ہے کہ عربوں میں پڑھے بے پڑھے سب تھے مگر چونکہ وہ لوگ علم دین اور کتب سماوی سے بے بہرہ تھے ان کو ایسا لقب دیا گیا اور یہ اصطلاح بھی یہودیوں کی تھی قالوا ایس ھلینا فی الامین سلبیل (آل عمران ع 8)

2* اہل اسلام کی اصطلاح ایک لفظ جاہلیت ہے جو قرآن میں بھی آیا ہے۔ اسلام کے قبل جتنا زمانہ گذرا سب اسی میں داخل کیا جاتا ہے۔

پس اگر آنحضرت کو امی کہا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ آپ ناخواندہ یا ان پڑھ محض تھے 1*۔ علاوہ بریں آپ کے گھر میں اہل کتاب کے صحیفے پڑھنے والے اور لکھنے والے بھی تھے مثلاً حبیب ابن مالک اور عبداللہ بن اسلام جو گو صحیح اور مستند کتابوں سے پوری طرح واقف نہیں تھے تو بھی ان روایتوں اور قصے کہانیوں کو کچھ نہ کچھ ضرور جانتے تھے جو اس زمانہ میں یہودیوں کے درمیان مروج ہورہی تھیں 2*۔

1* بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آپ پڑھے لکھے تھے۔ صلح حدیبہ کا قصہ مشہور ہے کہ آپ نے حضرت علی کے ہاتھ سے قلم لے کر خود عبارت محمد رسول اللہ میں سے اللہ کو کاٹ دیا اور ان کی جگہ ابن عبد اللہ لکھ دیا۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے صلح حدیبہ کے بیان میں لکھی ہے۔ پھر زندگی کے آخری دنوں میں جب آپ بستر مرگ پر تھے ابوالفدا لکھتا ہے کہ آپ نے ارشاد کیا کہ ایک دوات اور کاغذ سفید میرے پاس لاؤ۔ میں ایک وثیقہ اور کتاب تم کو لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہوجاؤ۔ تاریخ مترجم جلد 2 صفحہ 362۔ یہ حدیث قرطاس شیعہ اور سنیوں کے مباحثوں میں بہت ہی مشہور ہے۔ اس کو ابن عباس نے روایت کیا اور بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔ اور شیعہ آنحضرت کے خواندہ ہونے سے انکار نہیں کرتے اور سنیوں میں علاوہ ان حدیثوں کے ایک اور حدیث بھی اس مضمون کی مشہور ہے مامات النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ قرو کتب لیکن مانا کہ حضرت مطلق ناخواندہ تھے تو کیا آپ لوگوں سے پوچھو پاچھ کر سن سنا کر بھی یہودیوں وعیسائیوں کی تعلیموں اور قصص وحکایت وعقائد فرائض سے وقوف حاصل نہیں کرسکتے تھے جبکہ آپ کی زاد بوم میں بڑے بڑے قوی قبائل یہود سکونت پزیر تھے اور چپے چپے پر عیسائیوں کے کینسے تھے اور راہبوں کی خانقاہیں موجود تھیں۔

2* آخر پھر اہل یہود کی وہ حدیثیں آپ نے سیکھی کیسے تھیں جو رات بھر آپ اپنے اصحاب کو سنایا کرتے تھے ؟ ہم کہتے ہیں کہ حضرت پوچھ پاچھ کر سب کچھ سیکھ سکتے تھے اور بعد میں تو قرآن میں ایسا کرنے کا آپ کو حکم ہوا ہے ۔ فسل الذین یقروون الکتب من قبلک یعنی تو پوچھ لے ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے (سورہ یونس ع3) اور موسیٰ کے قصہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے کہ بنی اسرائیل سے پوچھ لو (سورہ بنی اسرائیل ع 12) اور آپ تمام اہل عرب کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ فسلوا اہل الذکر ان کنتمہ الا تعلمون یعنی تم پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے (سورہ انبیاء ع 1 اور سورہ نحل ع 6)۔

اب اگر ہم قرآن کی جانچ کرتے ہیں تو ہم کو وہاں وہی قصہ کہانیاں اور روایتیں ملتی ہیں جو صرف بلاتحقیق عوام الناس سے سن سنا کر حاصل ہوسکتی تھیں ان روایات کا ماخذ یا تو کتاب تالمود (یہودیوں کی حدیث کی کتاب) ہے یا دوسری وہی وافسانوں کی کتابیں جو یہودیوں کے درمیان آج تک موجود ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم اوردیگر بزرگوں کے حالات کے متعلق جن کا ذکر توریت میں بھی آیا جو کچھ قرآن میں مندرج ہوا سب کا سب انہیں باطل افسانوں سے ماخوذ ہے ۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں ہم ذیل کے قصے پیش کرتے ہیں۔

پہلا قصہ ہابیل وقابیل کا

قرآن میں حضرت آدم کے ان دونوں بیٹوں کا نام اسی طرح بیان ہوا ۔ قصہ ان کا سورہ مائدہ ع 5 میں یوں آیا ہے ۔

اور سنا ان کو حال تحقیق آدم کے دو بیٹوں کا جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز پھر قبول ہوئی ایک سے اور نہ قبول ہوئی دوسرے سے ۔کہا میں تجھ کو مار ڈالونگا وہ بولا کہ اللہ قبول کرتا ہے۔ سو ادب والوں سے ۔ اگر تو ہاتھ چلائے گا مجھ پر مارنے کو۔ میں نہ ہاتھ چلاؤ نگا تجھ پر مارنے کو۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو صاحب ہے سب جہان کا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ پھر ہو دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا بے انصافوں کی پھر اس کو راضی کیا اس کے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے پھر مار ڈالا تو ہوگیا زیان والوں میں ۔ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا کریدتا زمین کو کہ اس کو دکھادے کہ کس طرح چھپاتا ہے عیب اپنے بھائی کا ۔ بولا اے خرابی کہ مجھ سے اتنا نہ ہوسکا کہ ہوں برابر اس کوے کے کہ میں چھپاؤں عیب اپنے بھائی کا ۔ پھر لگا۔ پچھتانے اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی مارڈالے ایک جان سوائے بدلے جان کے یا فساد کرنے پر ملک میں تو گویا مارڈالا سب لوگوں کو اور جس نے جلایا ایک جان کو تو گویا جلایا سب لوگوں کو۔"

یہودیوں کی روایتوں میں دونوں بھائیوں کی یہ فرضی گفتگو کئی طرح سے بیان ہوئی ہے ۔

تارگوم یوناتان بن عزئیہ اور نیز تارگوم یروشلمی میں مرقوم ہے کہ " قائن (جس کو عربی کتابوں میں قابیل لکھا ہے)کہتا تھا کہ نہ گناہ کی کچھ سزا ہے اور نہ نیکی کو کوئی جیز ہے ۔مگر ہابیل سزا وجزا دونوں کا قائل تھا اس وجہ سے قائن نے اس کو پتھر کی ضرب سے مار ڈالا۔ اور کتاب پرقی بی الیعذر کے باب 21 میں ہابیل کی لاش کے دفن ہونے کا قصہ یوں ہے کہ " آدم اور اس کی زوجہ بیٹھے ہوئے اس (ہابیل) پر گریہ وزاری کررہے تھے اور انہیں نامعلوم تھا کہ اب کیا کریں کیونکہ دفن کرنے کی ان کو خبر نہ تھی۔ اتنے میں ایک کوا آیا جس کا رفیق مر گیا تھا۔ اس نے اس کی لاش کو دیا اور زمین کرید کر ان آنکھوں کے سامنے دبادیا ۔ تب آدم بولا میں بھی وہی کرونگا جو اس کوے نے کیا۔ پس اس نے ہابیل کی لاش لی اور زمین کھود کر اس میں دفن کردی" قرآن کے قصے میں اور اس میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ وہاں تو کوے نے قائن کو مردہ گاڑنا سکھایا اور یہاں آدم کو۔ اصل قصہ یہی ہے جو قرآن کا ماخذ ہے ۔ سنی سنائی بات ہونے کی وجہ سے اس قدر فرق پڑگیا۔ اس کا ایک بہت بڑا ثبوت خود قرآن میں موجود ہے یعنی قرآنی قصہ میں جو آخر آیت ہے لکھا ہم نے بنی اسرائیل کو جو مارڈالے ایک جان " اس کو سابق کی آیات سے کوئی ربط نہیں۔ کچھ نہیں معلوم ہوسکتا کہ اس کو ہابیل کے قتل سے کیا مناسبت ہے ۔ اس جگہ یہ کلام بالکل بے جوڑ ہے اور مفسرین قرآن کے پاس اس کے ربط دینے کا کوئی سامان نہیں مگر اس عقدہ کا حل یہ ہے کہ کتاب عبرانی مشناہ سنہدرین باب 4آیت 5میں توریت کی اس آیت کی تفسیر ہوئی ہے تب خدا نے قائن سے کہا تونے یہ کیا کیا ؟ تیرے بھائی کا خون زمین سے مجھ کو پکارتا ہے ۔"(پیدائش باب 4آیت 10) اصل عبرانی میں یہ لفظ خون صیغہ جمع وارد ہوا ہے یعنی خونہا اور مفسرین عبرانی نے اس میں سے یہ ذیل کی بات پیدا کی :

قائن جس نے اپنے بھائی کو مارڈالا اس کی نسبت یہ فرمایا گیا تیرے بھائی کے خون پکارتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا تیرے بھائی کا خون بلکہ یہ کہ تیرے بھائی کے خون یعنی اس کا خون اور اس کی نسل کا خون آدم مجرد پیدا کیا گیا تاکہ یہ بات روشن ہوجائے کہ جس کسی نے بنی اسرائیل میں سے ایک جان کو مارڈالا تو موافق نوشتہ کے گویا اس نے ساری نسل کو جلایا۔

اب یہ امر محتاج بیان نہیں کہ آیت قرآنی اسی عبرانی مفسر کے قول کا لفظی ترجمہ ہے مگر چونکہ صرف ایک جزو لے لیا اور باقی چھوڑدیا اس لئے یہ ساری آیت وہاں بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم کے آگ سے بچ جانے کا

قرآن میں یہ قصہ پورا کسی ایک جگہ نہیں ملتا بلکہ تھوڑا تھوڑا متفرق مقاموں میں جا بجا آیا ہے ۔ سورہ بقرہ رکوع 35 ،انعام 9،انبیاء 5،مریم 3،شعراء 5،عنکبوت 2،صافات 3،زخرف 3،اور ممتحنہ کے پہلے رکوع میں لیکن انبیاء کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً قصص الانبیاء وعرائس المجالس وغیرہ ان میں ایک ترتیب وسلسلہ کے ساتھ اس کا بیان ہوا ہے ۔ اس کو پڑھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ قصہ خواہ قرآن میں ہو یا حدیث میں جس طرح مسلمانوں میں مشہور ہے سب کا سب یہودیوں کی ایک پرانی کتاب سے ماخوذ ہے جس کا نام مدراش رباہ ہے ہم پہلے اس قصہ کو مسلمانوں کی روایتوں کے موافق بیان کریں گے اور پھر یہودیوں کی کتابوں سے ملا کر دکھلائینگے کہ ہمارا دعویٰ کہاں تک حق پر ہے۔

تاریخ ابوالفدا میں لکھا ہے " آزر والدِ خلیل بت بنا بنا کر حضرت ابراہیم کو دیا کرتے تھے کہ بازار میں جا کر بیچ آئیں اور حضرت ابراہیم یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے والدِ ماجد کون خریدے گا اس شئے کو جو مضر ہو خریدار کو اور کچھ نفع بھی نہ پہنچا سکے اس کو۔ بعد ازاں جب حکم خدا تعالیٰ کا حضرت ابراہیم کو اس طرح پر نازل ہوا کہ کہہ اپنی قوم سے کہ خدا ایک ہے تو کہا حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اولاً اپنے ہی والد سے ۔ اس نے نہ مانا۔ پھر ہدایت کی اپنی قوم کو طرف توحید کے جب یہ حال ان کا ظاہر ہو گیا اور نمرود بن کوش کو خبر پہنچی ۔۔۔۔ نمرود نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو پکڑ کر آگ میں ڈالا دیا۔ وہ آگ حضرت ابراہیم پر مثل گلشن کے ہوگئی ۔ حضرت کا ایک بال بھی نہ جلا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اور چند ایام کے اس آگ سے نکل آئے ۔ یہ حال مشاہدہ کرکے بہت لوگ نمرود سے ڈرتے ڈرتے حضرت ابراہیم پر ایمان لائے ۔"تاریخ مترجم جلد اول صفحہ 32"۔

عرائس المجالس میں لکھا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے ایک دن رات کے وقت مہینے کے آخر میں حضرت ابراہیم اپنے مغارہ سے باہر نکلے (کہتے ہیں کہ ان کی پرورش خفیہ خفیہ غار میں ہوئی تھی اور اب تک باہر آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا)اور چاند نکلنے کے قبل آپ نے تاروں میں ایک چمکتا ہوا تارا دیکھا تو بول اٹھے یہ میرا پروردگار ہے چنانچہ مرقوم ہے ۔فَلماَ جَنَ علیہَ الیل رایِ کو کباً قاَلَ ھذا ربی فلماَ اَفل قالَ لاَ اُحب الافلینَ فلماَ راَی القمر باَزِغاً قالَ ھذا ربیِ فلماِ افل قالَ لَئین لمہ یھدِ فی ربیِ لاکُولن منِ القومِہ الضالینَ فلماَ رای الشمسَ باز عۃ قال ھذاَ ربی ھذاَ اکبر لا نہ رای ضوا َھا اعظمہ فلماَ افتَ قالَ یا قومِہ انی برِبی مماَ تشرِکونُ مانیِ وجھتُ وَجھی لَلذی فطرَ السمواتِ والارض حَنفیہ وَماَ انا من َ المشرکین ۔ قالواوکان ابولا یصنع الاصنامہ فلما صنمہ ابراہیمہ الی نفسہ جعل یصنع الاصنامہ ویعطیھا ابراہیم لیبعیمہ فیذھب بھا ابراہیم علیہ اسلام فینادی من یشر مایضر ولاینفع فلا یشری احد منہ فاز ابارت علیہ ذھب بھا الی تھر تقرب روسھپا وقال لھا اشربی کسلاتی استھرا بقومہ وبما ھو علیہ من الضلالۃ والجہالۃ حتی فشاعیہ ایاھا واستھدا اوعبھائی تومہ واھل تریتہ فجاجہ قومہ فی دینہ فقال لھمہ ۔ اتحاجو فی اللہ وقہ ہدَ ان لا یات الیِ قولہ عزوجل وَتلکِ حجتاَ اٰیتناَ ھاَ ابراھیمہَ علیٰ قومہ ترقعَ درجاۃ منِ نشاءِ انَ ربکَ حکیمہ علیمہ حتی حضمہ وغلبہ بالحجۃ ثمہ ان ابراہیم علیہ السلام دعا اباہ ازارلی دینہ فقال یا ابتَ لمہ تصبد ما یسمع ولاَ یبصرولا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ذالک نمرود ولمہ یرجع الیہ شیا۔ یعنی پس جب اس پررات کی اندھیری چھائی اس نے ایک ستارے کو دیکھا اور کہا کہ میرا پروردگار یہ ہے لیکن جب وہ غائب ہو گیا بولا مجھ کو غائب ہوجانے والے نہیں بھاتے۔ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا بولا میرا پروردگار یہ ہے لیکن جب وہ غائب ہوا بولا کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرے تو میں گمراہوں کی قوم میں رہوں۔ پھر جب اس نے سورج کو چمکتا دیکھا بولا میرا پروردگار یہ ہے کہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ غائب ہوا بولا اے قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو۔ البتہ میں نے اپنا منہ اس کی طرف پھیرا جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور میں نہیں مشرکوں میں" (سورہ انعام ع 9) کہتے ہیں کہ انکا باپ بت تراش تھا۔ جب اس نے ابراہیم کو اپنے ساتھ لیا تو بت بنا بنا کہ وہ ان کو دیتا کہ بیچ آیا کریں۔ پس ابراہیم علیہ السلام ان کو لے جا کر یہ آواز لگاتے پھرتے ۔ کون ہے جو ایسی چیز خریدے جو اس کو نقصان پہنچادے اور نفع کچھ نہ دے ؟ پس کوئی نہ خریدتا ۔ جب وہ نہ بکتے تو وہ انہیں نہر کے پاس لے جاتا اور وہاں ان کے سروں کو توڑ کر کہتا" پانی پیو اے میرے کھونٹو" یوں دل لگی کرتا اپنی قوم سے اور ان گمراہی اور جہالت کی باتوں سے جن میں وہ مبتلا تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جو کچھ وہ ان کے بتوں کی برائی کرتا اور ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتا اس کی خبر اس کی قوم اور بستی والوں میں پھیل ی۔ پس اس قوم نے اس کہ مذہب کی نسبت تکرار کی۔ اس نے جواب دیا" تم مجھ سے جھگڑتے ہو اللہ کے بارے میں اور اس نے مجھ کو ہدایت بخشی (سورہ انعام ع 9خدا تعالیٰ کے اس

قول تک) یہ ہماری دلیل ہے کہ دی ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابل درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں تیرا رب تدبیر والا ہے خبردار" حتیٰ کے اس نے ان کو تقریر میں ہرادیا۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو اپنے دین کی طرف بلایا اور کہا "اے باپ میرے کیوں پوجتا ہے جو چیز نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کام آوے تیرے کچھ" (سورہ مریم ع 3 تاآخر قصہ) اس کے باپ نے اس بات کو قبول نہ کیا جس کی دعوت اس کو دی گئی تھی۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے بآواز بلند اپنی قوم سے کہا کہ جن کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں اور اپنے دین کو ظاہر کیا اور بولا" بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادا اگلے سو وہ میرے دشمن ہیں مگر جہان کا صاحب" (سورہ شعراء ع 5) انہوں نے کہا پھر تو کس کو پوجتا ہے؟ وہ بولا جہان کے صاحب کو انہوں نے کہا کیا تیری مراد نمرود سے ہے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھ کو ہدایت بخشتا ہے تاآخر قصہ۔ پس یہ بات لوگوں میں پھیل گئی حتیٰ کہ نمرود جبار کے کان تک پہنچی۔ پس اس نے تجھ کو اٹھایا اور جس کی عبادت کی دعوت کرتا ہے اور جس کی قدرت کا ذکر کرتا ہے اور جس کی وجہ سے تو اس دوسروں پر عظمت دیتا ہے۔ وہ کون ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے (سورہ بقرہ ع 35) نمرود نے کہا میں جلاتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے پوچھا تو کیسے جلاتا اور مارتا ہے؟ بولا وہ دو شخص جو مستوجب قتل ہیں میں اپنے حکم سے پکڑتا ہوں۔ ایک کو قتل کرتا ہوں۔ یوں مارتا ہوں۔ دوسرے کو بخش دیتا اور رہا کردیتا ہوں یوں جلاتا ہوں۔ اس پر ابراہیم نے کہا خدا آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال (سورہ بقرہ) اس پر نمرود حیران رہ گیا اور اس سے کوئی جواب بن آیا۔"

اس واقعہ کے بعد اس کی قوم کی عید کا دن آیا اور لوگ شہر کے باہر چلے گئے مگر ابراہیم کسی بہانہ سے شہر میں لوٹ آئے اور تمام بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا جس کا قصہ یوں ہے۔ اذھمہ قد جعلوا طعا فوضعوہ بین یدی الالھۃ وقالو اذا کان حین رجوعنا فرجعنا وقد بارکت الالھۃ فی طعامنا اکانا فلما نظر ابراھیمہ علیہ اسلام الی الاصنامہ والی بین ایدیھمہ من الطعامہ قال لھمہ طریق الاستھزا الا تاکلون فلما تجبہ قال مالکمہ تنطقون فراغ علیھمہ مصنر بالیمین وجعل یکسرھن بفاس فی یدہ حتیٰ لمہ یبق الا الصنم الاکبر فعلق الفاس فی ھنقہ ثمہ خرج فذالک قولہ عروجل فجعلھمہ جدا اذا اکبیر الھمہ لعلھمہ الیہ یرجعون فلما جاء القومہ من عیدھمہ الی بیت الھتمھہ ورا بتلک الحالۃ قالوا من فعل ھذا بالھتنا انہ لمن الظالمین قالو سمعنا -- من اصلب الحطب راصناف الخشب یعنی جب وہ لوگ کھانا تیار کر چکے تو لاکے اپنے معبودوں کے آگے رکھ دیا اور کہا کہ جب ہمارے لوٹنے کا وقت آئے گا تو ہم لوٹینگے اور معبود ہمارے کھانے پر برکت دینگے تب ہم کھائینگے۔ جب ابراہیم نے ان بتوں کو اور کھانے کو جو ان کے آگے رکھا تھا دیکھا تو ان سے ٹھٹھے کی راہ سے بولے کھاتے کیوں نہیں (صافات ع 3) جب انہوں نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا تم لو کیا ہوا بولتے نہیں؟ پھر گیا ان پر مارتا داہنے ہاتھ سے اور ایک تبر سے ان کو توڑنا شروع کیا جو ہاتھ میں لئے تھا حتیٰ کہ کوئی نہ بچا بجز ایک بت کے جو سب میں بڑا تھا۔ پھر اس نے تبر کو اسکی گردن میں لٹکا گیا اور باہر نکل آیا۔ اور یہی قول ہے خدائے تعالیٰ کا پھر کر ڈالا کو ان ٹکڑے ٹکڑے مگر ایک بڑا ان کا کہ شاید اس پاس پھر آویں۔" (سورہ انبیاء ع 5) پھر جب قوم کے لوگ عید کرکے اپنے بت خانہ میں آئے اور ان کو اس حالت میں دیکھا تو "کہنے لگے کس نے کیا یہ کام ہمارے بتوں کے ساتھ؟ وہ کوئی بے انصاف ہے۔ وہ بولے ہم نے سنا ہے کہ ایک جوان ان کو کچھ کہتا تھا اس کو پکارتے ہیں ابراہیم" ہم خیال کرتے ہیں کہ وہی ہے جس نے یہ کیا ہے پس یہ بات نمرود جبار اور قوم کے بزرگوں کے کان تک پہنچی۔ "وہ بولا اس کو لے آؤ لوگوں سامنے شادی وہ دیکھیں" یعنی اس بات پر گواہی دیں کہ یہ حرکت اسی کی اور یہ بات انہوں نے نازیبا سمجھی کے بے دلیل اس کو پکڑیں اقتادہ اور سدی نے کہا اور ضحاک نے شاید وہ گواہی دیں اس پر کہ ہم کو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئیے اور کونسی سزا تجویز کرنا چاہئیے۔ پھر جب اس کو حاضر لائے بولے" کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے بتوں سے اے ابراہیم؟" ابراہیم بولا" نہیں پر یہ کیا ان کے اس بڑے نے" وجہ یہ ہے کہ اس کو اس بات پر غصہ آیا کہ تم ان چھوٹے بتوں کو اس کے ساتھ پوجتے ہو۔ وہ ان سب سے بڑا ہے۔ پس اس نے ان کو توڑ ڈالا۔" سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ابراہیم نے سوائے تین جھوٹ کے کوئی جھوٹ نہ بولا اور وہ سب اللہ کی راہ میں تھے یعنی اس کا قول کہ " میں بیمار ہوں" اور اس کا قول" بلکہ کیا ہے یہ ان کے بڑے نے" اور اس کا قول بادشاہ سے جس نے سارہ کی مزاحمت کی تھی "وہ میری بہن ہے" پھر جب ابراہیم نے ان لوگوں سے یہ کہا" وہ

سوچے اپنے جی میں " پھر بولے لوگو تم ہی بے انصاف ہو " اس مرد کے حق میں اس بات میں کہ تم نے اس سے ان کی بابت پوچھا اور یہ تمہارے بت جن کے ساتھ اس نے کیا جو کیا حاضر ہیں۔ پس تم اس سے پوچھ لو اور یہی تھا قول ابراہیم کا " سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں " پس اس کی قوم نے کہا ہم کو کچھ اور نہیں سوجھتا مگر وہی جو کچھ اس نے کہا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دراصل تم ہی بے انصاف ہو یعنی اس بات میں کہ ان چھوٹے بتوں کو اس بڑے بت کے ساتھ پوجتے ہو۔ پھر اس کے معاملہ میں وہ حیران رہ گئے اور اپنے اپنے سر اوندھالئے اور سمجھ گئے کہ اس کے منہ میں تو بات نہیں اور نہ وہ چھین چپیٹ سکتا ہے۔ پھر وہ بولے "تو تو جانتا ہے کہ جیسا یہ بولتے ہیں " پھر جب ابراہیم کی حجت ان پر ثابت ہوئی اس نے ان سے کہا پھر کیا تم پوجتے ہو اللہ سے درے ایسے کو کہ تمہارا کچھ بھلا کرے نہ برا۔ بیزار ہوں میں تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ کیا تم کو سمجھ نہیں " پس جب حجت میں ان پر الزام قائم ہو گیا اور جواب سے عاجز آئے بولے " اس کو جلاؤ اور مدد کرو اپنے دیوتوں کی اگر کچھ کرسکتے ہو " اور عبد اللہ بن عمرو نے کہا جس شخص نے ابراہیم کے آگ میں جلانے کی صلاح دی تھی وہ قوم کرو کا ایک آدمی تھا۔ شعیب جبائی نے کہا نام اس کا ضینون تھا اور خدا تعالیٰ نے اس کو زمین کے اندر دھنسا دیا اور قیامت کے دن تک دھنستا ہوا چلا جائے گا۔ کہا ہے نمرود اور اس کی قوم ابراہیم کو لانے کے واسطے جمع ہوئی تو انہوں نے اس کو ایک مکان میں بند کیا اور چنی اس کے واسطے ایک چنائی چار دیواری کے طور پر اور یہی ہے قول خدا تعالیٰ کا "چنو اس کے واسطے ایک چنائی۔ پھر ڈالو اس کو آگ کے ڈھیر میں " (صافات ع 3) پھر انہوں نے ڈھیر لگا دیئے لکڑیوں اور ایندھن کے اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ خدا کے فضل سے ابراہیم آگ کی حرارت سے محفوظ رہا اور صحیح سلامت باہر نکل آیا " وفی الخبر ان ابراہیم انما نجا بقولہ حسبی اللہ و نعمہ الوکیل قال اللہ عزوجل یانار کونی برداً وسلاماً علی ابراہیمہ یعنی اور حدیث میں آیا ہے کہ ابراہیم اس بات سے بچ گئے جو انہوں نے کہی تھی اللہ مجھ کو کافی ہے اور نیک وکیل " (سورہ زمر وآل عمران) خدا تعالیٰ نے فرمایا " اے آگ ٹھنڈک ہو جا اور آرام ابراہیم پر " (سورہ انبیاء ع 5)۔

حدیث وقرآن سے تو یہ قصہ ابراہیم کا ہوچکا اب ہم دکھلاتے ہیں کہ یہی قصہ یہودیوں کے یہاں کیونکر مشہور ہے تاکہ دونوں کے مقابلہ سے معلوم ہو جائے کہ ان میں کس طرح کا علاقہ ہے۔

عبرانی کتاب مدراش رباہ میں توریت پیدائش باب 15 آیت 7 کی شرح میں یوں لکھا ہے "تارح بت تراش تھا ایک دن وہ کہیں باہر چلا گیا اور اپنی جگہ ابراہیم کو بت بیچنے کے لئے بٹھلا گیا۔ ایک خریدار آیا۔ ابراہیم نے اس سے پوچھا تیری عمر کیا ہے " وہ بولا پچاس یا ساٹھ برس۔ اس نے کہا افسوس اس شخص پر جو ساٹھ برس کو پہنچ چکے اور ایسی شئے کی پرستش کی آرزو کرے جو ابھی ایک دن کی بھی نہ ہو۔ وہ شخص شرمندہ ہو کر چلتا ہوا۔ پھر ایک دفعہ ایک عورت آئی۔ تھالی میں گیہوں کا آٹا لئے ہوئے اور ابراہیم سے بولی یہ لو اسے ان کے آگے دھردو۔ پھر ابراہیم اٹھا اور لاٹھی لے کر ان سبھوں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور لاٹھی ایک بت کے ہاتھ میں پکڑا دی جو سب سے بڑا تھا۔ جب باپ لوٹا اس نے پوچھا ان بتوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ ابراہیم نے جواب دیا میں آپ سے کیوں چھپاؤں؟ ایک عورت تھالی بھر گیہوں کا آٹا لائی تھی۔ مجھ سے بولی کہ ان کے آگے رکھ دے میں نے لاکر ان کے آگے رکھ دیا۔ یہ کہنے لگے کہ پہلے میں کھاؤنگا اور یہ بولا نہیں پہلے میں کھاؤنگا۔ پھر یہ جو ان سب سے بڑا ہے اس نے لاٹھی اٹھالی اور ان سب کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ باپ سن کے بولا بھلا کیوں تو مجھ سے باتیں بناتا ہے؟ کیا ان میں بھی کوئی سمجھ بوجھ ہے؟ اس پر اس نے جواب دیا کچھ تم کو بھی سنائی پڑتا ہے کہ تم اپنے منہ کیا بات نکال رہے ہو۔ اس پر باپ نے اس کو پکڑ کر نمرود کے حوالے کردیا۔ نمرود نے اس سے کہا ہم آگ کو پوجتے ہیں۔ ابراہیم نے جواب دیا پانی کو کیوں نہیں پوجتے جو آگ کو بجھاتا ہے۔ نمرود بولا خیر بادل کو سہی۔ ابراہیم نے جواب دیا تو بہتر ہے ہوا کو پوجو جو بادلوں کو اڑائے پھرتی ہے۔ نمرود نے کہا تو ہم ہوا کو پوجتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا آدمی کو کیوں نہ پوجو جو ہوا کا بھی مقابلہ کرتا ہے؟ نمرود کھسیایا گیا اور بولا اگر تو مجھ سے یوں ہی تقریر کرتا ہے تو لے میں سوا آگ کے کسی کو نہیں پوجتا اور تجھ کو اسی آگ کے اندر جھونکے دیتا ہوں اور وہی خدا جس کو تو پوجتا ہے آئے اور تجھ کو بچالے۔ ابراہیم آگ کے بیچوں بیچ جا پڑا اور صحیح سلامت نکل آیا۔"

اب اس قصہ کو قرآن سے ملا کر دیکھو تو برائے نام فرق ہے جس کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں کہ آنحضرت نے یہودیوں کی کتابوں سے تو اس کو نقل نہیں کیا بلکہ عوام الناس یہودیوں کی زبان سے سن سنا کر مان لیا اور اپنے کام میں لے آئے اور ہمارے اس قیاس کا ثبوت خود قرآن کے اندر موجود ہے یعنی یہ کہ آنحضرت نے قرآن میں ابراہیم کے باپ کا نام آزر لکھا۔ حالانکہ مدراش رباہ میں توریت

کے موافق اس کا نام تارح آیا ہے۔ لیکن یوسی بیوس یونانی مورخ کلیسیا جس کی تاریخ کا ترجمہ سریانی یعنی شامی زبان میں بھی ہوا تھا اس کا نام آتر لکھتا ہے۔ اور حضرت محمد کو بنج بیوپار کے زمانہ میں ملک شام کے سفروں کا اتفاق ہوا تھا جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ پس ضرور آپ نے وہیں کہیں تارح کا نام آتر سنا اور یادداشت کی ذرا سہو سے آتر کو آزر لکھ دیا اور ایرانیوں نے اکثر اوقات اسی آزر کو اپنی زبان کی مناسبت سے آذر بھی لکھا ہے کیونکہ اس لفظ کے معنی آتش ہیں۔

مسلمان اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے اس قصہ کو نہ یہود سے لیا اور نہ نصاریٰ سے بلکہ حضرت جبرائیل نے بلاوسطہ آپ کو یہ وحی سے دیا اور اب یہودیوں نے بھی اس کو قبول کرلیا ہے اور چونکہ وہ ابراہیم کی اولاد ہیں۔ اس وجہ سے قرآن کے بیان کی اور بھی تقویت ہوتی ہے مگر شائد ان کو معلوم نہیں کہ اس افسانہ کو ماننے والے یہودیوں میں صرف عوام جہاں ہیں اور جو لوگ واقفکار ہیں خوب جانتے ہیں کہ وہ بے بنیاد بلکہ موضوع ہے۔

اب سوال ہے کہ یہ افسانہ پیدا کہاں سے ہوگیا ؟واضح ہو کہ توریت کتاب پیدائش باب 15 آیت 7 میں جہاں خلیل اللہ کی ہجرت کا ذکر لکھا ہے خدا نے آپ سے فرمایا ہے " میں خداوند ہوں جو تجھ کو کلدانیوں کے اور سے نکال لایا" زبانی بابلی میں اور کے معنی ہیں شہر۔ جیسے اور شلیم (جس کو یروشلم اور بیت المقدس بھی کہتے ہیں) جس کے لفظی معنی ہوئے شہر یروشلم یعنی سلامتی کی بستی اس لفظی معنی کے اعتبار سے کلدانیوں کی ایک بستی کا نام بھی اور پڑگیا تھا جو مولد حضرت ابراہیم کا تھا * اور اس اور کی جگہ میں آج کل کی بستی مغیر ہے جو دریائے فرات کے داہنے کنارہ پر کوئی میل ہٹ کر ہے اس بابلی لفظ اور کے ہم شکل ایک اور کلدانی لفظ اُر ہے جس کے لفظی معنی ہیں شعلہ وآتش مدتوں بعد ایک عبرانی مفسر یوناتان بن عزئیبل نے توریت کا ترجمہ زبان کلدانی میں کیا۔ یہ شخص زبان بابلی سے بالکل ناواقف تھا۔اس کو ان دونوں لفظوں کے درمیان التباس واقع ہوا اور اس نے بابلی اور کو کلدانی اُر سمجھ لیا اور آیت کا ترجمہ یوں کردیا۔ میں خداوند ہوں جو تجھ کو کلدانیوں کے آگ کے تنور سے نکال لایا۔ اب یہ صاحب جب اس آیات کی شرح کرنے بیٹھے تو مطلب حل نہ ہوا اور آپ اس کو ایک قصہ طلب فقرہ سمجھے اور طبع واعظانہ سے شرح میں یہ تمام قصہ بیان کردیا۔ چنانچہ تفسیر پیدائش باب 11 آیت 28 میں لکھتے ہیں " یہ واقع آیت ہوا کہ نمرود نے ابراہیم کو آگ کے تنور میں جھونک دیا تھا کیونکہ انہوں نے اس کے بتوں کو نہیں پوجا تھا۔ پر آگ کو اذن نہ ملا کہ وہ ان کو کچھ ضرر پہنچاتی۔

اب امر غور طلب یہ ہے کہ کسی ناواقف شخص کا اس قسم کی غلطی میں پڑجانا یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں پر حیف ہے کہ ایک نبی اس فرضی وموضوع فسانہ کو حق سمجھ لے اور اس کو اپنی کتاب میں درج کردے جو لوح محفوظ سے تبوسط جبرائیل امین اس کو ملی ہو۔ اس غلطی سے معمولی محققین اہل یہود تو محفوظ ہیں پر لوح محفوظ نہیں۔

یہ امر بھی یاد دلانے کے لائق ہے کہ نمرود وجبار جس کا ذکر ان یہودی قصوں میں آیا ہے موافق تاریخ توریت کے حضرت ابراہیم کی پیدائش سے صدیوں قبل گذرا ہے پس اس کے ساتھ نسبت دے کر جو قصہ ابراہیم کا بیان کیا جائے گا اس کے باد ہوائی ہونے میں کونسا کلام ہوسکتا ہے ؟ گو نمرود کا نام قرآن میں نہیں آیا بلکہ تفاسیر واحادیث میں بیان ہوا پر سارا قصہ تو وہی ہے جس کی نسبت یہاں اعتراض ہے اور اس کی حقیقت بالکل ایسی ہے کہ کوئی ناواقف شخص ایک کتاب تاریخ تالیف کرنے بیٹھے اور اس میں لکھ دے کہ سکندر اعظم نے نادر شاہ ایرانی کو آگ میں ڈال دیا تھا اسے مطلق خبر نہ ہو ان دونوں شخصوں کے درمیان کتنا زمانہ گذر چکا اور نادر شاہ کی موت یوں واقع نہیں ہوئی تھی۔

تیسرا قصہ ملکہ سبا یعنی بلقیس اور حضرت سلیمان کی ملاقات

قرآن میں جو کچھ اس باب میں آیا ہے اگر اس کو اس قصہ سے ملائیں جو یہودیوں کے یہاں کتاب تارگوم ثانی صحیفہ استر میں لکھا ہوا ملتا ہے تو یہ حجت ثابت ہوجاتی ہے کہ اس افسانے کو بھی آنحضرت نے یہودیوں سے سن کر پسند فرمایا اور یوں اس کو قرآن میں جگہ مل گئی ۔ سورہ نحل رکوع 2و3 میں موافق ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب یہ لکھا ہے " اور جمع کئے سلیمان کے پاس اس کے لشکر جن اور انسانوں اور اڑتے جانور پھر ان کی مثلیں بنتیں یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیوں گھس جاؤ اپنے گھروں میں پیس نہ ڈالے تم کو سلیمان اور اس کے لشکر اور ان کو خبر ن ہو۔ پھر آگے چل کر لکھا ہے " اور خبر لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نے نہیں دیکھتا ہدہد کو۔ یا ہورہا ہے وہ غائب اس کو ماروں گا مار زور کی یا ذبح کرڈالوں گا یا لادے میرے پاس

کوئی سند صریح ۔ پھر بہت دیر نہ کی کہ آکر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر تحقیق میں۔ میں نے پائی ایک عورت ان کے راج پر اور اس کو ملی ہے سب چیز اور اس کا تخت ہے بڑا ۔ میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوا اور بھلے دکھائے ہیں ان کو شیطان نے ان کے کام ۔ پھر روکا ہے ان کو راہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے ۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو اللہ ہے۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا صاحب تخت بڑے کا ۔ کہا ہم دیکھینگے تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے ان کی طرف پھر ان کے پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ کہنے لگی ۔ اے دربار والو۔ میرے پاس ڈال دیا ہے خط عزت کا وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے اور وہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا کہ زور نہ کرے مقابل اور چلے آؤ حکم بردار ہو کر کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں زور آور ہیں اور سخت لڑائی والے اور کام تیرے اختیار ہے تو دیکھ لے جو حکم کرے کہنے لگی بادشاہ جب بیٹھیں کسی بستی میں اس کو خراب کریں اور کر ڈالیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور یہی کچھ کرینگے اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرے ہیں بھیجے ہوئے۔ پھر جب پہنچا سلیمان کے پاس ۔ بولا کیا تم میری رفاقت کرتے ہو مالی سے؟ سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا نہیں تم اپنے تحفہ سے خوش رہو پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ان پر ساتھ لشکروں کے جن کا سامنا نہ ہو سکے ان سے اور نکال دینگے ان کو وہاں سے بے عزت کرکے اور وہ خوار ہونگے ۔ بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آئے میرے پاس اس کا تخت پہلے اس سے کہ وہ آوئے میر پاس حکم بردار ہو کر۔ بولا ایک راکس جنون میں سے میں لا دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے میں اس کے زور کار ہوں معتبر ۔ بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لا دیتا ہوں تجھ کو وہ پہلے اس سے کہ پھر آوے تیری طرف تیری آنکھ۔ پھر جب دیکھا وہ دھرا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کے فضل سے میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا نہ شکری اور جو کوئی شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو میرا رب بے پرواہ ہے نیک ذات کہا روپ بدل دکھاؤ اس عورت کے آگے اس کے تخت کا ہم دیکھیں سوجھ پائی ہے ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سوجھ نہیں ۔ پھر جب آپہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم ہوچکا آگے سے اور ہم ہو چکے حکم بردار اور بند کیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوا۔ البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں ۔ پھر جب دیکھا اس کو خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے اس میں شیشے ۔ بولی اے رب میں نے برا کیا اپنی جان کا اور حکم بردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے جو رب میں نے برا کیا اپنی جان کا اور حکم بردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے رجب ہے سارے جہان کا ۔

یہی قصہ کتاب تارگوم میں لکھا ہے ۔ فرق صرف تخت کے بیان میں ہے یعنی اس میں عجیب وغریب تخت کو سلیمان کو اپنا بتلایا ہے ۔ لکھا ہے کہ اس تخت کی نظیر عالم میں ناپید تھی۔ اس پر چڑھنے کا جو زینہ تھا اس میں چھ سو سیڑھیاں سونے کی تھیں اور ہر سیڑھی پر 12 طلائی شیر اور 12 طلائی عقاب کھڑے تھے اور علاوہ ان کے اور 24 عقاب تھے جو بالائی تخت بادشاہ کے سر کے اوپر سایہ افگن تھے اور جس وقت بادشاہ کہیں جانا چاہتا تو وہ زور آور عقاب نازل ہو کر تخت کو اوپر کی طرف کھینچتے اور آن کی آن میں منزل مقصود کو پہنچادیتے اور جو کام قرآن میں جن سے منسوب ہے تارگوم کے موافق اس کو ان عقابوں نے انجام دیا۔

لیکن باقی قصہ بلکہ سبا کے بارہ میں اور اس کے حضرت سلیمان کے پاس آنے اور بادشاہ کے نامہ بھیجنے اور پرور نامہ بر کے بارہ میں دونوں کتابوں میں از بس مشابہ ہے۔ وہاں صرف مرغ نامہ بر کی قسم میں فرق ہے قرآن اس کو ہُدہُد کہتا ہے ۔ تارگوم چکور ۔ پر یہ کوئی فرق میں فرق نہیں ہے ۔

تارگوم ثانی صحیفہ استر کے اس مضمون کا ترجمہ درج ذیل ہوتا ہے :

"ایک دفعہ جب شاہ سلیمان سرور میں تھے انہوں نے حکم دیا زمین کے چرند ہوا کے پرند حشرات الارض دیو و جن و پری سب حاضر ہو کر ہمارے حضور رقص کریں تا کہ تمام بادشاہ جو دربار میں حاضر باشی کرتے ہیں ہمارے دبدبہ کو دیکھیں۔ چنانچہ شاہی منشیوں نے ان سب کو نام بنام طلب کیا اور وہ سب کے سب جمع ہو کر حاضر ہوئے بجز قیدیوں بندیوں اور ان کے محافظوں کے ۔ چکور اس وقت سیر سپاٹے میں تھا حاضر نہ ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ابھی بجز حاضر کیا جائے اور قصد کیا کہ اس کو ہلاک

کرے - اتنے میں چکور بادشاہ سلیمان کے حضور حاضر ہوا اور عرض کی "اے بادشاہ عالم پناہ سنئیے جو میں عرض کروں اور غور فرمائیے - ابھی تین ماہ نہیں گذرے کہ میں نے اس بات کا بیڑا اٹھایا تھا کہ اپنے اوپر کھانا اور پینا حرام کردوں گا جب تک سارے عالم کو دیکھ نہ ڈالوں اور اس میں اڑ نہ لوں کہ مجھ کو معلوم ہوجاوے آیا کوئی شہر یا ریاست ایسی بھی ہے جو اے خداوند آپ کے مطیع نہیں سو میں نے سرزمین مشرق میں ایک قلعہ بند شہر دیکھا جس کا نام قیطور ہے -وہاں کی مٹی ہے کہ چاندی اور سونے کے ڈلے جو راہ میں ایسے پڑے ہیں جیسے گلیوں میں لید گوبر- وہاں کے درخت ابتدائے عالم کے لگے ہوئے ہیں جن کی وہ نہریں سینچتی ہیں جو باغ عدن سے نکلتی ہیں- وہاں ایسے بہت لوگ ہیں جن کے سروں پر تاج ہیں کہ جو عدن کے باغیچہ کے پھولوں سے گوندھے ہیں جو وہیں قریب ہے - تیر اندازی سے وہ لوگ واقف کار ہیں پر کمان نہیں بنا سکتے - ان سب کے سروں پر ایک عورت راج کررہی ہے- جس کا نام ملکہ سبا - اس وقت اگر حضور کا اشارہ پائے تو اے خداوند بادشاہ یہ بندر گاہ کمر کس کے اٹھ کھڑا ہوا اور شہر سبا کے قلعہ قیطور میں جائے اور ان کے شاہوں کو زنجیروں سے اور ان کے امراء کو لوہے کی بیڑیوں سے جکڑ کر اپنے خداوند بادشاہ کے روبرو حاضر کرے- بادشاہ کو یہ بات پسند آئی فوراً شاہی منشی طلب ہوا اس نے ایک نامہ لکھا اور وہ نامہ چکور کے پروں میں باندھ دیا گیا- پس چکور نے اڑان بھری اور وہ ہوا میں بلند ہوا- پھر وہ زوروں پر آیا اور اڑا چلا جاتا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے اور سارے پرند تھے- یوں وہ شہر سبا کے قلعہ قیطور پر پہنچے - اتفاق سے صبح کا وقت تھا اور ملکہ سبا دریا پوجنے باہر نکلی تھی - دیکھتی کیا ہے کہ پرندوں کے مارے آفتاب تاریک ہورہا ہے - ملکہ حیران رہ گئی اور اس پر خوف طاری ہوا- اس نے ہاتھ مارا اور گریبان چاک کرڈالا اور ابھی اسی حیرت میں تھی کہ چکور اس کے پاس اتر آیا- دیکھتی کیا ہے اس کے پروں میں نامہ بندھا ہے - پس اس نے اسے کھول کر پڑھا- لکھا ہوا یہ تھا "مجھ سلیمان بادشاہ کی طرف سے تجھ کو سلام اور تیرے امیروں کو سلام - تجھ کو معلوم ہو کہ خدائے تقدس وتعالیٰ نے مجھ کو زمین کے چرندوں ہوا کے پرندوں دیووں جنوں وپریوں پر مسلط کیا ہے اور تمام اطراف واکناف کے بادشاہ آکر میری مزاج پرسی کرتے ہیں- اگر اس وقت تجھ کو منظور ہو تو ابھی حاضر ہوجا اس میں تیری بہتری ہے -میں تجھ کو ان سب بادشاہوں پر جو میری درگاہ میں دست بستہ کھڑے رہتے ہیں سرفراز کرونگا اور اگر تجھے یہ نہیں منظور اور تو سلام بجالانے کو حاضر نہ ہوگی تو میں تجھ پر بادشاہوں اور لشکروں اور صوبہ داروں کو بھیجونگا - اگر تو پوچھے کہ یہ بادشاہ اور لشکر اور سوار کس قسم کے ہیں تو جان رکھ کے زمین کے جانور یہی بادشاہ ہیں- ہوا کے پرندے سوار ہیں- دیو میرے لشکر ہیں اور جن اور پریاں میری فوجیں جو تم لوگوں کا تمہارے تختوں اور تمہارے مکانوں کے اندر گلا گھونٹ ڈالینگے - جنگل کے درندے تم کو ہلاک کرڈالینگے اور ہوا کے پرندے تمہاری بوٹیاں اڑادینگے - جب ملکہ سبا نے اس فرمان کی باتیں پڑھیں تو اس نے پھر اپنے لباس پر ہاتھ مارا اور گریبان چاک کیا اور قاصد بھیج کر اپنے امراء اور اراکین کو طلب کیا اور ان سے کہا کیا تم کو خبر نہیں کہ سلیمان بادشاہ نے میرے پاس کیا پیغام بھیجا ہے -وہ بولے ہم سلیمان کو کیا جانیں اور کب اس کی شاہی خاطر میں لاتے ہیں- ملکہ کو اس سے اطمینان نہ ہوا اور اس نے ان کی نہ سنی - پھر اس نے قاصد بھیج کر تمام دریائی بیڑوں کو منگوا بھیجا اور ان کو تحفوں اور جواہر اور بیش بہا پتھروں سے لدوایا اور چھ ہزار لڑکے اور لڑکیاں ایسے بہم پہنچائے جو سب کے سب ایک ہی سال ایک ہی ماہ ایک ہی دن اور ایک ہی ساعت میں پیدا ہوئے تھے اور سب ایک ہی قدوقامت اور ایک ہی صورت کے تھے اور سب ارغوانی پوشاک پہنے تھے- پھر اس نے ایک نامہ لکھا اور ان لوگوں کے ہاتھ قیطور سے ملک اسرائیل میں شاہ سلیمان کے پاس بھیجا - گو یہ سفر سات سال کی راہ تھا- مگر اس نے بڑی عاجزی وخوشامد سے عرض کیا کہ میں نہایت اشتیاق کے ساتھ تین برس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤنگی اور واقعی تین برس کے اندر ملکہ سبا بادشاہ سلیمان کے پاس حاضر ہوئی جب بادشاہ نے سنا کہ ملکہ آتی ہے تو اس نے استقبال کے واسطے بنایاہ ابن یہویاداع کو بھیجا کہ جو مثل صبح صادق کے نورانی اور مانند اختر تاباں کے روشن اور اس کی گل سرخ کی طرح تھا جو آب رواں کے کنارہ لگا ہوا ہو جب ملکہ نے اس قاصد کو دیکھا تو سواری سے اتر پڑی -قاصد نے پوچھا کہ آپ سواری سے کیوں اتریں؟ ملکہ بولی کیا تم شاہ سلیمان نہیں ہو؟ اس نے کہا جی نہیں - میں تو ان کے ادنےٰ چاروں میں سے ایک ہوں جو دربار میں دست بستہ کھڑے رہتے ہیں- ملکہ نے فوراً اپنے امراء کی طرف منہ پھیر کر یہ مثل کہی کہ " تم نے مشیر کو نہیں دیکھا تو اس کے پرور دے کو تو دیکھ لیا- " شاہ سلیمان کو تو نہیں دیکھا لیکن اس کے حسن کو تو دیکھ لیا جو اس کے چاکروں میں شمار ہوتا ہے - پس بنایاہ اس کو بادشاہ کے حضور میں لایا جب بادشاہ نے سنا کہ ملکہ آپہنچی تو اٹھ کر باہر آیا اور اس مکان میں جا بیٹھا جو آبگینوں سے بنا ہوا تھا- جب ملکہ نے

یہ دیکھا کہ تو دل میں سوچی کہ بادشاہ تو پانی کے بیچ میں بیٹھا ہوا ہے پس اس نے اپنے کپڑے چڑھائے کہ عبور کرے اتنے میں بادشاہ نے دیکھ لیا کہ اس کے پیروں پر بال تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ حسن تو تمہارا عورتوں سا ہے پر بال یہ مردوں سے ہیں۔ ملکہ نے کہا کہ اے خداوند بادشاہ میرے آپ سے تین سوال ہے اگر آپ نے ان کو حل کر دیا تو میں آپ کی حکمت کی قائل ہوتی ہوں ورنہ جانونگی کہ آپ بھی اوروں کی طرح ایک آدمی ہیں۔ پھر جب سلیمان نے تینوں سوال کر دیئے تو ملکہ کو حیرت ہوئی اور کہنے لگی "حمد ہو خداوند تیرے خدا کی جو تجھ سے راضی ہوا اور تجھ کو تخت سلطنت پر بٹھلایا کہ تو عدالت وحکومت کرے" پھر اس نے بادشاہ کو بہت سا سیم اور زر دیا اور بادشاہ نے بھی جو کچھ اس نے مانگا عطا فرمایا"۔

یہاں جو کہ ملکہ کے سوالوں کے حل کا تذکرہ ہے یہ قرآن میں تو نہیں آیا پر حدیث میں وراد ہوا ہے اور کشف ساق یعنی پنڈلیوں کا کھل جانا یہاں بالکل نا مکمل بلکہ ادھورا چھوڑ دیا گیا اس لئے پورے قصے کے واسطے احادیث سے رجوع کرنا چاہیئے عرائس المجالس صفحہ 438 میں ہے کہ جب ملکہ سلیمان کے محل میں داخل ہونے لگی تو شیشے دیکھ کر اس کو پانی کا دھوکہ ہوا فکشفت عن ساقیھا لتخوضہ الی سلیمان منظر سلیمان عر فازاہی احسن الناس ساقاوقد ما الا انھا کانت شعراء الساقین فلما سلیمان ذالک صرف بصرہ عنھا وفارا اھا انہ صرح ممر رمن قوار یر یعنی کھولیں اپنی پنڈلیاں کہ عبور کرکے سلیمان کے پاس جیئے۔ اتنے میں سلیمان نے دیکھ لیا کہ پنڈلی اور پیر کے لحاظ سے وہ حسین ترین عورت ہے مگر عیب یہ تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال تھے۔ پس جب سلیمان نے یہ دیکھا تو اس کی طرف سے آنکھ پھیر لی اور آواز دے کر کہا کہ یہ تو ایک محل ہے جس میں آئینے جڑے ہوئے ہیں" اب واضح ہو کہ اس تمام تمام قصہ کی اصل صرف اسی قدر ہے جو کتاب مقدس اول سلاطین اور دوم تاریخ میں وارد ہے ۔وھوھذا ۔ جب خداوند کے نام کی بابت سلیمان کی شہرت سبا کی ملکہ تک پہنچی تو وہ مشکل سوالوں سے اس کو آزمانے آئی اور بڑے جلوکے ساتھ اور اونٹوں کے ساتھ جن پر خوشبویاں لدی تھیں اور نہایت ہی کثرت سے سونا اور بیش قیمت جواہرات ساتھ لے کر یروشلم میں آئی اور اس نے سلیمان کے پاس آکر جو کچھ اس کے دل میں تھا اس سب کی بابت اس سے گفتگو کی ۔ سلیمان نے اس کے سب سوالوں کا جواب دیا اور بادشاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی جو اس کے کسی سوال کا جواب نہ دیتا۔

اور جب سبا کی ملکہ نے سلیمان کی ساری دانشمندی کا حال اور اس گھر کو جو اس نے بنایا تھا اور اس کے دستر خوان کی نعمتوں اور اس کے ملازمین کی نشست اور اس کے ملازموں کی حاضر باشی اور ان کی پوشاک اور اس کے ساقیوں اور اس سیڑھی کو دیکھا جس سے وہ خداوند کے گھر جاتا تھا تو اس میں حواس نہ رہے اور اس نے بادشاہ سے کہا یہ تحقیق خبر تھی جو میں نے تیری کرامات اور تیری دانش کی بابت اپنے ملک میں سنی تھی لیکن جب تک میں نے آکے اپنی آنکھ سے نہ دیکھا تب تک ان باتوں کو باور نہ کیا تھا اور دیکھ وہ خبر جو میں نے سنی تھی سو آدھی بھی نہ تھی کیونکہ تیری دانش اور اقبال مندی اس شہرت سے جو میں نے سنی تھی کہیں زیادہ ہے ۔ نیک بخت ہیں تیرے لوگ اور نیک بخت ہیں تیرے خواص جو نت تیرے حضور کھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت سنتے ہیں۔ خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے جس نے تجھے اسرائیل کے تخت پر بٹھلایا۔ اس لئے کہ خداوند نے اسرائیلیوں کو سدا پیار کیا۔ اسی واسطے اس نے تجھے بادشاہ کیا تاکہ تو عدل وانصاف کرے اور اس نے بادشاہ کو ایک سو بیس قنطار سونا اور عطریات بہت بڑی مقدار میں اور جوہرات دیئے اور جس کثرت سے کہ سبا کی ملکہ نے عطریات سلیمان بادشاہ کو دیئیے پھر کبھی ایسے نہ آئے۔" (بائبل مقدس اول سلاطین 10 باب اور 2 تواریخ 9 باب)۔

حقیقت تو صرف اسی قدر تھی اس سے آگے جو ہے وہ واعظین ومفسرین کا موضوع ناول ہے جس کا علمائے یہود اور دیگر محققین کو خود اقرار ہے اور پھر قرآن واحادیث کے بیان میں جو تھوڑا بہت تفاوت ہوا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ عوام الناس کی زبانی جیسا سنا اور پھر جو کچھ اس میں سے یاد رہ گیا وہی درج کرلیا۔

قرآن میں جو حضرت سلیمان کا دیووں اور جنوں وغیرہ پر مسلط ہونے کا مذکور ہے وہ موافق افسانہ ہائے تارگوم متذکرہ کے ہے۔ مگر وہ خیال ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ حضرت سلیمان کی کتاب واعظ کے باب 2 آیت 8 کے اخیر حصہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "میں نے اپنے واسطے گانے والے اور گانے والیاں اور ہر قسم کے ساز باجے فراہم کئے" جن الفاظ کا ترجمہ گانے والے اور گانے والیاں ہیں وہ اصل عبرانی زبان کے دو لفظ شدہ اور شدوۃ ہیں یہ دونوں الفاظ کم مستعل تھے اور ان کے صحیح معنی سے یہ ناواقف مفسر بیجز تھا۔ مگر صورت وتلفظ میں انہیں لفظوں سے ملتے جلتے دو اور لفظ تھے جن سے وہ

بخوبی واقف تھا اور ان کے معنی دیوان اور جنات ہے اس التباس کی وجہ سے وہ دھوکہ میں پڑگیا۔ پھر یہ کہنا مفسرین اور قصہ گو لوگوں کو اچھا موقع ہاتھ لگا۔ چونکہ حضرت خود بھی دیوؤں اور جنات کے اپنی قوم کی مانند قائل تھے وہ اس بات کی تہ کو نہ پہنچ سکے ۔ اس طرح وہ افسانہ جو یہودیوں میں محض ایک افسانہ ہی رہا مسلمانوں کے لئے وحی سماوی ہوگیا حضرت نے اس قصہ کو یہودیوں سے سنا اور سمجھے کہ وہ موافق کتاب مقدس ہے۔

چوتھا قصہ ہاروت وماروت کا

سورہ بقرہ رکوع 12 میں وارد ہے " اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا۔ لوگوں کو سکھلاتے سحر اور اس علم کو جو اترا دو فرشتوں بابل میں ہاروت اور ماروت پر اور وہ نہ سکھاتے کسی کو جب تک نہ کہتے کہ ہم تو ہیں آزمانے کو سو تومت کافر ہو۔ پھر ان سے سیکھتے جس چیز سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اس کی عورت میں اور وہ اس سے بگاڑ نہیں سکتے کسی کا بغیر اذن اللہ کے اور سیکھتے ہیں جس سے ان کو نقصان ہے اور نفع نہیں۔

کتاب عرائس المجالس میں اس کی تفصیل یوں لکھی ہے: قال المفسرون ان الملائکۃ لمارا مایصد الی السماء عن احمال بنی آدم الخبیثۃ وذانوبھم الکثیرۃ وذالک فی زمن اور ریس النبی غیر وھمہ بذلک وانکروا علیھم وقالوا اھولا الذین جعلتھم خلفاء فی الارض والحترھمہ نھمہ یعصونک فقال

--السماء فمسحھا اللہ

تعالیٰ کو کیا یعنی مفسرین کہتے ہیں کہ جب فرشتوں نے بنی آدم کے برے کاموں اور انکے بہت سے گناہوں کو دیکھا جو آسمان تک پہنچے (اور یہ واقعہ حضرت ادریس کے زمانہ کا ہے) تو انہوں نے ان پر طعنہ مارا اور ان کی مخالفت کی اور کہا یہی ہیں وہ لوگ جن کو تو نے زمین پر اپنا نائب مقرر کیا اور جن کو تو نے پسند کیا اور وہی تیری نافرمانی کرتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں تم کو زمین پر بھیجوں اور تمہاری سرشت میں وہ شے ڈال دوں جو ان کی سرشت میں ڈالی تو تم بھی وہی کرو جو وہ کرتے ہیں۔ وہ بولے تو پاک ہے اے رب ہمارے ہم کو ہرگز زیبا نہیں کہ ہم تیری نافرمانی کریں۔ خدا نے فرمایا تم اپنے درمیان سے دو فرشتوں کو جو سب سے بہتر ہوں چن لو اور میں دونوں کو زمین پر بھیجونگا۔ پس انہوں نے ہاروت وماروت کو جو فرشتوں میں سب سے نیک اور سب سے متقی تھے چنا۔ کلبی کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تم اپنے درمیان سے تین شخصوں کو چن لو اور انہوں نے عزا یعنی ہاروت اور عزابی یعنی ماروت اور عزرائیل کو چنا۔ ان دونوں کا نام بدل گیا جب وہ گنہگار ہوگئے جیسے کہ خدا نے ابلیس کا نام جو پہلے عزازیل تھا تبدیل کردیا۔ پھر خدا تعالیٰ نے شہوت کو جیسے بنی آدم کی سرشت میں رکھا تھا ان کی سرشت میں رکھ دیا اور ان کو زمین پر بھیجا اور حکم دیا کہ انسانوں کے درمیان حکومت کرو اور ان کو شرک وقتل ناحق وزنا وشراب خوری سے روکو۔ پھر جب عزرائیل کو دل میں شہوت محسوس ہوئی تو اس نے اپنے خدا سے توبہ کی اور عرض کی کہ آسمان پر بلالیا جائے۔ پس خدا نے اس کو معاف کردیا اور اٹھالیا۔ پھر وہ چالیس برس تک سجدہ میں پڑا رہا پھر سر اوپر کیا اور اس کے بعد خدا تعالیٰ سے شرم کے مارے ہمیشہ سرنگون رہا کیا لیکن وہ دونوں اسی حال پر قائم رہے۔ دن بھر تو آدمیوں میں حکومت کرتے جب رات ہوتی اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے۔ قتادہ نے کہا کہ ابھی ایک ماہ بھی نہ پورا ہوا تھا کہ وہ آزمائش میں مبتلا ہوگئے۔ سبب یہ ہوا کہ ایک دن زمرہ جو عورتوں میں نہایت حسین تھی ان کے پاس فریاد لے کر آئی۔ علی رضہ اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ ملک فارس کی تھی اور اپنے شہر کی ملکہ تھی۔ یہ اس کو دیکھتے ہی اپنا دل ہاتھ سے دے بیٹھے اور اس کی برائی کی طرف پھسلایا اس نے انکار کیا اور چلتی ہوئی۔

دوسرے دن جب وہ پھر لوٹی تو انہوں نے اس سے پھر وہی سلوک کیا۔ تب اس نے کہا یہ نہ ہوگا الااس شرط پر کہ جو کچھ میں پوجتی ہوں تم بھی پوجو۔ اس بت کو سجدہ کرو اور خون کرو اور شراب پیو۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو کسی طرح نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا نے ہم کو ان باتوں سے منع فرمایا ہے۔ پس وہ چل دی غرض تیسرے دن وہ پھر لوٹی اور اپنے ساتھ شراب کا پیالہ لائی اور اس کا دل بھی ان پر مائل تھا۔ انہوں نے پھر اس کو اسی طرف پھسلایا۔ اس نے انکار کیا اور جو کچھ کل کے دن کہہ چکی تھی پھر کہا۔ وہ بولے خدا کے سوا کسی اور کو پوجنا یہ تو غضب کی بات ہے اور خون کرنا یہ بھی بڑی بڑی بات ہے۔ ان تینوں میں سے آسان بات شراب پی لینا ہے۔ پس شراب پی کر مست ہوگئے اور عورت پر آپڑے اور اس سے زنا کیا۔ اتنے میں کسی نے ان کو دیکھ لیا تو انہوں نے اس کو مار ڈالا۔

رببیع بن انس نے کہا کہ انہوں نے بت بھی پوجا۔ پس خدا نے زہرہ کو کایا پلٹ کر ستارہ بنادیا اور علی رضہ اور سدی اور کلبی نے کہا کہ اس عورت نے کہا تھا کہ تم مجھ کو ہر گز نہ پاؤ گے جب تک نہ بتلادو کہ کس چیز کے وسیلہ سے تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو۔ پس انہوں نے کہہ دیا کہ ہم خدا کے اسم اعظم کی بدولت آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ تب وہ بولی تم مجھ کو ہر گز نہ پاؤ گے جب تک مجھ کو وہ سکھلانہ دو۔ تب ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس کو سکھلادے ۔ وہ بولا مجھ کو خدا کا خوف ہے تب دوسرے نے کہا پھر خدا کی رحمت کہاں گئی ؟ پس انہوں نے وہ اس کو سکھلادیا۔ تب اس نے اس کو پڑھا اور آسمان پر اڑ گئی ۔ پھر خدا نے اس کو کایا پلٹ کر ستارہ بنادیا۔

یہی قصہ یہودیوں کی تالمود میں دو تین جگہ لکھا ہوا ملتا ہے ۔ مدراش ید کوت باب 44 کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے :

" ربی یوسف کے شاگردوں نے سوال کیا کہ عزائیل کون ہے ؟ اس نے کہا طوفان کے زمانہ میں جب لوگ بت پرستی کرنے لگے تو خدائے پاک غضبناک ہوا فوراً دو فرشتے سمخری اور عزائیل نامی اٹھے اور درگاہ الہیٰ میں بولے اے رب العالمین جس وقت تونے جہان کو پیدا کیا ہم نے کیا تیرے حضور عرض نہ کی تھی کہ انسان کیا ہے جو تو اس کو خاطر میں لادے ۔ (زبور 8آیت 5)۔ خدا نے فرمایا پس اس جہان کا کیا ہوتا۔ وہ بولے اے رب العالمین اس کو ہم اپنے کام میں لائے اس نے فرمایا مجھ کو خوب معلوم ہے کہ اگر زمین پر تم رہتے تو شہوات نفسانی تم پر قابو پاتیں اور تم بنی آدم سے زیادہ سرکش ہوتے۔ انہوں نے جواب دیا ہم کو رخصت دے کہ ہم آدمیوں میں جا کر رہیں اور تجھ پر کھل جائیگا کہ ہم کیونکر تیری تقدیس بجالاتے ہیں۔ اس نے فرمایا پس اترو اور ان کے درمیان جا بسو۔ پھر سمخری نے ایک لڑکی دیکھ پائی جس کا نام اسطہر تھا۔ اس نے اس کو تاڑا اور بولا تو میرا کہا مان لے۔ وہ بولی میں تیرا کہا نہ مانونگی جب تک تو مجھ کو خدا کا وہ خاص نام نہ سکھلادے جس کو پڑھتے ہی تو آسمان کے اوپر چڑھ جاتا ہے ۔ پس اس نے وہ نام اس کو سکھلادیا۔ تب اس نے وہ نام پڑھا اور فوراً آسمان پر اڑ گئی اور خراب نہ ہوئی۔ خدائے پاک نے حکم دیا کہ چونکہ اس نے اپنے تیئں برائی سے محفوظ رکھا جاؤ اس کو سبع سیارہ کے درمیان نصب کردو اور حمد بجالاؤ تا کہ تم لوگ سدا اس کے ساتھ پاکیزگی میں رہا کرو۔ پس وہ زمین کے درمیان نصب کردی گئی ۔ مگر ان فرشتوں نے آدمیوں کی لڑکیوں کے ساتھ جو نہایت حسین تھیں اپنے تیئں ناپاک کیا اور شہوت کو ضبط نہ کرسکے انہوں نے جوراواں کیں اور اولاد جنائی یعنی ہوا دہیا اور عزائیل عورتوں کے طرح طرح کے بناؤ سنگار اور قسم قسم کے زیوارت کاموجد ہوا جن کی وجہ سے انسان کا دن بدکاری کی طرف مائل ہوجاتا ہے " واضح ہو کہ وہ عزائیل جس کا ذکر اوپر اسلامی قصہ میں آیا وہی فرشتہ ہے جس کو تالمود میں عزائیل لکھا ہے۔

آپس میں ملا کر دیکھنے سے یہ دونوں قصے ایک ہی معلوم پڑتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ احادیث میں ان فرشتوں کو ہاروت وماروت کہا ہے اور مدراش میں سمخری وعزائیل اب ہاروت وماروت کی بھی اصل سن لیجئے ۔ واضح ہو کہ اس نام کے دو بت تھے جن کو قدیم ارمنستان والے پوجا کرتے تھے اس کا تذکرہ ارمنی مورخوں نے کیا ہے ۔ارمنی زبان میں ان ناموں کا تلفظ ھوروت اور موروت ہے ۔ ایک ارنی مصنف یوں لکھتا ہے " البتہ ہوروت اور موروت دیوتے تھے آغری طاغ اور اپینا بیغ کے اور علاوہ ان کے شاید اور بھی تھے جن کا اب کوئی پتہ نہیں لگتا کہ جو اسپا ندارا میت کے جو مادہ کی دیوی تھی مددگار خیال کئے جاتے تھے۔ وہ زرخیزی کے مددگار اور زمین کمانے کے موجود تھے۔ واضح کہ اسپاندارامیت مادہ کی ایک دیوی ہے جس کی قدیم زمانہ میں ایرانیوں کے درمیان پرستش ہوا کرتی تھی کیونکہ زردشتی لوگ بھی اس کو زمین کی روح کہتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ زمین کی ساری عمدہ پیداوار خاک سے وہی اگاتی ہے اور آپینا بیغ تو ارمنی لوگوں کے خیال کے موافق انگورستان کا دیوتا تھا اور ہاروت وماروت کو وہ زمین کی روح کا مددگار سمجھتے تھے۔ ان کے اعتقاد کے موافق یہ وہ روحیں تھیں جو ہوا پر مسلط ہیں جو ہواؤں کو مجبور کرتی تھیں کہ پانی کے بادلوں کو جمع کرکے لادیں۔ ان کا مسکن وہ اونچا پہاڑ آغری طاغ تھا (جس کو جوری کہتے ہیں) وہاں سے وہ مینہ برساتی تھیں۔ جس سے زمین کی پیداوار اگتی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہاروت وماروت اصل میں ہواؤں کے حاکم خیال کئے جاتے تھے اور اس امر کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں مرت دیوتاؤں کا ذکر آیا ہے جن کو وہ ہواؤں اور طوفانوں کے دیوتے سمجھتے تھے۔ ارمنی زبان میں موروت مور سے مشتق ہوا ہے جس کے معنی ماں ہے اور ہوروت ہور سے بمعنی باپ اور ان کے متعلق جو یہ قول ہے کہ وہ فرشتے ہیں جو آسمان سے نازل ہو کر اولاد جنانے میں مصروف ہوئے اس سے بطور استعارہ کے یہ مراد تھی کہ وہ زمین پر اتر کے اس کی پیداوار کے باعث ہوتے ہیں۔ عبرانی میں زہرہ کو اسطر اور اسطہر کہا

ہے ۔قدیم زمانہ میں اس کو بھی بابل اور شام کے ملک میں پرستش ہوتی تھی کیونکہ ان لوگوں کے گمان میں وہ مادہ کی دیوی تھی جس کا اختیار بچوں کی پیدائش پر تھا اور جو ہر قسم کا فسق وفجور پسند کیا کرتی تھی اور اس کا نام اشتر بحروف میخی پرانی اینٹوں پر کندہ ملتا ہے ۔ جو ان کھنڈروں میں دستیاب ہوئے ہیں جن کا پتہ آج کل دجلہ وفرات کے درمیانی خطہ میں لگا ہے۔ اس دیوی کے متعلق وہاں بہت سے افسانے کتبوں پر لکھے ہوئے ملے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسطہر کسی شخص گلگمش پر عاشق ہوئی تھی مگر اس نے اسے قبول نہیں کیا۔ جو عبارت بابلی زبان میں لکھی ہوئی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے -

" گلگمش نے تاج زیب سر کیا اور اعلیٰ حضرت اشتر نے اس سے فیضیاب ہونے کو آنکھیں اوپر اٹھائیں اور بولی اے گلگمش مجھ کو پیار کر۔ کیا خوب ہوتا کہ تو مجھ سے ملتا اپنا پھل مجھ کو بخشتا اور تو میرا شوہر ہوتا ۔ کیا خوب ہوتا کہ تو میرے لاجوری محل میں در آتا جو سونے کا بنا ہوا ہے جس کی چھت طلائی ہے اور ستون ہیرے کے ہیں۔ وہاں تو ہر روز بڑے بڑے خچروں کو جوت کے سواری کرتا۔ اے سرد آواز کی خوشبو تو ہمارے مکان میں داخل ہو۔ لیکن گلگمش نے اس کو پھسلانے اور دھمکانے کو رد کیا اور انکار کردیا اور اپنی جورو اس نہ بنایا ۔ اس کے بعد لکھا ہے " اسطہر غضب ناک ہوئی اور آسمان پر چلی گئی اور آسمان کے خدا آنو کے حضور میں حاضر ہوئی ۔واضح ہو کہ بت پرستان بابل کے اس پرانے قصہ میں استر یعنی زہرہ کے آسمان پر چڑھ جانے کا ویسا ہی ذکر آیا ہے جیسا اہل اسلام کی حدیثوں اور یہودیوں کی تفسیروں میں اور ہندوؤں کی کتاب مہا بھارت میں بھی ایک اسی قسم کی حکایت ہے ۔ وہاں لکھا ہے کہ "اگلے زمانہ میں سندو اپسند کوئی دو شخص تھے جنہوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کرکے برھما یعنی خدا سے برکت حاصل کرلی تھی اور آسمانوں اور زمینوں پر مستول ہوگئے تھے۔ پھر خدا کو ان کے ہلاک کرنے کی فکر ہوئی اور اس نے تلوتما نام ایک حور کو پیدا کرکے ان کے پاس بھیج دیا کہ ان کو ورغلائے ۔ چنانچہ جب ان دونوں بھائیوں نے اس کو دیکھا تو سندتے اس کا دایاں ہاتھ اور اپسند نے بایاں ہاتھ پکڑا اور ہر ایک ان میں سے اس کو اپنی جورو بنانا چاہتا تھا۔ پھر اس سے ان کے درمیان دشمنی اور عداوت بڑھتی حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کر ڈالا۔ تب برہما نے اس کو حور تارثما کو دعا دی کہ تو سارے عالم میں جس کو خورشید روشن کرتا ہے گردش کر اور تیرے حسن کی زیادتی سے تیرے جلوہ کے مارے کسی کو تاب نہ ہو کہ تجھ پر نگاہ ڈال سکے (سندوپسند پاکھا نم) اس حکایت میں بھی ان دونوں روحوں کے آسمان پر چڑھ جانے کا ذکر ہے اور اس حور کا حال بھی جس کا جلوہ و نور ایسا عجیب وغریب تھا زہرہ سے مشابہ ہے ۔ فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کے قصہ میں اس کو پہلے زمین سے اور اس کے عاشقوں کو آسمان سے علاقہ تھا اور اس ہندی قصہ میں اس کے برعکس ہے مگر پھر بھی ان عاشقوں کو برھما کی اولاد بتلایا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہودیوں نے جو قصہ کہانیوں پر فریضہ تھے ان بت پرستوں کے ایسے ایسے افسانوں کو مخلوط کرکے ایک اپنا قصہ بنالیا اور اس کو تالمود میں داخل کرلیا اور پھر وہی قصہ ان کی زبانی سن سنا کر اور اس میں کچھ ادھر ادھر عمداً یا سہواً ملا کر آنحضرت نے قرآن میں درج کردیا اور احادیث میں اس کے اوپر اچھی طرح قلعی پھیر دی گئی ۔ تالمود میں جو قصہ فرشتوں عورتوں کے ساتھ ملوث ہونے کا ہے وہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے جو یہودیوں کو توریت کے ایک مقام کی شرح میں ہوگئی تھی۔ توریت شریف کتاب پیدائش باب 6آیت 2و4میں لکھا ہے " تب خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وہ خوبصورت ہیں اور ان سبھوں میں سے جسے پسند آئیں اپنے لئے جورواں لیں------ان دنوں میں زمین پر نفیلیم تھے اور اس کے بعد بھی خدا کے بیٹے آدمیوں کی بیٹیوں کے پاس گئے تو ان سے لڑکے پیدا ہوئے۔ یہ وہ زبردست تھے جو قدیم سے نامور راشخاص تھے " اس جگہ خدا کے بیٹوں سے نیکوکار لوگ مراد ہیں جو اولاد شیث سے تھے مگر یہود کے ایک پرانے مفسر نے جس کا نام یوناتان بن عزئیل ہے اس آخری آیت کی شرح میں یہ لکھا ہے " شمخزی اور عزئیل ان دنوں آسمانوں سے گرے تھے اور زمین میں تھے۔ اور معلوم ہوگیا کہ وہ تمام افسانہ اس شخص کی اور اسی کی مانند اوروں کی غلطی سے پیدا ہوگیا قصہ گو کو ایک لفظ نفیلیم مل گیا۔ جس کے معنی ہیں گرنے والے مراد اصلی وہ لوگ تھے جو بوجہ اپنی قوت کے بیکس کے اوپر ٹوٹ پڑتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں مگر یہ مضمون ان کو پھیکا معلوم ہوا ہے ۔ انہوں نے گرنے والے سے مراد آسمان سے گرنے والے لی اور انہوں نے فوراً بت پرستوں کے ایک افسانے کو اس لقب کی توضیح میں جاملایا مگر ایسی غلطی کرنے کے لئے کوئی معقول عذر نہیں ہے کیونکہ انقلوس کی تارگوم میں اس لفظ کو صحیح طور پر لفظ جبار ان سے تعبیر کیا ہے۔ یہودی قصہ خوانوں نے رفتہ رفتہ اس میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ ایک جدا کتاب لکھ ڈالی اور اس کو

حضرت حنوخ سے منسوب کردیا۔ اس میں لکھا ہے " دو سو فرشتے جن کا سردار سمیازا یعنی شمخری تھا آسمان سے اترے اس غرض سے کہ حرامکاری کریں۔"

اصل زبان میں اب یہ کتاب موجود نہیں اس لئے ہم یہاں اس کے حبشی ترجمہ سے چند آیتوں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں " پس فرشتوں یعنی آسمانوں کے فرزندوں نے بنی آدم کی بیٹیوں کو دیکھا اور انکی آرزو کی ۔ پھر انہوں نے آپس میں کہا چلو ہم لوگ بنی آدم کی بیٹیوں میں سے اپنے لئے بیویاں اختیار کریں اور بچے جنائیں تب سمیازا جو ان کا سردار تھا بولا۔۔۔۔۔اور عزائیل نے آدمیوں کو تلوار و خنجر وسپر اور سینہ کی حفاظت کے لئے بکتر بنانے کا فن سکھلایا اور انہوں نے عورتوں کے واسطے بازو بند اور زیورات بنائے اور ان کو پلکیں سنوارنے کے لئے سرمہ لگانا اور گراں بہا جواہر اور رنگا رنگ پوشاکیں پہننا سکھلایا اور دنیا کے خزانوں کا پتہ بتایا (کتاب حنوخ باب 6آیت 2و3 باب 8آیت 1) اور یہ حال اس سے کچھ ملتا جلتا سا ہے جو قرآن میں آیا کہ لوگ ان سے جادو ٹونے سیکھتے ہیں جس سے مرد عورت میں جدائی پڑتی ہے اور یہ بات بھی مدارش ملیکوت سے لی گئی ہے جیسا کہ اوپر دکھلا یا گیا کہ " عزائیل عورتوں کے طرح طرح کے بناؤسنگار اور قسم قسم کے زیوارت کا موجد ہوا جن کی وجہ سے انسان کا دل بدکاری کی

طرف مائل ہوجاتا ہے " پس جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہے کہ ہاروت وماروت کا قصہ بھی اہل یہود کے افسانہ سے لیا گیا ہے۔

پانچواں۔ چند اور باتوں کا کچھ مجمل بیان جو اسلام میں یہودیوں کے یہاں سے لی گئی ہیں۔

اگر ہم کو فرصت ہوتی تو ہم آسانی سے یہ ثابت کردیتے کہ علاوہ ان کے اور بھی بہت سے قصص وروایات ہیں جو قرآن میں کتب مقدسہ سے نہیں بلکہ یہودیوں کے قصہ کہانیوں سے لی گئی ہیں۔ یوسف ،داؤد اور طالوت کے حالات میں بہت کچھ یہودیوں کے افسانوں سے ماخوذ ہے :۔

(1) سورہ اعراف رکوع 21 میں وارد ہے " جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر کَاَنَہٗ ظلۃ جیسے سایہ بان اور ڈرے کے دو گریگا ان پر پکڑو جو ہم نے دیا ہے زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں ہے شائد تم کو ڈر ہو ۔ اس کا مطلب یہ کہ جب یہودیوں کو توریت عطا ہوئی تو انہوں نے اس کو قبول کرنا نہ چاہا تب خدا نے ان کو ڈرانے کے لئے کوہِ طور ان کے سروں پر اٹھا کر کھڑا کردیا۔ یہ قصہ یہودیوں کے یہاں کتابِ عبوداہ ساراہ کے باب 2فصل 2میں آیا ہے اس کے ایک جملہ کا ترجمہ یہ ہوتا ہے " میں نے اڑھا دیا تمہارے اوپر پہاڑ گویا وہ سر پوش تھا " توریت میں تو اس افسانے کا کہیں کوئی پتہ نہیں۔ یہ مفسرین یہود کی اپنی غلط فہمی ہے ۔ کتاب خروج باب 32آیت 19میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ پہاڑ سے اترے اور دیکھا کہ بنی اسرائیل گوسالہ پوجنے لگے تو ان کا غضب بھڑکا اور انہوں نے تختیاں اپنے ہاتھ سے پھینک دیں اور پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالیں " پہاڑ کے نیچے سے مراد صاف صاف یہی ہے کہ پہاڑ کے تلے تختیاں پٹک کر توڑا ڈالیں مگر مفسرین کی تسلی اس سے نہ ہوئی انہوں نے وہ قصہ تراش لیا جس کی اصل شاید ہندوؤں کا افسانہ ہے کہ سٔری کرشن نے گوکل بستی کے باشندوں کو بارش سے امان دینے کے لئے گو بردھن پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ لیا۔ کئی شبانہ روز برابر اپنی انگلی کے سرے پر لئے کھڑے رہے اور پہاڑ ان لوگوں پر چھتری کی طرح تنا رہا۔

(2) گوسالہ کا آواز دینا۔ سورہ اعراف رکوع 17 اور سورہِ طہٰ رکوع 4 میں وارد ہے "پھر نقشہ ڈالا سامری نے پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا اس کا دھڑ جس میں چلانا گائے کا۔"

یہودیوں کا یہ قصہ کتاب پر قی ربی الیعذر جز 45میں آیا ہے " اور بچھڑا آواز دے کر باہر آیا اور بنی اسرائیل نے اس کو دیکھا۔ ربی یہودا فرماتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں سمائیل چھپا ہوا بچھڑے کی آواز نکالتا تھا کہ بنی اسرائیل کو گمراہ کردے " یہ قصہ نہ الہامی ہے نہ تاریخی اس کی موجد یہودیوں کی قوت متخیلہ ہے ۔ قرآنی قصہ میں سمائیل کا نام سامری بیان ہوا ہے ۔ یہ ایک ذرا سی سماعی غلطی ہے واضح ہے ہو کہ نام سامری عہد عتیق وعہد جدید میں کئی جگہ آیا ہے ۔ یہودی لوگ سامریوں کو اپنا گمراہ دشمن جانتے تھے مگر موسیٰ کے زمانہ میں اس نام کا وجود بھی نہ ہوسکتا تھا کیونکہ شہر سامرہ جس سے سامری منسوب ہوا حضرت موسیٰ سے 400سال بعد بنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہودیوں نے اس گوسالہ کے متعلق سمائیل کا نام لیا تو آنحضرت محمد غلطی سے اس کو سامری سمجھے یعنی وہ نام جو ان کے درمیان بہت مشہور تھا اور جس کو حضرت محمد بھی خوب جانتے تھے اور آپ یہی سمجھے کہ سامریوں سے یہود کو اسی گوسالہ کی وجہ سے عداوت ہو گئی تھی۔

(3)بنی اسرائیل کے مر کر پھر زندہ ہوجانا ۔ سورہ بقرہ ع 6میں بیان ہوا کہ " جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم یقین نہ کرینگے تیرا جب تک نہ دیکھیں اللہ کو سامنے پھر لیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھتے تھے۔ پھر اٹھا کرکھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے شاید تم احسان مانو۔"

یہودیوں کا یہ قصہ سنہدرین باب 5میں آیا ہے کہ " بنی اسرائیل نے خدا سے دو باتیں چاہیں یعنی یہ کہ وہ لوگ اس کا جلال آنکھوں سے دیکھیں اور اس کی آواز کانوں سے سنیں اور ان کی دونوں عرضیں قبول ہوئیں ولیکن ان کے برداشت کرلینے کی تاب ان کو نہ تھی کیونکہ جب وہ لوگ طور پر پہنچے اور خدا ان پر ظاہر ہوا تو اس کی آواز سنتے ہی ان کی روحیں فنا ہوگئیں۔ پھر خود توریت اللہ کے آگے ان کی وکیل بنی اور فوراًان کی روحیں ان کے قالبوں میں واپس آگئیں۔

(4)فرعون کا بحر قلزم سے بچ جانا۔ سورہ یونس رکوع 9میں آیا ہے "اور پار کیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے ۔ پھر پیچھے پڑا ان کے فرعون اور اس کا لشکر شرارت سے اور زیادتی سے جب تک پہنچا اس پر دباؤ ۔ کہا یقین جانا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر یقین لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں حکم برادروں میں۔ اب یہ کہنے لگا اور تو بے حکم رہا پہلے اور رہا بگاڑوالوں میں سو آج بچا دینگے ہم تجھ کو تیرے بدن سے تاکہ ہووے تو اپنے پچھلوں کو نشانی۔"

یہ قصہ بھی یہودی مفسروں کے افسانوں میں سے ہے۔ پرقی ربی الیعذر فصل 43میں لکھا ہے " توبہ کی طاقت کو دیکھو۔ فرعون شاہ مصر نے کس انتہا تک اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی۔ وہ کہتا تھا خدا کون ہے کہ میں اس کی سنوں آخر کو اسی زبان سے اس نے توبہ کرکے کہا " اے خداوند الہٰوں میں کون تیری مانند ہو سکتا ہے ؟ پس خدا نے اس کو مردوں میں سے نکال لیا کیونکہ لکھا ہے " میں نے اب اپنا ہاتھ بڑھایا اور تجھ کو مار اور لیکن خدا نے اس کو زندہ رہنے دیا کہ اس کی طاقت وقدرت کا اظہار کیا کرے۔"

چھٹواں ۔ بعض متفرق باتیں جو یہودیوں سے لی گئی ہیں۔

قرآن میں بعض عبرانی کلدانی وسریانی الفاظ ایسے آئے ہیں جو اہل یہود کی خاص اصطلاحات میں سے ہیں اور مفسرین اسلام ان زبانوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان میں سے بعض کے صحیح ودرست معنی بیان کرنے میں قاصر ہیں۔ تورات ۔ تابوت ،جنتہ عدن جہنم جسر ، سکینتہ ،طاعوت ،فرقان ،ماعون ،ملکوت وغیرہ ۔ ان الفاظ کے درست معنی سمجھنے کے لئے ضرور ہے کہ انہیں زبانوں کی لغات کی طرف رجوع کیا جائے جن کے یہ الفاظ ہیں۔ (ربی ابراہیم گیگر نے اپنی مشہور کتاب اسلام اور دین موسوی میں 1*میں تفصیل کے ساتھ ان مصطلحات پر بحث کی ہے ۔)

(2)اَلسّمٰواتُ السبع یعنی سات آسمانوں کا ذکر جو سورہ بنی اسرائیل میں ہے یہ کتاب مگیگاہ باب 9فصل 2میں آیا ہے اور یہودی خیال ہے۔ وہاں سات آسمان نام بنام گنائے ہیں۔

(3)سَبعَتہ ابواب جہنم کے سات دروازوں کا ذکر جو حجرح 3میں ہے یہ کتاب سوہر باب 3صفحہ 150 سے ماخوذ ہے۔

ہندو لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ زمین کے نیچے سات طبقے تو اسفل کے ہیں اور ان کے اوپر سات طبقے اعلیٰ کے اور یہ سب کے سب ایک بڑے اژدہا کے اوپر قائم ہیں جس کا نام بشیشہ ہے اوزمین کے ان سات طبقوں کے بارہ میں جو کچھ ہندو یا یہودی یا مسلمان اپنے اپنے افسانوں وحدیثوں میں سناتے ہیں (عرائیس المجالس صفحہ 5تا19) اس کی اصل زردشتیوں کی کتاب اوستا میں ملتی ہیں یعنی ان کا قول ہے کہ زمین میں ہفت کرشوری یعنی ہفت کشور یا ہفت اقلیم ہیں اور کتاب یشب باب 19آیت 31میں لکھا ہے کہ "جمشید زمین پر حکمرانی کرتا تھا جس میں ہفت اقلیم تھیں۔"

1* اس کتاب کا ترجمہ جرمن زبان سے ہمارے سابق لفٹنٹ گورنر کی میم صاحبہ لیڈی ینگ نے انگریزی میں کیا ہے۔ جو سوسائٹی کے کتب خانہ سے مل سکتا ہے۔ اردو ترجمہ زیر غور ہے۔

سورہ ہود رکوع اول میں لکھا ہےوَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ یعنی تھا تخت اس کا پانی پر" یہ یہودیوں کا مقولہ تھا۔ مفسر راشی نے پیدائش باب 1آیت 2کی تفسیر میں لکھا ہے کہ " تخت جلال کا ہوا پر قائم تھا اور پانیوں پر حرکت کرتا تھا۔"

(5)اہل اسلام کا خیال ہے کہ خدا نے جہنم پر ایک فرشتہ کو مقرر کیا ہے جس کا نام مالک ہے ۔ یہودیوں کے یہاں بھی ایک ایسا فرشتہ امیر جہنم کہلاتا ہے ۔ یہ بھی واضح ہو کہ قدیم بت پرستان ملک فلسطین اپنے ایک دیوتا کو مولک کہتے تھے جو ان کے عقیدہ کے موافق آگ پر مسلط تھا۔ مالک دراصل وہی مولک ہے ۔ دونوں نار پر مسلط ہیں۔

سورہ ق رکوع 4میں وارد ہے " جس دن ہم کہینگے دوزخ کو تو بھر چکی اور بولے کچھ اور بھی ہے " کتاب اوتَلیوت ربی عقیباہ باب 8فصل 1میں لکھا ہے ۔ " امیر جہنم ہر روز یہ پکارتا ہے کہ مجھ کو کھانے کو دے کہ میں سیر ہوؤں ۔"

(6) سورہ اعراف رکوع 5بہشت ودوزخ کے درمیان جو اعراف ہے اسکی تعریف میں یہ الفاظ ہیں " دونوں کے بیچ ایک دیوار اور اس کے سرے پر مرد ہیں کہ پہچانتے ہیں کہ ہر ایک کو اس کے نشان سے " یہ بالکل یہودی خیال ہے ۔ مدارش میں کتاب واعظ باب 7آیت 14 کی شرح یوں ہے " کسی نے پوچھا کہ بہشت ودوزخ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے ۔ ربی یوحانان نے کہا کہ ایک دیوار حائل ہے ،ربی اخاہ نے کہا کہ ایک بالشت کی دوری ہے اور ہمارے مرشدوں نے بتلایا ہے کہ دونوں ایسے ملے ہوئے ہیں کہ " اس میں سے اس میں دیکھ سکتے ہیں ۔" یہودیوں میں یہ خیال زردشتیوں سے لیا گیا ہے۔ آوستا میں اعراف کو مسوانو گانس کہا ہے اور زبان پہلوی میں مسوت گاس اور بہشت ودوزخ کے درمیان اتنا فاصلہ بتلایا کہ " جتنا کہ درمیان نور اور ظلمت کے ہے ۔"

(7) شیاطین کا چوری چوری آسمان سے خبریں اڑانا ۔ سورہ حجر رکوع 2میں آیا ہے " ہم نے بچا رکھا آسمان کو ہر شیطان مردود سے مگر جو چوری سے سن گیا " ۔ ایسا ہی سورہ صافات اور سورہ ملک میں بھی ہے ۔ یہ بالکل یہودیوں کی خام خیالی ہے ۔ تالمود کتابِ حگیگاہ باب 12میں فصل 1میں لکھا ہے کہ "شیاطین کو چھ صفات حاصل ہیں یعنی ملکی اور تین بشری ۔ کیا وہ غیب کا حال پہلے سے جانتے ہیں ؟ نہیں بلکہ پردہ کے پیچھے سے کان لگا کر سن لیتے ہیں۔"

(8)طوفانِ نوح کے بیان میں لکھا ہے کہ فارا التنور "جوش مارا تنور نے" سورہ ہود رکوع 3اور سورہ مومنون 2۔ اس کی اصل یہودیوں کا قصہ ہے جو کتاب روش ھشانا باب 16آیت 2 اور سنہدرین 108 میں مرقوم ہے "پانی طوفان کا گرم تھا" طوفان کے زمانہ کے لوگوں کو ابلتے پانی سے عذاب دیا گیا تھا۔ قرآن نے اسی مضمون کو تنور کے استعارہ میں ظاہر کیا۔

(9)وصیت نامہ حضرت یعقوب" جس وقت پہنچی یعقوب کو موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کیا پوجو کے بعد میرے ۔ بولے ہم بندگی کریں گے تیرے اور تیرے باپ دادا کے رب کی ۔ ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق کے رب کی ۔ وہی ہے کہ ایک رب " (سورہ بقرہ رکوع 16) چنانچہ مدارش رباہ فصل 98میں لکھا ہے " جب یعقوب دنیا سے رحلت کرنے کو تھا اس نے اپنے بارہ بیٹوں کو بلا کر کہا " اپنے باپ اسرائیل کی سنو ۔ کیا خدا کی نسبت تمہارے دلوں میں کچھ شک ہے ؟ وہ بولے گواہ رہ جیسا کہ ہمارے باپ اسرائیل کے دل میں کوئی شک خدا کی بابت نہیں ویسا ہی ہمارے دلوں میں بھی کوئی شک نہیں۔ خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے ۔"

(10) قرآن میں لکھا ہے کہ جب اس کے بیٹے مصر کو روانہ ہوئے تو حضرت یعقوب نے ان سے کہا تھا" اے بیٹو۔ نہ داخل ہو جیو ایک دروازہ سے اور بیٹھیوں کئی دروازوں سے جدا جدا" (سورہ یوسف رکوع 11) نظر بد کی یہ خام خیالی بھی یہودیوں کی ہے ۔" مدراش بقرہ کتاب پیدائش فصل 91میں یہی لکھا ہے کہ یعقوب نے بیٹوں سے کہا تم مت گھسو ایک ہی دروازہ سے ۔

ساتواں۔ اہل اسلام کی بہت سی دینی رسمیں یہودیوں سے لی گئی ہیں۔1*

(1) رمضان کے روزے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے صائبین کے روزے ہیں مگر صوم عاشورہ یہودیوں کا روزہ ہے ولیکن ان روزوں کے متعلق ایک خاص بات ہے جس کے لئے اسلام یہودیوں کا مقروض ہے

1* یہ تو معلوم ہے کہ ابتدا میں آنحضرت نے یہودیوں کے قبلہ کو اپنا قبلہ بنایا تھا ۔ پھر صوم عاشورہ بھی یہودیوں کی تقلید میں ابتداً فرض کیا تھا۔ اب سنت ہے (دیکھو صفحہ 27) مگر پھر جب یہودی اپنی مخالفت میں بہت زیادہ بڑھ گئے اور کسی طرح آنحضرت سے راضی نہ ہوئے تو مسلمانوں کو بھی بہت طیش آیا اور اس ضد سے یہودیوں کے ساتھ موافقت کو ترک کرنا شروع کیا۔ چنانچہ حضرت نے بجائے بیت المقدس کعبہ کو قبلہ کردیا۔ مسلمانوں نے عاشورا کی شکایت کی کہ منہ یوم تعظمہ الیھود والنصاریٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمہ فازا کان العالمہ المقبل صمنا یوم التاسع فلمہ یات اھام المقبل۔ توفے رسول اللہ صلی اللہ وسلمہ یعنی یہ وہ دن ہے جس کی تعظیم یہود و نصاریٰ کرتے ہیں پس آنحضرت نے فرمایا کہ اگر میں سال آئندہ تک زندہ رہا تو نویں تاریخ کو روزہ رکھونگا۔ مگر دوسرے سال کے قبل ہی آنحضرت کا انتقال ہوگیا (مسلم وابوداؤد باب فی صوم عاشورا) یا تو یہ موافقت یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ آپ نے یہود و نصاریٰ کے ظاہری اوضاع واطوار بھی اختیار کرلئے تھے ۔ ھن ابن عباس قال کان اہل الکتاب سید لون اشعر ھمہ وکان المشر کون یفر قون دوسھمہ وکان رسول اللہ صلعم تعجبہ موافقتہ اہل الکتاب فیما لمہ یومہ بہ فسدل رسول اللہ صلعمہ ناصیۃ ثمہ فرق بعد یعنی ابن عباس نے کہا کہ اہل کتاب اپنے بالوں کو یوں ہی بڑھے رکھتے تھے اور مشرک مانگ نکالتے تھے اور آنحضرت اہل کتاب سے موافقت کرنا پسند کرتے تھے۔ اگر کسی بات میں ان کو خاص حکم نہ ہوتا پس آپ نے اپنی پیشانی کے بال لٹکا دئیے ۔ مگر پھر کچھ دنوں بعد مانگ نکالنے لگے (سنن ابی داؤد کتاب الترجل) پھر اسی کتاب الجنائز میں یہ حدیث ہے عن عبارہ بن الصلامت قال کان رسول اللہ صلعیم یقومہ فی الجنازۃ حتی توضع فی الحد قمر بہ حبر من الیھود فقال ہذا الفعل مجلس النبی صلعم فقال اجلسوا خالفو ھمہ یعنی عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ حضرت کی عادت تھی کہ جب تک جنازہ کو قبر میں رکھ نہ

دیتے تھے آپ کھڑے رہتے تھے۔ پھر یہودیوں کا ایک عالم آپ کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ ہم لوگوں کا بھی طریقہ ایسا ہی ہے۔ پس آنحضرت بیٹھ گئے اور لوگوں سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔ انجام کار مسلمانوں کی یہودیوں کے ساتھ یہ ضد یہاں تک بڑھ گئی کہ یہودیوں نے کہنا شروع کیا مَا یدھذا الرجل ان یدعَ من اَمر نا شیاً الاخالفنا فیہ یعنی یہ شخص (آنحضرت) چاہتا ہے کہ ہر بات ہم لوگوں کی ضد سے کام کرے" اور چونکہ یہودی حائضہ سے بالکل پرہیز کرتے تھے مسلمانوں نے اس میں بھی یہودیوں کی ضد کرنا چاہا اور آنحضرت سے آکر کہا یارسول اللہ ان الیھود وتقول کذ اور کذا لافلا نجا مغھن یعنی" اے رسول اللہ یہودی تو ایسا ویسا کہتے ہیں ہم حائضہ عورتوں سے جماع کیوں نہ کریں" ؟ (صحیح مسلم کتاب الحیض) مگر باوجود ضد ومخالفت کی گرم بازاری کے یہودیوں کی شریعت بغیر کام نہ چل سکا اور ہم اب بھی اسلام کے اندر انہیں لوگوں کی رسوم وعادات پاتے ہیں۔

سورہ بقرہ رکوع 23میں آیاہے ۔ یعنی کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آوے دھاری سفید جدی دھاری سیاہ فجر کی خیط کے معنی ہیں ڈورایا تاگا۔ مشناہ براخوت میں یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ روزہ کا آغاز اس ساعت سے ہوتا ہے جب کہ کوئی تمیز کرسکے درمیان نیلے ڈورے اور سفید ڈورے کے باب 1 فصل 2۔

(2) تمیم۔ یہ بھی یہودیوں کی رسم ہے۔ براخوت فصل 46میں لکھا ہے کہ " یہ امر کفایت کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے تیئں خاک سے پاک کرلے"۔

(3) لا تقر بوالصلواۃ وانتمہ سکریٰ یعنی وہ نزدیک نہ ہو نماز کے جب تم کو نشہ ہو" (سورہ نساء ع) یہ مشہور آیت قرآن کی یہودی ربی کا مقولہ ہے" نماز ممنوع ہے اس شخص کے واسطے جو نشہ میں ہے" (براخوت باب 31فصل 2)۔

(4) یہودیوں کی ایک مذموم عادت بھی ہے کہ جس کو اہل اسلام نے نیک نیتی سے اختیار کرلیا ہے۔ انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی 6باب آیت 5میں لکھا ہے کہ وہ لوگ یعنی فریسی عبادت خانوں اور راستوں کے کونوں پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کو پسند کرتے ہیں تاکہ لوگ انہیں دیکھیں۔" یہودی لوگ جن میں بیشتر اسی فرقہ فریسی کی جسمانی اور روحانی اولاد میں تھے عرب کے ملک میں بھی اپنی یہ عادت ورسم ساتھ لے گئے۔ مسلمانوں نے شاید اس کو کوئی سنت انبیاء سمجھ لیا کہ جس ملک میں دیکھو نماز کے اوقات مقررہ میں سرراہ اور بازاروں میں اور گذر گاہِ عام پر اسی طرح نماز پڑھنے لگتے ہیں۔

آٹھواں (الف) آیاتِ عہد عتیق جن کا قرآن میں اقتباس ہوا ہے۔ (1) یہ بات تعجب کی ہے کہ سارے قرآن میں صرف ایک ہی آیت (کتاب کے حوالہ کے ساتھ) نقل ہوئی ہے۔ سورہ انبیاء کے آخری رکوع میں لکھا ہے۔"یعنی اور ہم نے لکھ دیا زبور میں نصحیت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہونگے میرے نیک بندے" یہ آیت زبور شریف 37آیت 29میں ہے۔" صالحین زمین کے وارث ہونگے۔"

(2)سورہ مائدہ رکوع 7میں ہے۔ یعنی اور لکھ دیا ہم نے ان (بنی اسرائیل) پر اس کتاب (توریت) میں کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر" توریت کتاب خروج باب 21آیت 23و25میں لکھا ہے " جان کے بدلے جان اور آنکھ دانت کے بدلے دانت ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں جلانے کے بدلے جلانا زخم کے بدلے زخم چوٹ کے بدلے چوٹ۔"

(3)ایک جگہ توریت کا حوالہ غلط دیا ہے ذالکِ مثلھمہ فیِ التوراۃ سورہ فتح آخر۔ اس کا ذکر انجیل کے اقتباسات میں آئے گا۔ (صفحہ 100) مگر ایک اور جگہ ایک نہایت ہی مشہور مقولہ کتابِ مقدس کا جوزبان زد خاص وعام ہورہا تھا نادانستہ قرآن میں داخل ہوگیا مثلاً بلعم کا وہ مشرق قول " کاش کہ میں صادقوں کی موت مروں اور میری عاقبت ان کی سی ہو" توریت کتاب گنتی باب 23آیت 10) اس آیت کے پہلے حصہ سے قرآن کا وہ قول بنایا ہے یعنی" موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ" جو آل عمران ع 20میں درج ہے۔

(4)اِن یَوماً عندَ ربک کاَلفِ سنَۃ یعنی ایک دن تیرے رب کے یہاں ہزار برس کے برابر ہے۔" سورہ حج ع 6) یہ حضرت داؤد کا مقولہ ہے" ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گذر گیا زبور 90آیت 4ونامہ ثانی مقدس پطرس باب 3آیت 8) ۔

(5) سورہ بنی اسرائیل ع 5ہے یعنی اس ستھرائی بولتے ہیں آسمان ساتوں اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز نہیں مگر بڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا۔" زبور 19آیت 2و3میں لکھا ہے۔" آسمان خدا کا جلال بیاں کرتے ہیں اور فضا اس کی دستکاری دکھلاتی ہے۔ ان کی کوئی لغت اوزبان نہیں ان کی آواز سنی نہیں جاتی۔"

(ب) اور یوں تو تالمودی مسائل اور ربیوں کے مقولے بہت سے ہیں جو سنے سنائے قرآن کے متن میں جگہ پاگئے ہیں مثلاً قرآن کی یہ آیت جس دن گواہی دینگی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں اس پر جو کچھ کرتے تھے" سورہ نورع 3 کتاب حگیگاہ فصل 16 وطانیتہ فصل 11 میں مرقوم ہے انسان کے اپنے اعضا اس کے خلاف شہادت دینگے کیونکہ لکھا ہے تم ہی تو میرے گواہ ہو خداوند فرماتا ہے۔"

قرآن کی اس آیت میں جو سخن ہے وہ دراصل ایک عیسائی عورت کا مقولہ تھا جو حضرت تک پہنچا۔ سنن ابن ماجہ ابواب الفتن کے باب الامر بالمعروف میں جابر کی حدیث میں ذکر ہے جب مہاجرین حبشہ سے واپس آئے تو حضرت نے ان سے وہاں کے لوگوں کے حالات پوچھے اثنائے بیان میں بعضوں نے یہ قصہ سنایا کہ ایک بڑھیا پانی کا مٹکا لئے چلی جاتی تھی۔ ایک شریر جوان سے اس کو دھکا دے کر مٹکا گرادیا۔ اس پر اس نے کو ڈانٹا فقالت سرف تعلمہ یا عذر ازا وضع الکرسی وجمع الاوالین والا خرین وتکلمت الایدی والا رجل بما کانو ایکسبون یعنی " اور کہا تجھ کو جلد معلوم ہوجائے گا اے مکار جب تخت عدالت رکھا جائے گا اور پہلے اور پچھلے سب جمع ہونگے اور ہاتھ اور پیر بتلادینگے کہ وہ کیا کیا کرتے رہے" یہ سن کر حضرت بول اٹھے صدقت صدَقت صدَقت سچ کہا سچ سچ۔ یہاں سے یہ بات بھی ہاتھ لگتی ہے کہ اہل کتاب کی باتوں کو انتخاب کرنے کے لئے یہ امر ضروری نہ تھا کہ حضرت ان کی کتابوں کی ورق گردانی کریں۔ اس زمانہ میں ان کتابوں کی باتیں جس طرح لوگوں کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں ان کو جمع کرلینا کافی تھا۔ ہم صرف یہاں ان باتوں کا ماخذ بتلاتے ہیں۔

ایک دوسری آیت قرآن یہ ہے "یعنی تم اور جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا جھو نکنا ہے جہنم میں (سورہ انبیاء ع 6)۔

کتاب سقاہ فصل 29 میں ہے " جب کسی قوم کو بت پرستی کے لئے عذاب کیا جاتا ہے تو جن کو وہ دیوتے مان کر پوجتے ہیں ان کو بھی عذاب کیا جاتا ہے۔

(ج) بہت سی آیات عہد عتیق احادیث صحیحہ میں موجود ہیں یہاں صرف بعض صحیح احادیث سے نقل کی جاتی ہیں۔

(1) مسلم کتاب الصلواۃ باب 39 میں آنحضرت کی ایک دعا اس طرح پر لکھی ہے اللھمہ طھر فی با التلج واالبرد وو ماء البارد اللھمہ طھر فی من الذ نوب والخطا یا کما ینقی التوب الابیض من الوسنج یعنی " اے اللہ تو پاک کردے مجھ کو برف اور اولے اور ٹھنڈے پانی سے۔ اے اللہ تو پاک کردے مجھ کو گناہوں اور خطاؤں سے جس طرح دھل جاتا ہے سفید کپڑا میل سے" ۔

یہ حضرت داؤد کی مشہور دعا میں سے لیا گیا ہے۔ " میرے گناہ سے مجھے خوب دھو اور میری خطا سے مجھے پاک کر۔۔۔۔ زوفا سے مجھے پاک کرکہ میں صاف ہوجاؤں۔ مجھ کو دھو کہ میں برف سے زیادہ سفید ہوجاؤں" زبور 51 آیت 2و7)۔

(2) مسلم کتاب المساجد باب 45 میں حضرت محمد کی بالکل اسی قسم کی ایک دعا ہے۔ اس میں ایک فقرہ یہ ہے کہ اللھمہ باعد بینی خطا یا ی کما باعدت بین المشرق والمغرب یعنی " یا خدا دوری کردے میرے اور میری خطاؤں کے درمیان جیسی دوری کردی تونے درمیان مشرق اور مغرب کے۔"

یہ بھی حضرت داؤد کے نہایت ہی مشہور زبور کی آیت ہے۔ زبور 103 آیت 12۔ "جتنا پورب پچھم سے دور ہے اتنی دور اس نے ہماری خطاؤں کو ہم سے جدا کردیا۔"

(3) مسلم کتاب التبر و لصلواۃ میں ابو ہریرہ سے ایک روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا یس الشدید با الصرعتہ انما الشدید الذی عیملک نفسہ عند الغضب یعنی " پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں غالب رہے بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے اوپر قابو رکھے غصے کے وقت۔ یہ مشہور مقولہ حضرت سلیمان کا ہے" جو غصہ کرنے میں دھیما ہے پہلوان سے بہتر ہے اور جو اپنی جان پر قادر ہے وہ اس سے جو شہر کو جیت لیتا ہے۔"

(4) اور کچھ آگے چل کر ابو ہریرہ کی ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا انَ اللہ خلق آدمہ علے صورتہ یعنی خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔۔۔۔۔ یہی الفاظ کتاب پیدائش باب اول آیت 7 میں آئے ہیں۔" اور خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔"

(5) مسلم کتاب الرضاع کے آخر میں ابوہریرہ سے حدیث ہے کہ حضرت نے فرمایا تھا ان المراۃ خلقت من ضلعٍ یعنی عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی۔ یہ کتاب پیدائش باب 2 آیت 21و 22 میں ہے۔ اور خدا نے آدم کی پسلیوں سے ایک پسلی نکالی۔۔۔۔۔ اور اس پسلی سے ایک عورت بناکے آدم کے پاس لایا۔"

القصہ یہ اس قسم کی شہادتیں ہیں جن کے سامنے اتفاقی موافقت اور توارد کا خیال بالکل باطل ہوجاتا ہے۔

نواں ۔ دو باتیں اور بھی ہیں جو مسلمانوں کو یہودیوں سے مل گئی ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر اس جگہ بہت مناسب ہوگا۔

(1) لوحِ محفوظ مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق پیدائش خلقت سے پہلے قرآن لوح محفوظ پر لکھا گیا تھا۔ سورہ بروج میں آیا ہے ۔

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ یعنی بلکہ وہ تو قرآن ہے بڑی شان کا لکھا تختی میں جس کی نگہبانی ہے" اس لوح محفوظ کی نسبت جس قسم کے شاعرانہ خیالات مسلمانوں میں مروج ہیں۔ وہ ہم فارسی قصص الانبیاء سے نقل کرتے ہیں۔ ترجمہ پھر خدا نے زیر عرش ایک دانہ موتی کا پیدا کیا اور موتی سے لوحِ محفوظ کو بنایا۔ اونچائی اس کی سات سوسال کی راہ اور چوڑائی اس کی تین سوسال کی راہ۔ اس کے چوگرد خدا تعالیٰ کی قدرت سے تمام یاقوت سرخ جڑے گئے۔ پھر قلم کو حکم ہوا اکتب علمی فی خلقی وَماھو کائن الیٰ یوم القیمتہ یعنی لکھ میرا علم میری خلقت کے بارے میں اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔

اس کا اصل قصہ یہودیوں کی کتابوں میں موجود ہے مگر اہل اسلام نے اس میں بے انتہا مبالغہ کیا ہے۔ واضح ہو کہ حضرت موسیٰ کی توریت میں لکھا ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ وہ احکام عشرہ جو کتاب خروج کے باب 20 میں مندرج ہیں بنی اسرائیل کو دے تب اس نے اس طریق پر جس کا بیان ذیل میں ہے حضرت موسیٰ کو عطا فرمائے۔ چنانچہ خود حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے کتابِ استثنا 10 باب آیت 1 تا 5) میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ اس وقت خداوند نے مجھے فرمایا کہ اپنے لئے پتھر کی دو تختیاں پہلیوں کی مانند تراش کے بنا اور پہاڑ پر مجھ پاس چڑھ آ اور ایک چوبی صندوق بنا اور میں ان تختیوں پر وہی باتیں لکھوں گا جو پہلی تختیوں پر جنہیں تونے توڑ ڈالا لکھی تھیں۔ اس کے بعد تم ان کو صندوق میں رکھیو۔ تب میں نے شطیم کی لکڑی کا صندوق بنایا اور پتھر کی دو تختیاں پہلیوں کے مانند تراشیں اور ان دونوں تختیوں کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے پہاڑ پر چڑھا اور اس نے ان تختیوں پر پہلے لکھنے کے موافق وہی دس احکام جو خداوند نے پہاڑ پر آگ کے بیچ سے مجمع کے دن تمہیں فرمائے تھے لکھے اور خداوند نے وہ دونوں تختیاں مجھے دیں۔ تب میں پھرا اور پہاڑ پر سے اترا اور ان تختیوں کو اس صندوق میں جو میں نے بنایا تھا رکھا چنانچہ وہ ہنوز اس میں ہیں جیسا کہ خداوند نے مجھے حکم کیا ہے" اور کتاب اول سلاطین باب 8 آیت 9 اور نیز عبرانیوں کے خط باب 9 آیت 3و4 میں بیان ہوا ہے کہ وہ دونوں لوحیں عہد صندوق میں جس کو حضرت موسیٰ نے حسب فرمودہ خدا بنایا تھا محفوظ رکھی تھیں۔ مگر یہودیوں نے کچھ دنوں بعد یہ گمان کرلیا کہ ساری کتابیں عہد عتیق کی اور ساری تالمود بھی ان الواح میں لکھی ہوئی تھیں اور جب حضرت محمد نے یہودیوں کی شریعت کے بارہ میں یہ کچھ سنا لوح محفوظ میں (فی لوحٍ محفوظً) لکھی ہوئی ہے۔ مسلمان تو یہ سمجھے نہیں کہ وہاں مراد کس لوح محفوظ سے تھی۔ " انہوں نے اس تمام قصہ کو جس کا اوپر ذکر ہوا ایجاد کرلیا۔

جو کچھ یہود اس باب میں کہتے ہیں وہ براخوت میں مرقوم ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے " ربی شمعون ابن القیس کہتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں جو لکھا ہے کہ خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ پہاڑ پر مجھ پاس آ اور وہاں رہ اور میں تجھے پتھر کی لوحیں اور شریعت اور احکام جو میں نے لکھے ہیں وہ دوں گا تا کہ تو انہیں سکھلادے (توریت شریف کتاب خروج باب 24 آیت 12) لوحیں تو احکام عشرہ ہیں اور شریعت کہا توریت کو اور احکام سے مراد مشناہ ہے اور جو یہ کہا میں نے لکھے ہیں اس سے مراد انبیاء وپاک نوشتے ہیں اور تا کہ تو انہیں سکھلادے اس سے گمارا کی طرف اشارہ ہے جس سے ہم یہ سیکھتے ہیں کہ وہ سب حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر عطا ہوا" ہر واقفکار یہودی اس آیت کی اس شرح کو رد کرتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے مشناہ تو قریب 60 سال بعد مسیح تالیف ہوئی اور گمارا یروشلمی 430 میں اور گمارا بابلی 530 مسیحی میں۔ ولیکن مسلمانوں کو اس کی کچھ خبر نہ ہوئی اور جو کچھ ناواقف یہودی اپنی کتابوں کی شان میں کہا کرتے تھے وہ انہوں نے بھی قبول کرکے اپنے قرآن کی شان میں کہہ دیا۔ پس یہ قصہ بھی اسی مکدر چشمہ سے جاری ہوا۔ کچھ ضرور نہیں کہ اس قسم کے امور کے بارہ میں ہم ناظرین کی زیادہ سمع خراشی کریں۔ صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہود کے گمان میں بھی وہ دونوں لوحیں بہت ہی

قدیم تھیں چنانچہ کتاب پرقی آبوت باب 5 جملہ 6 میں لکھا ہے کہ وہ الواح دوسری نو چیزوں کے ساتھ پیدائش عالم کے زمانہ میں مغرب کے وقت سبت کے دن سے پہلے پیدا ہوئی تھیں۔

(2) کوہ قاف کے فرضی وجود کی نسبت جو کچھ احادیث میں مندرج ہے وہ بھی اسی طرح یہودیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ملتا ہے چنانچہ عرائیس المجالس اور قصص الانبیاء کے بیان کو یہودیوں کے نوشتوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے یہ بات روشن ہے۔ عرائیس المجالس میں لکھا ہے خلق اللہ تعالیٰ جبلاً عظیماً من زبرجدۃٍ خضرلمی خضرۃ السماء منہ یقال لہ قاف فلحاط بھا کلھا وھوا الذی اقسمہ اللہ بہ فقال ق والقرآن المجید یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پہاڑ زبرجد سبز کا پیدا کیا۔ آسمان کی سبزی اسی کے باعث سے ہے۔ اس کو کوہ قاف کہتے ہیں جو ساری دنیا کے گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ وہی ہے جس کی قسم اللہ نے کھائی فرمایا ق والقرآن المجید (صفحہ 7و8) اور قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ ایک دن عبداللہ بن سلام نے حضرت محمد سے پوچھا کہ زمین کی کشادگی کا ہے سے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کوہِ قاف سے پوچھا کہ کوہ قاف کا ہے کا ہے؟ فرمایا زمرد سبز کا اور آسمان کی سبزی اسی سے ہے۔ کہا سچ فرمایا آپ نے اے رسول اللہ پوچھا کہ کوہ قاف کی بلندی کس قدر ہے؟ فرمایا پانچ سو سال کی راہ۔ پوچھا کہ اس کی چوطرف کی کیا دوری ہے؟ فرمایا دو ہزار سال کی راہ" اس تمام قصہ کی اصل یہ ہے کہ کتاب پیدائش باب اول آیت 2 میں ایک عبرانی لفظ ہے (توہو بمعنی خالی) یہودیوں کی ایک کتاب ہے بنام حگیگاہ اس کی فصل 11 آیت 1 میں اس کی جو شرح بیان ہوئی اس کا ترجمہ یہ ہے " توہو قادر (یعنی خط) سبز ہے جو سارے جہان کو احاطہ کئے ہوئے اور تاریکی اسی سے صادر ہوتی ہے۔ آنحضرت کے اصحاب نے یہودیوں کے اس قول کو سن کر لفظ قاد کو نہ سمجھا اور ان کے خیال میں نہ آیا کہ اس کے معنی خط یا سہادل ہیں وہ گمان کر بیٹھے کہ جو شئے تمام جہان کو گھیرے ہوئے ہے اور آسمان کو تاریک کرتی ہے وہ کوئی سلسلہ بڑے اونچے پہاڑوں کا ہے جس کا نام قاد یا قاف ہے۔

القصہ جو کچھ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اس سے روشن ہوجاتا ہے کہ یہودیوں کی کتابیں بالخصوص ان کا وہ کہانیوں کا طومار جس تالمود کہتے ہیں دین اسلام کے بہت بڑے بڑے سرچشموں میں سے ایک ہے۔ اب مناسبت ہے کہ اس کے دوسرے سوتوں کی طرف متوجہ ہوں اور اس امر کی تحقیق میں لگیں کہ آیا دین مسیحی نے بھی خصوصاً ان جعلی کتابوں اور باطل افسانوں نے جو آنحضرت کے زمانہ میں عیسائیوں کے بعض بدعتی اور گمراہ فرقوں کے درمیان مروج ہورہے تھے دین اسلام پر کوئی اثر ڈالا ہے یا نہیں۔

فصل چہارم

اس دعوے کی تحقیق کہ قرآن میں بہت کچھ عیسائیوں کے بدعتی فرقوں کے قصے کہانیوں اور باطل خیالوں اور وہموں سے لیا گیا ہے

حضرت محمد صاحب کے زمانہ میں جو نصاریٰ جزیرہ عرب میں آباد تھے 1* ان میں اکثر لوگ نہ فقط ناواقف وجاہل بلکہ طرح طرح کی بدعتوں میں گرفتار تھے اور ایسے بہت تھے جو اپنی فاسد تعلیمات اور باطل عقاید کی وجہ سے قلمرد قیصر روم سے باہر کردئیے گئے تھے اور جنہوں نے آکر اہل عرب کے

1* سرسید خطبہ ثالث میں لکھتے ہیں " یہ بات تحقیق ہے کہ عیسوی مذہب نے تیسری صدی عیسوی میں ملک عرب میں دخل پایا جبکہ ان خرابیوں اور بدعتوں کی وجہ سے جو آہستہ آہستہ مشرقی کلیسیا میں شائع ہوگئی تھیں قدیم عیسائیوں کی تباہی ہوئی تھی اور وہ لوگ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے تاکہ اور کسی جگہ پناہ لیں۔ اول مقام جہاں یہ بھاگے ہوئے عیسائی آباد ہوئے نجران تھا اور اس سے پایا جاتا ہے کہ وہاں کے معتدبہ لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا" مگر سرسید اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ" عیسوی مذہب نے اہل عرب میں بہت ترقی حاصل کی تھی" حالانکہ اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا۔ محمد احسان اللہ العباسی اپنی تاریخ الاسلام میں مذاہب قبل از اسلام کے بیان میں لکھتے ہیں صفحہ 35 " یمن کے مغربی ساحل کی طرف سے کچھ عیسائی گھس آئے تھے اور بہت سے قبیلے نصاریٰ ہوگئے تھے جن کو عرب متنصرہ کہتے تھے۔ شمالی عرب میں بھی شام کی طرف سے عیسائی مذہب پھیل چلا تھا۔ عیسائی قبیلوں کے نام مورخوں نے غسان، ربیعہ، تغلب، بحرد، تونخ، طے، کوداع، سکتائے نجران، عرب حیرا لکھے ہیں" نہ معلوم کس بنیاد پر سرسید کہتے ہیں کہ ان قبیلوں میں " معدد اشخاص نے ان کی تقلید کی تھی اور کوئی جماعت کثیر یا قوم کی قوم عیسوی مذہب میں نہیں آئی تھی "عرب میں عوام الناس کے درمیان ایسی مقامی روایتیں مشہور تھیں جنہوں نے بعض سیدھے سچے واقعات کو افسانہ کا رنگ دے دیا تھا۔ جس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے بزرگان دین کی نسبت عرب کی

خوش اعتقادی کتنی بڑھی ہوئی تھی۔ ہم اس خوش اعتقادی سے یہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ عرب جاہلیت کس قدر عیسویت کی طرف مائل تھے اور کسی قوم کے دفعتہ عیسائی مذہب کو عیسائی راہبوں اور درویشوں کے کشف و کرامات دیکھ کر قبول کرلینے کے افسانے دراصل ان بیشمار قبیلوں اور قوموں کی تاریخ میں جنہوں نے کسی نہ کسی وجہ سے صلیب کے دین کو پسند کرلیا تھا۔

تاریخ ابن ہشام میں چند اسی قسم کی مقامی روایتیں مندرج ہیں کہ کسی طرح فیمیوں راہب کی کوششوں سے نجران والے اس کی طرف مائل ہوئے۔ کس طرح اس نے عبداللہ بن الثامر نجرانی کو اپنا مرید بنایا اور پھر کیسی کیسی کرامات اس سے ظاہر ہوئیں کہ جن کو دیکھ دیکھ کر تمام نجران عیسائی ہوگیا (سیرت ابن ہشام مصری جزواول صفحہ 12و13)۔

اہل عرب اس افسانہ کو سچا مانتے تھے۔ خود حضرت نے بھی راہبوں کی کرامات کا یہ افسانہ بیان کیا ہے چنانچہ صحیح مسلم کے آخر میں صیب کی حدیث میں اس کا تذکرہ ہے۔ عرب میں عیسائیوں کی کثرت پر یہ روایات دال ہے کہ صرف نجران کے قریب وجوار میں دونواس حمیری بادشاہ یہود نے بیس ہزار عیسائیوں کو قتل کرڈالا تھا چنانچہ سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے حتیٰ قتل منہمہ قریباً من عشرین الفاصفحہ 13 دراصل عیسوی دین کے دل میں اس درجہ جاگزین ہوگیا تھا کہ خانہ کعبہ میں حضرت مریم کی تصویر موجود تھی جس کی گود میں حضرت مسیح تھے۔ سرسید کا یہ خیال بادی النظر میں باطل ہے کہ اس تصویر کو وہ لوگ پوجتے ہونگے جو عرب میں سے عیسائی ہوگئے تھے کیونکہ عیسائی عربوں کے ہاں اپنے گرجے اور معبدا اور اپنی تصویریں اور مورتیں موجود تھیں کعبہ کے اندر اس تصویر کی تعظیم کرنے والے وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو گرجا کے باہر تھے مگر دل ان کے گرجا کے پوجاریوں کے ساتھ تھے۔

علاوہ بریں ایک اور بات بھی اشاعت دین مسیحی کی مددگار تھی۔ ملک عرب میں اچھے اچھے نامور عیسائی بادشاہ بھی گذر چکے تھے۔ نعمان بن منذر بن منذر بن ماء السماجس کی کنیت ابوقابوس تھی عیسائی ہوگیا تھا۔ اس نے ملک حیرہ میں 22 برس بادشاہی کی پھر خسرو پرویز کے ہاتھوں قتل ہوا از ابو الفدا مترجم جلد اول صفحہ 176)۔ اسی کی وفات کے چھ مہینے بعد آنحضرت پیدا ہوئے۔ صوبہ غسان میں جو بادشاہ گذرے وہ عیسائی قیاصرہ روم کی طرف سے عامل تھے اور عیسائی تھے جنہوں نے غسان کو گرجوں اور خانقاہوں سے پر کردیا تھا (ابو الفدا) خاص حجاز کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ کا نام عبد المسیح بن ثعلبہ تھا (ابوالفدا18) اور سید مرحوم لکھتے ہیں " نام سے بلاریب ثابت ہوتا ہے کہ وہ عیسائی تھا" اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ " اس سلطنت کے بادشاہ ---- پانچویں اور چھٹی صدی میں گذرے خطبہ اول صفحہ 9و98 حضرت کی ولادت بھی چھٹی صدی میں ہوئی یعنی 570ء میں۔ پس ان عیسائی بادشاہوں کے عہد حکومت میں دین عیسوی نے کس قدر ترقی ملک عرب کی تھی آسانی سے اندازہ ہوسکتا ہے۔

درمیان پناہ لی تھی۔ یہ لوگ اناجیل وصحف حوارئین سے توکم واقف تھے پر ان کے پاس بعض کتابیں موجود تھیں جو وضعی احادیث اور مصنوعی اور جھوٹے قصص سے پر تھیں جن کی اپنی جہالت کی وجہ سے وہ حق جانتے رواج دیتے اور پڑھتے تھے اور یوں وہ روایتیں اور حکایتیں زبان زہ خاص وعام ہوگئی تھیں۔

معترضین کا قول ہے کہ آنحضرت تو انجیل شریف سے واقف نہ تھے پس جب ان کو ان لوگوں کے درمیان بسنے اور ان سے ملنے جلنے کا اتفاق پڑا تو ان لوگوں کی زبانی جو کچھ آپ نے سنا گمان کرلیا کہ وہ دراصل انجیل وصحف رسل میں مذکور ہوگا۔ پھر جب آپ نے ایک ایسا مذہب نکالنا چاہا جو تمام جزیرہ عرب میں مقبول ہوسکے اور جس پر سب لوگ متفق ہوجائیں تو آپ نے ان افسانوں تعلیموں اور خیالوں کو بھی جو ان نادان عیسائیوں میں مروج ہورہے تھے اور جن کا چرچا آپ شروع سے سنتے چلے آئے تھے بلا تحقیق قبول کرکے قرآن کے اندر داخل کرلیا۔

اس فصل میں ہم اسی امر کی خوب تحقیق و تفتیش کرکے دکھلانا چاہتے ہیں کہ فی الحقیقت وہ افسانے اور ان کی مثل اور افسانے قرآن کے سرچشموں میں سے ہیں یا نہیں۔

پہلا قصہ۔ اصحاب کہف۔ عیسائیوں کے درمیان یہ لوگ سات سونے والوں کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ قصہ سورہ کہف میں درج ہے یونانیوں کا افسانہ تھا جس کی اصل لاطینی کتاب جلال الشہدا مصنفہ گریگوریس طورسی کے اول باب کی 95 فصل میں مندرج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دکیوس (دقیانوس) قیصر روم عیسائیوں پر بڑے سخت جور وجفا کرتا تھا۔ اس نے اپنی تمام ہمت و کوشش اس بات میں صرف کردی تھی کہ دین عیسوی کو صفحہ روزگار سے مٹاڈالے۔ چنانچہ اس بادشاہ کے ظلم وستم کے مارے شہر افسس کے (جس کا ویرانہ اب تک ولایت اناطول میں قصبہ آیاسلوک کے قریب موجود ہے) سات جوان صالح گھر بار ترک کرکے نکل بھاگے اور شہر کے قریب پہاڑ کی ایک کھوہ میں جاچھپے اور وہیں سوگئے اور کوئی دو سو سال تک برابر اسی طرح سویا کئے یہ لوگ دکیوس کے زمانہ میں (250ء) تو اس غار میں در آئے تھے اور 447ء کے قریب اس سے باہر نکلے یعنی جس وقت عیسائی شاہ شیودوس ثانی تخت قیاصرہ روم پر جلوس فرما تھا۔ یہ لوگ جو کہ سو کہ اٹھے تو یہ دیکھ کر کہ دین مسیحی کس قدر پھیل گیا ہے سخت چکرائے کیونکہ وہ جب وہ سوئے تھے تو اس وقت صلیب کا نشان ایک عار سمجھا جاتا تھا اور جب سو کر اٹھے تو اسی نشان کو دیکھا کہ بادشاہ کے تاج اور ملک کے جھنڈوں پر چمک رہا تھا اور قریباً ساری رعایا سلطنت روم کی عیسائی ہوچکی تھی اور عیسائی دین عالم کے تمام دنیوں پر غالب تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قصہ محض ایک افسانہ ہے جو قبول بعض اہل الرائے بے فائدہ نہیں بلکہ اس مذہبی ناول کے موجد کی غرض یہ تھی کہ وہ اس سے بتلادے کہ باہمت لوگ جو اپنے دین

پر جان دے کر شہید ہوتے تھے ان کے خون کی برکت اور روح القدس کے فیض سے دین مسیحی کس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پھیل گیا لیکن کسی باخبر عیسائی کا یہ گمان نہیں ہے کہ وہ افسانہ کوئی حقیقی واقعہ ہے۔ جہلا چاہے جو خیال کریں۔ آنحضرت نے بھی اس افسانہ کو سچا سمجھ کر قرآن میں داخل کرلیا۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ جب اس قصہ کی کوئی اصل واقعی نہیں ہے تو عیاں ہے کہ خدائے علیم نے اس کو ہرگز لوحِ محفوظ پر نہ لکھا ہوگا اور نہ اس کو الہام سے حضرت پر نازل کیا ہوگا بلکہ اس کا ماخذ صرف عیسائی جہلا کی روایات ہیں۔

سر سید مرحوم نے اس قصہ کے متعلق ایک جدا رسالہ لکھا ہے " ترقیم فی قصہ اصحاب الکھف والرقیم " جس میں ان کل واقعات کو انہوں نے تسلیم بھی کرلیا ہے مگر اس قصہ کی کچھ ایسی تاویل کی ہے جس کو گو عقل سلیم قبول نہیں کرسکتی مگر ان کی دانست میں قرآن پر سے ایک جھوٹے قصے کو سچا مان لینے کا اعتراض کا دفعیہ ہوجاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں " منجلہ ان قصوں کے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے ایک قصہ اصحاب الکھف والرقیم کا ہے۔ یہ قصہ آنحضرت کی بعثت کے قبل ایشیا میں اور روم کے عیسائیوں میں اور عرب جاہلیت میں مشہور تھا۔" اور پانچیوں صدی عیسوی کے آخیر میں یا چھٹی صدی کے شروع میں آنحضرت صلعم سے پہلے ایشیا میز کے بشپ نے اس قصہ کو بطور عیسائی مذہب کے متبرک قصہ کے تحریر کیا تھا" صفحہ 24 اور آپ افسوس کرتے ہیں کہ جو روایتیں ہمارے علماء نے اپنی کتابوں اور تفسیروں میں لکھی ہیں وہ سب عیسائیوں کی روایتیں ہیں نہ اسلام کی" صفحہ 3۔ مفسرین نے جن کے کان انہی پرانی افواہی روایتوں سے بھرے ہوئے تھے اور عیسائی بھی اور ان کے سوا عرب اور ایشیا کے لوگ بھی اس قصہ کو عجائب یا کرامت اور معجزات کے طور پر بیان کرتے تھے۔ قرآن مجید کی آیتوں کی بھی وہی تفسیر کی" صفحہ 20۔

دوسرا قصہ۔ حضرت مریم۔ سورہ مریم ع 2 میں مرقوم ہے کہ جب حضرت مریم اپنے مقدس فرزند کو اپنی قوم کے پاس لائیں تو ان لوگوں نے آپ سے کہا۔

يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا

یعنی اے مریم تونے کی یہ چیز طوفان۔ اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار۔" اس آیت کے موافق مریم بہن ہارون کی تھیں اور ہارون حضرت موسیٰ کے بھائی تھے جو اس بات سے ہی ظاہر ہے کہ سورہ تحریم کے آخر میں وَمریمہ اَبنتَ عمرانَ یعنی مریم عمران کی بیٹی کا ذکر آیا ہے اور یہی مطلب دوبارہ سورہ آل عمران ع 4 میں بیان ہوا اور سورہ فرقان کا ع 4 میں آیا ہے اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور ٹھہرایا اس کے ساتھ اس کا بھائی ہارون کام بنانے والا۔ ان باتوں سے اظہر من الشمس ہے کہ عمران اور موسیٰ اور ہارون اور مریم جن کا اس جگہ ذکر ہوا ہے وہی لوگ ہیں جو ان ناموں سے توریت میں مذکور ہوئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جس کو قرآن عمران کہتا ہے توریت میں اس عبرانی نام عمرام لکھا ہے چنانچہ توریت کتاب گنتی باب 26 آیت 59 میں لکھا ہے کہ " عمرام کی بیوی کا نام یوکبد تھا لاوی کی بیٹی جسے اس کی ماں لاوی سے مصر میں جنی۔ سو وہ عمرام سے ہارون اور موسیٰ اور ان کی بہن مریم کو جنی" اور اس مریم کا نام مشہور بھی یونہی ہوگیا تھا" ہارون کی بہن مریم" دیکھو توریت کتاب خروج باب 15 آیت 20۔ وہی نام بجنسہ اسی طرح سورہ مریم میں وارد ہوا ہے یا مریمہ ۔۔۔۔۔ یا اختَ ہرونَ اس میں تو کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضرت محمد صاحب نے مریم بہن ہارون کو جو عمران کی بیٹی تھی وہی مریم سمجھ لیا تھا جو ایک ہزار پانچ سو ستر سال بعد حضرت عیسیٰ کی ماں ہوئیں اور ایسے قول کی مثال وہ حکایت ہے جو شاہنامہ میں فریدوں اور جمشید کی بہنوں کے بارے میں آئی ہے یعنی جب فریدوں نے ضحاک کو شکست دی اور اس کے محلسرا میں جلوس کیا تو اس نے جمشید کی دونوں بہنوں کو دیکھا جو شروع سلطنت ضحاک سے اس کے محل میں تھیں۔ (جس زمانہ کی ملت ایک ہزار سال ہوتی ہے) اور ان کے حسن وجمال کو پسند کیا۔

مفسرین نے بہتیری کوشش کی ہے کہ کسی طرح قرآن کو اس اعتراض سے بچائیں مگر ناکام رہے [1]*

1*۔ ممکن ہے کہ اس دھوکے کی بنیاد یہودیوں کا وہ افسانہ ہو جو مریم آخت ہارون کی نسبت ان

اس اعتراض کا دراصل کوئی جواب ہو بھی نہیں سکتا۔ صحیح مسلم الکتاب الآداب میں ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے اسی زمانہ میں یہ اعتراض کردیا تھا۔ جس کا جواب معقول حضرت محمد بھی نہ دے سکے تھے چنانچہ لکھا ہے کہ عن المغیرۃ بن شعبۃ قال لما قدمت نجران صالوفی فقا انکو تقرون یا اخت ہرون وموسیٰ قبل عیسیٰ بکذ اوکذا فلما قدمت علیٰ رسول اللہ صلعم سالتہ عن ذالک فقال انھمہ کانو یسمون جانہیا ئیمہ والصالحین تبلھمہ یعینی مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے اس نے کہا جب میں نجران میں آیا تو وہاں کے لوگوں نے مجھ سے سوال کرکے کہا تم قرآن میں مریم کا خطاب پڑھتے ہو" اے بہن ہارون کی" اور موسیٰ عیسیٰ سے اتنی اتنی مدت پہلے گذرے۔ پس جب میں رسول اللہ کے پاس آیا تو ان سے میں نے اس بات کی نسبت پوچھا آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا کہ وہ اپنے نام انبیاء صالحین کے ناموں پر رکھا کرتے تھے۔ اب بھلا کون کہیں سے ثابت کرسکتا ہے کہ اس مریم کے کسی بھائی کا نام ہارون تھا

اور اس کے باپ کا عمران ۔ پھر کیونکر کوئی مریم ہارون کی بہن اور عمران کی بیٹی کو سواموسیٰ کی بہن کے کوئی دوسری مریم مان لے ؟

ان میں مشہورہورہا ہے کہ " ملک الموت کو اس کے اوپر اختیار نہیں ہوا بلکہ وہ حب الہیٰ میں فوت ہوگئیں اور کرم اور کیڑوں کو ان کے جسم پر قبضہ نہیں ملا" مگر اس غلطی کے لئے بھی کوئی عذر نہیں ہوسکتا کیونکہ یہودیوں نے اپنی قوت واہمہ کی بلندی پروازی میں بھی یہ نہیں کہا ہے کہ وہ مریم ایام مسیح تک زندہ رہیں۔

مریم صدیقہ مادر حضرت مسیح کے باب میں قرآن کے درمیان اور بھی بہت کچھ اس قسم کی باتیں ملتی ہیں جو اناجیل اربعہ کے تو برخلاف ہیں پر عیسائیوں کے پرانے قصوں اور افسانوں میں اب تک موجود ملتی ہیں اوروہی قرآن کا ماخذ ہیں ۔ چنانچہ یہ بات ذیل کے بیان سے روشن ہوجائیگی:

سورہ آل عمران رکوع 4 میں مرقوم ہے :جب بولی عورت عمران کی اے رب میں نے نذر کیا تیری جوکچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد سو تو مجھ سے قبول کر۔ تو ہے اصل سنتا جانتا ۔ پھر جب اس کو جنی اے رب میں نے یہ لڑکی جنی اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا بڑھانا اور سپرد کی زکریا کو جس وقت آتا اس پاس زکریا یا حجرے میں پاتا اس پاس کچھ کھانا۔ بولا اے مریم کہاں سے آیا تجھ کو یہ ؟کہنے لگی یہ اللہ کے پاس سے ۔ اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس۔

بیضاوی اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ عمران کی عورت ضعیفہ تھی اور بانجھ ایک دن اس نے کسی پرندے کو دیکھا کہ اپنے بچوں کو بھراتا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے دل میں اولاد کی آرزو اٹھی اور اس نے خدا سے اولاد مانگی اور کہا اے خدا اگر تو مجھ کو اولاد دے تو چاہے لڑکا ہو یا لڑکی میں اسے تیری ہیکل بیت المقدس میں نذر کرونگی چنانچہ خدا نے اس کی دعا قبول فرمائی اور وہ حاملہ ہوئی اور بیٹی جنی جو یہی حضرت مریم تھیں۔

جلال الدین لکھتا ہے کہ چند سال بعد حضرت مریم کی ماں کا نام حنہ تھا ان کو لے کر ہیکل میں آئیں اور کاہنوں کے سپرد کردیا۔ کاہنوں نے ان کو قبول کرکے زکریا کو ان کی محافظت کے واسطے مقرر کیا اور ان کو ایک حجرے میں رکھا۔ ان کے پاس کسی شخص کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی ولیکن فرشتہ ان کی پرورش کرتا تھا۔

یہ ذکر اسی سورہ میں یوں مرقوم ہے ۔یعنی جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں سے اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے یہ خبریں غیب کی ہیں ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے۔ جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا مرتبے والا دنیا میں اور آخرت میں اور نزدیک والوں میں اور باتیں کرے گا لوگوں سے جب ماں کی گود میں ہوگا اور جب پوری عمر کا ہوگا اور نیک بختوں میں ہے۔ بولی اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا کسی آدمی نے کہا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب حکم کرتا ہے ایک کام کو تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہووہ ہوجاتا ہے " آل عمران 5 اور یہ جو یہاں قلموں کے ڈالے جانے کے بارے میں لکھا ہے اس کی نسبت بیضاوی وجلال الدین لکھتے ہیں کہ زکریا اور 26 کاہن اور تھے جن میں ہر ایک چاہتا تھا کہ حضرت مریم کا محافظ وہ ہو۔ وہ لوگ دریائے یردن کے کنارے گئے اور وہاں پانی میں اپنے اپنے قلم پھینک دیئے ۔ سوائے زکریا کے قلم کے سب کے قلم ڈوب گئے۔ اس لئے وہی حضرت مریم کی محافظت پر مقرر ہوا۔

سورہ مریم رکوع 2 میں یوں مرقوم ہے ۔

1. وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا
2. فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا
3. قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَن مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا
4. قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا
5. قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا
6. قَالَ كَذَلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا
7. فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا
8. فَأَجَاءهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا
9. فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا
10. وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا

11. فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا

12. فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا

13. يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا

14. فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا

15. قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا

ترجمہ یعنی اور مذکور کر کتاب میں مریم کا جب کنارہ ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں۔ پھر پکڑلیا ان سے درے ایک پردہ۔ پھر بھیجا ہم نے اس پاس ایک فرشتہ ۔پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا۔ بولی مجھ کو رحمان کی پناہ تجھ سے اگر تو ڈر رکھتا ہے ۔ بولا میں تو بھیجا ہوں تیرے رب کا کہ دہ جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھیرا ۔ بولی کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور چھوا پر آسان ہے اور اس کو ہم کیا چاہیں لوگوں کو نشانی اور مہر ہماری طرف سے اور ہے یہ کام ٹھہر چکا ۔ پھر پیٹ میں لیا اس کو پھر کنارہ ہوئی اس کو لے کر ایک پرے مکان میں۔ پھر لے آیا اس کو جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں۔ بولی کسی طرح میں مر چکتی اس سے پہلے اور ہوجاتی بھولی بسری ۔ پھر آواز دی اس کو اس کے نیچے سے غم نہ کھا۔ کردیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ اور ہلا اپنی طرف کھجور کی جڑ اس سے گرینگی تجھ پر پکی کھجوریں۔ اور اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ سو کبھی تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیئو میں نے مانا ہے رحمان کا ایک روزہ پس بات نہ کرونگی آج کسی آدمی سے ۔ بھر لائی اس کو اپنے لوگوں پاس گود میں۔ بولے اے مریم تو نے کی یہ چیز طوفان ۔اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار ۔ پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو ۔ بولے ہم کیونکر بات کریں اس شخص سے جو گود میں ہے؟ وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو نبی کیا ہے ۔

اب ہم دکھلاتے ہیں کہ مقدسہ مریم کا قصہ جو قرآن اور پرانی تفسیروں میں لکھا ہوا ہے اصلی انجیلوں سے تو لیا نہیں گیا مگر بعض اور کتابیں مذہبی افسانوں کی ہیں جو اگلے وقتوں میں جاہل اور نادان عیسائیوں کے درمیان مروج رہی ہیں اور اب تک موجود ہیں ان میں یہ سارے کا سارا قصہ لکھا ہوا ہے ۔ یونانی کتاب پرُو تو نجیلیون یعقوب صغیر کی فصل 3،4،5 کے مضمون کا ترجمہ اردو کے موافق حسب ذیل ہوتا ہے ۔

"اور حنہ نے جو آسمان کی طرف نظر کی تو غار کے درخت میں کنجشک کا گھونسلا دیکھا اور اپنے دل میں کڑھ کر فریاد کی حیف مجھ پر ا۔ میں کس چیز کی مثال ٹھہری ہوں؟ ہوا کے پرندوں کی مانند تو میں ہوں نہیں۔ وہ بھی اے خداوند تیرے حضور صاحب اولاد ہیں۔" فوراً خدا کا فرشتہ آکھڑا ہوا اور بولا" اے حنہ اے تیرے خداوند خدا نے تیری دعا قبول فرمائی ۔ تو حاملہ ہوگی اور بچہ جنیگی اور تیری نسل تمام عالم میں مشہور ہوگی۔"حنہ نے کہا" مجھ کو اپنے خداوند خدا کی قسم جو حی ہے کہ جو کچھ میرے پیٹ سے پیدا ہوگا لڑکا یا لڑکی میں اس کو خداوند خدا کی نذر کردونگی ۔ کہ وہ تمام عمر اس کی خدمت بجا لادے۔ ----اور جب اس کے مہینے پورے ہوئے تو نویں ماہ جنی ----اور اپنے بچہ کو دودھ پلایا اور نام اس کا مریم رکھا۔

کتب موضوعہ میں سے ایک عربی کتاب بھی ہے جس کا نام ہے قصة نیاحة انبیا القدیس الشیخ النجار۔ اس کی فصل سوم میں حضرت مریم کے باب میں یوں مرقوم ہے ابجا تھا قد موھاالی الھیکل وھی ابنة ثالث سنین واقامت فی ھیکل الرب تسعة سنین حنید لمارایٰ الکھنة العذرا القدیسة الخائفة من الرب قد نشانات خاطبراً بعضھم بعض قائلین سل عن رجل صدیق یخاف من اللہ تو قود عواعند لامریمہ الی زمان العرس لئلا تبقی فی الھیکل یعنی اس کے والدین نے اس کو ہیکل میں نذر کردیا۔ اس وقت اس کی عمر تین سال کی تھی اور وہ خدا کی ہیکل میں نو برس تک رہی ۔ پھر جب کاہنوں نے دیکھا کہ وہ بتولہ مقدسہ خداوند کے خوف میں بڑھتی ہے تو انہوں نے ایک دوسرے سے یوں کہا کہ ہم کسی مرد صالح کو تلاش کریں جس کو خدا کا خوف ہوتا کہ مریم کو اس کی کفالت میں وقت عروسی تک دے دیں کہ وہ ہیکل میں نہ رہے ۔" پھر کتاب پرو تو نجیلیوں کی فصل 7و8و9و11و میں حضرت مریم کا ہیکل میں نذر ہو کر کاہنوں کے سپرد کئے جانے کا قصہ اس طرح آیا ہے ۔

"کاہن نے اس قبول کیا اور بوسہ دے کر اس کو برکت دی اور کہا کہ خداوند خدا نے تیرے نام کو روئے زمین کی ساری قوموں کے درمیان مبارک کیا۔ خداوند خدا تیرے وسیلہ سے آخری زمانہ میں بنی اسرائیل کی نجات ظاہر کریگا۔ اور مریم خداوند کی ہیکل میں قمری کی مثال رہتی تھی اور فرشتے کے ہاتھ سے غذا پائی تھی۔ جب اس کی عمر 12 برس کی ہوئی کاہنوں نے اپنی مجلس جمع کی اور وہ بولے دیکھو مریم نے خداوند کی ہیکل میں بارہ برس گذارے ۔اب کیا کرنا چاہیئے۔

ہیکل کے جوار میں عورت کا ایام سے ہونا سخت ممنوع تھا۔ایسی حالت میں عورت کو ہیکل کے اندر قدم رکھنا بھی شرعاً حرام تھا۔

فوراً خدا کا فرشتہ حاضر ہوا اور بولا اے زکریا اے زکریا باہر جا اور قوم میں سے ان لوگوں کو جمع کر جو رنڈوے ہوگئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی چھڑی اپنے ساتھ لادے۔ ان میں سے جس کسی پر خداوند کوئی اپنا نشان ظاہر کرے اسی کی وہ بیوی ہوگی۔ چنانچہ تمام نواحی یہودیہ میں نقیب نکلے اور ہیکل کی قرنائے بجائی گئی اور سب لوگ دوڑے۔ یوسف بھی اپنا بسولا چھوڑ کر عبادت گاہ کی طرف کی طرف دوڑا اور جب سب لوگ فراہم ہوگئے تو کاہن کے پاس آئے کاہن نے ان سب کی چھڑیاں لے لیں اور ہیکل میں داخل ہوگیا اور وہاں دعا کی۔ جب دعا ختم ہوئی تو باہر نکلا اور ہر شخص کی چھڑی اس کو دے دی مگر ان میں کوئی بھی نشان نہیں تھا لیکن یوسف نے سب سے پہلے پیچھے اپنی چھڑی لے لی اور اس وقت اسکی چھڑی کے اندر سے ایک فاختہ برآمد ہوئی اور یوسف کے سر پر اڑنے لگی۔ کاہن نے اس سے کہا کہ تو قرعہ کے ذریعہ سے منتخب ہوگیا کہ خداوند کی بتولہ کو اپنی حفاظت میں لے اور بطور امانت اپنے پاس رکھے۔۔۔۔۔ یوسف ڈرا اور اس نے کس کو اپنی امانت میں قبول کرلیا۔۔۔۔۔ پھر مریم نے ہاتھ ٹھلیا لی اور باہر نکلی کہ پانی بھر لادے۔ اتنے میں اس نے ایک آواز سنی جو کہتی تھی تجھ پر سلام اے تو جس پر فضل ہوا خداوند تیرے ساتھ ہے۔ تو عورتوں کے درمیان مبارک ہے۔ وہ اپنے داہنے اور اپنے بائیں دیکھنے لگی کہ آواز کہاں سے آتی ہے۔ اس کے جسم پر لرزہ تھا۔ وہ الٹے پاؤں اپنے گھر کو بھاگ گئی اور ٹھلیا رکھ دی۔۔۔۔۔ اور اپنی کرسی پر جا بیٹھی۔۔۔۔۔۔فوراً فرشتہ خدا کا فرشتہ اس کے پاس حاضر ہوا اور بولا اے مریم مت ڈر کیونکہ خداوند کے حضور تجھ پر فضل ہوا ہے۔ تو اس کے کلمہ سے حاملہ ہوگی۔ مریم یہ سن کر فکر میں پڑگئی اور بولی کیا میں حاملہ ہونگی جس طرح عورتیں حاملہ ہوتی ہیں؟ فرشتہ بولا اے مریم اس طرح نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا سایہ تجھ پر ہوگا۔ اس وجہ سے وہ مقدس بچہ خدائے بزرگ کا فرزند کہلائیگا اور تو اس کا نام عیسیٰ رکھیو۔"

مقدسہ مریم کی ہیکل میں رہنے کی حکایت اور کتابوں میں بھی مندرج ہے خصوصاً بعض قبطی کتابوں میں مثلاً ایک کتاب میں جس کا نام سیرت بتولہ ہے لکھا ہے کہ جب حنہ نے مریم کو ہیکل میں داخل کردیا تو وہاں قمریوں کی مانند پرورش پانے لگی اور خدا کے فرشتے آسمان سے اس کے لئے غذا لاتے تھے اور جب وہ ہیکل میں عبادت کرتی تو فرشتے اس کی تعظیم کرتے اور اکثر اس کے واسطے درخت حیات کے پھل بھی لاتے تھے کہ وہ خوشی سے انہیں کھالے۔" ایک اور قبطی کتاب بنام حکایت خلت یوسف ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ " مریم ہیکل میں رہتی رہی اور وہاں کی پاکی کے ساتھ عبادت کرتی تھی اور بڑی ہوتی جاتی تھی حتیٰ کہ وہ 12 برس کے سن کو پہنچی۔ تین برس تک وہ اپنے والدین کے گھر میں رہی اور 9 برس تک کے خداوند کی ہیکل میں۔ پھر جب کاہنوں نے دیکھا کہ وہ کنواری پرہیزگاری سے زندگی بسر کرتی اور خدا کے خوف میں رہتی ہے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم کسی نیک مرد کو تلاش کریں اور اس کے ساتھ اس کو منسوب کردیں جب تک کہ شادی کا زمانہ نہ پہنچے ۔۔۔۔۔ انہوں نے فوراً آل اسرائیل کو طلب کیا اور ان میں سے 12 قبیلیوں کے نام کے موافق 12 آدمی منتخب کئے۔ تب قرعہ اس پیر نیک خصال یعنی یوسف کے نام پڑا۔"

پھر جب حضرت مریم حاملہ ہوئیں تو لوگ ان کو یوسف کے ہمراہ کاہن کے روبرو لائے اور شکایت کی۔ چنانچہ پروتونجیلوں کی فصل 15 میں یہ مرقوم ہے:

"کاہن نے کہا اے مریم تو نے یہ کیا کیا؟ کاہے کو تو نے اپنی روح کو پست کیا اور اپنے خداوند خدا کو بھول گئی؟ تو جس نے پاکترین جگہ میں پرورش پائی۔ فرشتوں کی خوراک کھائی روحانی نغمے سنے اور خدا کے حضور وجد میں رہا کی تو نے یہ کیا کیا؟ اس پر مریم پھوٹ پھوٹ کر روئی اور بولی مجھ کو اپنے خداوند کی قسم جو حی ہے کہ میں اس کی آنکھوں میں پاک ہوں اور کسی مرد کو نہیں جانتی۔

پھر لکھا ہے کہ یوسف اور مریم دونوں ناصرۃ سے بیت لحم کو گئے اور وہاں سرائے میں جگہ نہ ملی تو ایک غار میں جا کر رکے اور وہیں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے چنانچہ فصل 18 میں مرقوم ہے۔

"وہاں یوسف کو ایک غار ملا اور وہ مریم کو اس کے اندر لے گیا اور مجھ یوسف نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہ ششدر ہے۔ میں نے قطب فلک پر نگاہ ڈالی۔ دیکھا کہ وہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔ ہوا کے پرندے جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر میں نے زمین کو دیکھا کہ ایک بڑا برتن دھرا ہوا ہے اور لوگ جھکے ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھ برتن میں جیسے تھے ویسے ہی رہ گئے۔ جو لوگ کھا رہے تھے وہ کھاتے نہیں جو اٹھا رہے تھے وہ اٹھا نہیں سکتے۔ جو اپنے منہ میں کچھ ڈال رہے تھے وہ ڈالتے نہیں بلکہ ان سب کے منہ اوپر کی طرف تک رہے ہیں میں نے دیکھا کہ بھیڑیں جارہی ہیں اور چلتے چلتے ٹھٹک گئیں۔

چرواہے نے ہنکانے کے لئے ہاتھ اٹھایا لیکن اس کا ہاتھ اوپر ہی رہ گیا۔ میں نے دریا کی لہر کی طرف نگاہ کی۔ دیکھا بکری کے بچے پانی پر منہ ڈالے رہ گئے اور پیتے نہیں اور ایک لمحہ میں ہر شے اپنے معمول سے بدل گئی۔

واضح ہو کہ اسی حکایت کی بنا پر وہ افسانہ بنایا گیا ہے جو روضتہ الاحباب میں حضرت محمد صاحب کی ولادت کی نسبت مندرج ہے کہ کیسے کیسے عجائب اس وقت ظاہر ہوئے تھے۔

اور وہ جو سورہ مریم میں درختِ خرما کی بابت لکھا ہے جس نے اپنا میوہ حضرت مریم کو دیا وہ بھی ایسی ہی ایک مصنوعی کتاب میں مرقوم ہے جس کا نام تولد مریم وطفولیت مسیح ہے چنانچہ اس کی 20 فصل ہم ذیل کا اقتباس کرتے ہیں۔

" سفر کرنے بعد تیسرے دن یہ واقع ہوا کہ مریم بیابان میں آفتاب کی تیزی کے باعث تھک گئیں اور جب ایک درخت دیکھا تو یوسف سے بولیں ذرا اس درخت کے سایہ میں دم لے لیں۔ تب یوسف بڑھا اور ایک کھجور کے نزدیک ان کو پہنچایا اور سواری سے اتارا۔ جب مریم وہاں بیٹھیں اور انہوں نے کھجور کی طرف سر اٹھا کر دیکھا کہ پھلوں سے لدی ہوئی ہے تو یوسف سے بولیں جی چاہتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس درخت کا میوہ دکھاؤں۔ یوسف نے کہا مجھے تمہارے کہنے پر تعجب ہوتا ہے۔ دیکھتی ہو کھجور کی ڈالیاں کتنی اونچی ہیں مجھے تو اس وقت پانی کی فکر لگی ہوئی ہے کیونکہ ہماری مشکوں کا پانی چک گیا اور یہاں کوئی جگہ نہیں جہاں سے ہم اپنی مشکیں بھریں اور پیاس بجھائیں۔ اتنے میں بچے عیسیٰ نے جس کا چہرہ شاد تھا اور جو اپنی ماں مریم بتولہ کی گود میں تھا کھجور سے کہا اے کھجور اپنی ڈالیوں کو جھکا اور میری ماں کو اپنے پھلوں سے تازہ کر۔ اس سخن کے کہتی ہی کھجور نے اپنا سر مریم کے کف پا تک جھکا دیا اور سب لوگوں نے اس کو پھلوں کو توڑا اور سیر ہوئے پھر جب اس کے پھل توڑ لئے گئے درخت ویسا ہی جھکا ہوا انتظار میں رہا کہ جس شخص کے حکم سے جھکا تھا اسی کے حکم سے پھر اٹھے۔ تب عیسیٰ نے اس سے کہا اے کھجور اٹھ اور توانا ہو اور میرے درختوں کی ساتھی ہو جو میرے باپ کے بہشت میں لگے ہوئے ہیں لیکن تو اپنی جڑوں میں سے اس چشمہ کو جو زمین میں چھپا ہوا ہے نکال اور کھول دے کہ پانی اس کا ہم لوگوں کی تسکین کی خاطر جاری ہوجائے۔ کھجور اسی وقت سیدھی ہو گئی اور ایک پانی کا چشمہ بہت ہی صاف شفاف اور سرد اس کی جڑوں سے پھوٹ نکلا

اور جب ان لوگوں نے پانی کے چشموں کو ابلتے دیکھا تو بڑی خوشی کی اور شادمان ہوئے اور اس سے وہ اور ان کے چار پائے اور ان کے خادم سب خوب سیراب ہوئے اور سبھوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اب جو قصہ قرآن میں مندرج ہے اور اس قصہ میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ قرآن کے موافق یہ کرامات وقت تولد مسیح ظہور میں آئیں اور اس افسانہ کے موافق اس وقت جب یوسف ومریم بعد تولد مصر کی طرف سفر کررہے تھے۔

تیسرا قصہ طفولیت حضرت مسیح۔سورہ آل عمران رکوع 5 میں لکھا ہے کہ قبل ولادت مسیح فرشتہ نے ان کی نسبت بشارت دی تھی ترجمہ: باتیں کرے گا لوگوں سے جب ماں کی گود میں ہوگا۔۔۔ میں آیا ہوں تم پاس نشان لے کر تمہارے رب کا کہ میں بنادیتا ہوں تم کو مٹی کی صورت جانور کی پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ ہوجاوے اڑتا جانور اللہ کے حکم سے" اور سورہ مائدہ رکوع 15 میں لکھا ہے۔

إِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِىءُ الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوتَى بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْهُمْ إِنْ هَـذَا إِلاَّ سِحْرٌ مُّبِينٌ

یعنی جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب مدد کی میں نے تجھ کو روح پاک سے۔ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھلائی میں نے تجھ کو کتاب اور پکی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے پھر دم پھونکتا اس تو ہوجاتا جانور میرے حکم سے اور چنگا کرتا ماں کے پیٹ کے اندھے اور کوڑھی میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا مردے میرے حکم سے اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لایا ان پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں اور کچھ نہیں یہ جادو ہے صریح۔

واضح ہو کہ یہ سب باتیں بھی انجیل سے نہیں بلکہ اسی قسم کی جعلی وموضوع کتابوں سے لی گئی ہیں۔ جو کچھ ہم دکھلا چکے ہیں اس سے عیاں ہے کہ عیسیٰ کا بچپن میں گھہوور کے ساتھ کلام کرنا اس گمان کی بنیاد ہے کہ آپ گھوارہ میں باتیں کرتے تھے۔ اب رہا ان کا معجزہ مٹی کے پرند میں جان ڈال دینے کا سو وہ بھی اس یونانی کتاب سے لیا گیا ہے جو بشارت تومائے اسرائیلی کہتے ہیں۔ اس کی فصل دوم میں یوں لکھا ہے۔

یہ " طفل عیسیٰ پانچ برس کا تھا کہ سرراہ ایک گدلے چشمے کے کنارے پر کھیل رہا تھا۔ وہ بہتے پانی کو حوضوں میں جمع کردیتا اور پھر محض ایک لفظ کے زور سے ان کو آن کی آن میں پاک اور خالص کرڈالتا اور وہ اس کے کلام کی اطاعت کرتے تھے۔ پھر اس نے تھوڑی سے مٹی گیلی کی اور 12 چڑیاں بنائیں اور یہ روز سبت کا روز تھا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے لڑکے کھیلتے تھے۔ ایک یہودی نے دیکھا کہ عیسیٰ سبت کے روز کھیل رہا ہے ۔ وہ فوراًان کے باپ یوسف کے پاس گیا اور بولا دیکھ تیرا لڑکا چشمہ کے کنارے پر ہے اور مٹی لے کر اس نے 12 چڑیاں بنائی ہیں اور سبت کی حرمت نہیں کرتا۔ یوسف اس جگہ آئے اور دیکھا۔ انہوں نے ڈانٹ کر کہا تو کیوں سبت کے روز وہ کام کرتا ہے جو جائز نہیں عیسیٰ نے تالی بجادی اور چڑیوں کو آواز دے کر کہا اڑجاؤ۔ چڑیاں اڑیں اور چوں چوں کرتی ہوئی چل دیں۔ جب یہودیوں نے یہ دیکھا تو حیران رہ گئے اور وہاں سے جا کر اپنے بزرگوں سے بیان کیا جو عیسیٰ کو کرتے دیکھا تھا۔ اور یہی سارا قصہ اس عربی کتاب میں بھی ملتا ہے جس کا نام انجیل طفولیت مسیح ہے جو اس کی فصل 36 میں اور کچھ فرق کے ساتھ فصل 46 میں مندرج ہے جس میں یہ قصہ اسی کتاب بشارت تومائے اسرائیلی سے ماخوذ ہوا ہے۔

اور حضرت عیسیٰ کے گھوارہ میں کلام کرنے کی نسبت جو سورہ مریم رکوع 2 میں لکھا ہے کہ جب حضرت مریم کی قوم نے ان کو ملامت کی تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کرکے کہا اس سے پوچھ لو تو وہ بولے " ہم کیونکر بات کریں اس شخص سے کہ وہ گود میں لڑکا ہے "اور اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ نے کہا " میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اس نے کتاب دی اور مجھ کو نبی کیا " سو واضح ہو کہ عربی کتاب انجیل طفولیت مسیح فصل اول میں یہ اس طرح وارد ہوا ہے ۔ قدو جد نافی کتاب یوسیفوس رئیس الکھنہ الذی کان علی عھد المسیح وقد قال اناس انہ قایافا قال ھذا ان یسوع تکلمہ وھو حین کان فی المھد وقال لمریمہ امہ فی انا ھو یسوع ابن اللہ الکلامہ الذی ولد تنی کما بشرک جبرائیل الملاک وابی ارسلنی لخلاص العالمہ یعنی یوسیفوس سردار کاہن جو مسیح کے زمانہ میں گذرا جس کو لوگ کہتے ہیں کہ قیافا اسی کا نام تھا اس کی کتاب میں ہم کو ملتا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ عیسیٰ نے باتیں کیں جس وقت کہ وہ گھوارہ میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ یہ تحقیق میں عیسیٰ خدا کا بیٹا ہوں اور میں وہ کلام ہوں جس کو تو جنی جیسا کہ جبرائیل فرشتہ نے تجھ کو بشارت دی تھی اور میرے باپ نے مجھ کو بھیجا ہے کہ میں عالم کو نجات بخشوں۔

اس کا قرآن سے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت نے صرف ان الفاظ کو جو یہاں عیسیٰ سے منسوب کئے گئے اپنے اعتقاد اور تعلیم کے موافق تبدیل کرڈالا ہے مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ حضرت نے اس حکایت کے لب لباب کو اسی جعلی کتاب کی روایت سے اخذ کیا ہے اب اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیسے ہوا ؟ تو ہم کہینگے کہ نہائت آسانی سے کیونکہ یہ کتاب قبطی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوئی تھی اور جب ماریہ قبطیہ حضرت کی خدمت میں رہی تو پھر کس شک ہے کہ حضرت نے اس قصہ کو اس عورت سے خوب سن سمجھ کر کوئی سچا قصہ باور کیا اور اس میں تھوڑا سا رو بدل کرکے قرآن میں داخل کرلیا۔ مگر وہ قصہ فی نفسہ باطل ہے اور سچ ہو ہی نہیں سکتا۔ عین اس کے خلاف انجیل یوحنا باب 2آیت 11 میں لکھا ہے کہ وہ معجزہ جو آپ نے تیس برس کی عمر میں قانائے جلیل میں دکھلایا آپ کا پہلا معجزہ تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بچپن میں آپ نے کوئی معجزہ نہیں دکھلایا۔ ان معجزوں کے سوا جن کا ذکر ہوچکا یا معجزہ نزول مائدہ جس کا ذکر ہم ابھی کرنے والے ہیں اور جملہ معجزات حضرت مسیح کے جن کا ذکر قرآن میں آیا واقعی حق ہیں کیونکہ ان کی تصدیق صحف اناجیل سے ہوتی ہے۔

1. إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاء قَالَ اتَّقُواْ اللّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ
2. قَالُواْ نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَن قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ
3. قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاء تَكُونُ لَنَا عِيداً لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ
4. قَالَ اللّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لاَّ أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ

ترجمہ: یعنی جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تیرے رب سے ہوسکے کہ اتارے ہم پر خوان بھرا آسمان سے ؟ بولا ڈرو اللہ سے اگر تم کو یقین ہے۔ بولے ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس میں سے اور چین پائیں ہمارے دل اور ہم جانیں کہ تو نے ہم کو سچ بتایا اور رہیں ہم اس پر گواہ بولا عیسیٰ مریم کا بیٹا اے اللہ رب ہمارے اتارا ہم پر خوان بھرا آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو اور نشانی تیری طرف سے اور روزی دے ہم کو اور تو ہے بہتر روزی دینے والا۔ کہا اللہ نے میں اتارونگا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے اس پیچھے تو میں اس کو وہ عذاب کرونگا جو نہ کرونگا کسی جو جہان میں۔"

یہ ایک ایسا معجزہ بیان کیا ہے جس کا ذکر کسی موجودہ مسیحی کتاب میں نہیں ملتا۔ مگر اس قصہ کی اصل وہ واقعہ معلوم ہوتا ہے جو انجیل مرقس باب 14 آیت 17و25 و حضرت متی باب 26 آیت 20 تا 29 و حضرت لوقا باب 22 آیت 14 تا 37 اور حضرت یوحنا باب 13 آیت 1 تا 30 میں مرقوم ہے جس میں ذکر عشائے ربانی کا ہے۔ یعنی وہ کھانا جو خداوند مسیح نے اپنی دنیاوی زندگی کے آخری دن اپنے شاگردوں کو جمع کرکے کھایا گیا جو رسم آج تک تمام جہان کے عیسائیوں کے درمیان اس روز کی یادگار میں پائی جاتی ہے اور جس پر وہ کلام اچھی طرح صادق آتا ہے تکون لنا عید الاولنا اخرنا کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو اور اسی پر وہ کلام صادق آتا ہے کہ جو ناشکری کرے اس کو سخت عذاب ہوگا جیسا کہ مقدس پولوس حواری کے کلام سے ظاہر ہے کہ 1 کرنتھی باب 11 آیت 27و29 مگر قرآنی قصہ میں جو اور مراتب بھی آئے ہیں وہ کسی غلطی پر مبنی ہیں۔ اور شاید اس میں روٹی اور مچھلیوں کے معجزہ کے واقعات بھی اور ممکن ہے کہ جہاں اور وضعی معجزات لوگوں نے بیان کئے تھے جن کی بہت سی مثالیں ہم دے چکے شام یا عرب میں کوئی اس قسم کا بھی قصہ اس وقت زبانی یا کتابی موجود ہو جس کا پورا پتہ اس وقت نہیں لگ سکتا)۔

اسی قسم کی اور باتیں بھی عیسیٰ اور مریم کے بارے میں قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی ماصلیت سے بھی ہم اپنے ناظرین کو خبردار کرنا چاہتے ہیں:۔

سورہ مائدہ رکوع 16 میں ہے وَإِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَـهَيْنِ مِن دُونِ اللّهِ یعنی اور " جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تو نے کہا لوگوں کو ٹھرا مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے "

اور سورہ نساء رکوع 24 میں ہے يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُواْ فِي دِينِكُمْ وَلاَ تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ إِلاَّ الْحَقِّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُواْ بِاللّهِ وَرُسُلِهِ وَلاَ تَقُولُواْ ثَلاَثَةٌ انتَهُواْ خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللّهُ إِلَـهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الأَرْضِ وَكَفَى بِاللّهِ وَكِيلاً یعنی " اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت بولو اللہ کے حق میں مگر بات تحقیق مسیح ہے جو عیسیٰ مریم کا بیٹا رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام جو ڈال دیا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور مت بتاؤ اس کو تین یہ بات چھوڑو کہ بھلا ہو تمہارا۔ اللہ جو ہے سو ایک ہی معبود ہے۔ اس لائق نہیں کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو آسمان وزمین میں ہے اور اللہ ہے کام بنانے والا۔"

اور سورہ مائدہ رکوع 10 میں یہ بھی لکھا ہے " بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین کا ایک اور بندگی کسی کو نہیں مگر ایک معبود کو اور اگر نہ چھوڑینگے جو بات کہتے ہیں البتہ جو ان میں منکر ہیں پاویں گے دکھ کی مار۔"

ان آیتوں سے صاف روشن ہے کہ جیسا جلال الدین و یحیٰ کہتے ہیں حضرت محمد صاحب نے بعض بدعتی عیسائیوں کی نسبت سنا تھا کہ ان کے گمان میں خدا تین ہیں یعنی خدا تعالیٰ اور حضرت مریم اور عیسیٰ یہ تعلیم عیسائی ایمان کے موافق بھی کفر ہے۔ اس کے رد میں بارہا قرآن میں آیا ہے کہ خدا ایک ہی ہے اور جو شخص توریت وانجیل سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ عقیدہ وحدانیت ذات باری تعالیٰ دین عیسوی کی جڑ اور بنیاد ہے چنانچہ توریت کتاب استثنا باب 6 آیت 4 میں کس قدر صاف لکھا ہے سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ اور انجیل مرقس باب 10 آیت 29 میں حضرت مسیح نے اسی آیت کا حوالہ دے کر بڑی تاکید سے اس آیت کی تصدیق فرمائی اور کوئی کلام نہیں کہ قرآن میں جو لکھا ہے الھمہُ الہ واحد یعنی " تمہارا اکیلا رب ہے۔" یہ کچھ نہیں مگر توریت وانجیل کے نعرہ توحید کی ایک آواز بازگشت ہے۔ کوئی سچا مسیحی ہرگز ہرگز حضرت مریم کی الوہیت کا قائل نہیں

ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ عیسائی کلیسیا کے بعض فرقوں میں حضرت مریم کی تعظیم وتکریم بڑے مبالغہ کے ساتھ جاری ہوگئی اور بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی جو حکم خدا کے صریح خلاف اور کتاب مقدس کی عین ضد میں ہے مگر اس باطل خیال کی کچھ تائید ان جعلی کتابوں سے ہوتی ہے جن کے مضامین سے حضرت محمد صاحب نے ان قصوں کو حاصل کیا جن کا ذکر قرآن میں وارد ہے۔

سورہ نساء رکوع 22 میں یہودیوں کی بابت لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَـكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُواْ فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلاَّ اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔

یعنی "ہم نے مارا عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا اور نہ اس کو مارا ہے اور نہ سولی پر چڑھایا ولیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور اس کو مارا نہیں بیشک بلکہ اس کو اٹھالیا اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔" جیسا عموماً مسلمانوں کا خیال 1* ہے اگر یہاں دراصل مسیح کے

1* مولوی محمد احسن صاحب امروہوی کہتے ہیں کہ قرآن اس بارے میں انجیل کے خلاف نہیں ہے بلکہ دراصل مسیح کا مصلوب ہونا اور وفات پانا برحق ہے چنانچہ اس جاہم ان کو فارسی کتاب التاویل الحکم فی متشابہ فصوص الحکم سے کچھ اقتباسات سے نقل کرکے دکھلاتے ہیں کہ اس محمدی عالم نے انجیل کے بین کو قرآن سے کس طرح مطابق کیا ہے۔

آں جناب را بردار کشیدند ------ پس مسیح علیہ السلام باوجودیکہ نوجوان بوو ند خود بنفسہ جان را بحق سپرد کہ کسے اور ادیگر قتل نکروزیرا بردار تا نسبت سی روز آدمی زندہ مے ماندہ بہمراہ آنجناب دو زودان را بردار کشیدہ بووند و بصبح روز یکہ بردار کشیدہ بووند سبت بود خواستند کہ ہر سہ استخواں خارج کردہ بکشندہ تا بروز سبت کلاں آدیختہ نمانند پس دو زواں را استخواں شکستہ کشتندہ چوں نزد مسیح آمد نارمردہ یافتند لیکن سنانے وپہلویش زوند کہ ازاں خون برآمد پس آناں گفتند کہ ما اور مصلوب اگرچہ ماخوذ از صلب بالضم بمعنی دار ہم مے آید لیکن از صلب درینجا بالفتح بمعنے اخراج استخوان ماخوذ ست کہ اصحاب صلب بفتح صاد آنانند کہ اخراج کنند استخوان راد جمع نمایند ہر گز نہ قتل کروند یہودیان اور ابلکہ خود بخود جان بحق سپرد ونہ صلب بفتح کروند۔ استخوان نکشیدند ولیکن مشابہ مصلو باں بمعنی استخوان شکستگان کردہ شد قتل نکروند یقیناً بلکہ آنجناب رادر برقبر کروند درشب سبت کہ بصبح اور سبت شد وبشب یکشنبہ از قبر حسب تفریح کتب سابقہ وپیشن گوئی باوجود پاسبانان کہ برائے حفاظت ایساتدہ کروہ بوند بر حوارئین ظاہر شد --- پس در نصاریٰ در نصاریٰ اور مقدمہ مسیح اختلاف اوفتادہ کسا نیکہ حیات دائمی مسیح در مجموعہ توریت نسبت آنجناب دید ند گفتند کہ بصورت مسیح یہود امصور شد حلانکہ یہود مردود ایک روز قبل بردار کشیدہ شدہ بود وبعض گفتند کہ روح مسیح زندہ است وجسم ادا استخوان شکستہ شدوایں اختلاف نصاریٰ حق تعالیٰ رو فرمود کہ کسا نیکہ اختلاف کردہ اندر مقدمہ مسیح ایشان راعلمے نیست ورشک وتردہستند کہ تخمینہ مے گویند مفسرین قرآن مجید از تفصیل مطلع کمتر شدہ قول نصاریٰ اختیار کروندہ خود در قرآن مجید مردود است کہ یہودا العوض مسیح کشتہ شدہ ---- وآیہ فلما توفیتنی وانی متوفیکہ صریح وال بر موت آنجناب درانا جیل ست وروایت معطلحہ بن علی ازا ابن عباس وروایت وہب چنا نکردہ معالم است ناظریرین ست وبعد از نزول سورہ نساء حضرت حاطب بن بلعتہ بطور قاصد نامہ مبارک نام مقوقس والی اسکندیہ بردندہ چوں مقوقس معترض شدہ کہ صاحب شما نبی است چرا از خدا نخست کہ بردار فرنتی ؟ چنانچہ از استعیاصاب درمدارج النبوۃ نقل کروپس معلوم شد

جب حضرت مسیح کو دار پر کھینچ دیا آپ نے گو آپ نوجوان تھے اپنی خوشی سے اپنی جان خدا کو سونپ دی کسی اور شخص نے ان کو قتل نہیں کیا کیونکہ دار کے اوپر تو لوگ اکثر تین روز تک لٹکتے ہوئے جیتے رہتے تھے۔ حضرت مسیح کے ساتھ دو چور بھی دار پر لٹکائے گئے تھے اور چونکہ دوسری صبح کو سبت کا دن تھا لوگوں نے چاہا تینوں کو ہڈیاں توڑ کر مار ڈالیں کہ عید کے روز وہ لٹکے نہ رہ جائیں پس انہوں نے دونوں چوروں کی ہڈیاں توڑ کر مار ڈالا مگر جب مسیح پاس آئے تو ان کو مردہ پایا تو بھی انہوں نے برچھی اس کے پہلو میں ماری جس سے خون نکل پڑا۔ پس وہ بولے ہم نے اس کو مصلوب کیا یعنی اس کی ہڈیاں توڑیں کیونکہ لفظ مصلوب لفظ صلب سے ہی نکلا ہے جس کے معنی وارد ہیں لیکن اس جگہ وہ لفظ لفظ صلب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ہڈی نکالنا اسی لئے اصحاب صلب سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ھڈیاں نکال نکال کر جمع کرتے ہیں پس قرآن کے معنی یہ ہوئے کہ مسیح کو یہیوں نے ہر گز قتل نہیں کیا بلکہ آپ نے اپنی جان خود بخود دے دی تھی۔ اور نہ انہوں نے آپ کو مصلوب کیا یعنی آپ کی ہڈیاں نہ نکالیں لیکن آپ مصلوبوں یعنی ہڈیاں توڑ دینے والوں کے مشابہ بن گئے آپ کو انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ آپ کو قبر میں رکھ دیا۔ سبت کی شب کو اور صبح ہوتے سبت ہوا اور اتوار کی رات آپ موافق بشارت کتب سابقہ موافق پیشن گوئی کے باوجود یکہ پہرہ آپ کی قبر کی نگرانی کو مقرر ہوا تھا اپنے حوارین پر ظاہر ہوئے اس وجہ سے نصاریٰ کے درمیان اس معاملہ میں اختلاف پڑا جن لوگوں نے مسیح کی حیات دائمی کا حال مجموعہ توریت میں پڑھا تھا انہوں نے کہا یہود امسیح کی صورت پر گیا تھا حالانکہ وہ مردود ایک دن قبل ہی پھانسی پاکر مرچکا تھا بعضوں نے کہا کہ مسیح کی روح زندہ ہے اور جسم کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ نصاریٰ کے اس قسم کے اختلاف کو خدا تعالیٰ قرآن میں ردہ فرماتا ہے جن لوگوں نے مسیح کے معاملہ میں اس قسم کے اختلاف کئے ان کو کچھ علم نہیں ہے بلکہ وہ لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہیں اور اٹکل پنچو بات کہتے ہیں قرآن مجید کے مفسرین بھی چونکہ ان مفصل واقعات سے ناواقف تھے انہوں نے بھی عیسایوں کے اس قول

که صلب درآیه وما صلبوه بالفتح درحسنی استخراج استخوان است چنانکه ورزور از پیشن گوئی دو انجیل بطور بصدیق وارد نه بالضم کر بمعنے وار۔ است کلمه عیسوی) اور نیز کلمه داؤدی میں بیان آیا ہے ۔)	کو قبول کرلیا جو قرآن کے اندر مردو ٹھرایا گیا یعنی کہ یہودا مسیح کے عوض مارا گیا تھا وہ قرآن کی آیت " پس جب تونے مجھ ک ومت دی اور اے عیسیٰ درحقیقت میں تجھ کو موت دونگا حضرت مسیح کی موت پر صریح دلالت کرتی ہیں چنانچہ ایسا ہی بیان انجیلوں میں آیا ہے اور طلحہ بن علی کی روایت جو ابن عباس سے ہے اور رہب کی روایت جو تفسیر معالم میں مذکور ہے اس امر کی شاہد ہیں بعد نزول سورہ نساء جس میں آیت ما صلبوہ وارد ہوئی حضرت حاطیبہ بن بلعتہ (جو بدری صاحبہ میں تھے) آنحضرت کے قاصد ہوکر مقوقس نے ان سے یہ اعتراض کیا کہ اگر تمہارا صاحب نبی ہے تو اس نے کیوں خدا تعالیٰ سے دعا نہ کی کہ اس کو مکہ سے ہجرت نہ کرنا پڑتا ؟ اس پر حاطب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا حضرت عیسیٰ بھی تو نبی تھے انہوں نے کیوں دعا نہ کی کہ دار کھینچے نہ جاتے ؟ چنانچہ کتاب الستعیاب سے مدارج النبوۃ میں نقل ہوا ہے ۔ پس اب معلوم ہوا کہ آیت ما صلبوہ میں صلب زبر کے ساتھ ہے بمعنی ہڈی نکالنا چنانچہ زبور کی پیشن گوئی اور نیز انجیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ۔ وہ لفظ پیش کے ساتھ صلب نہیں ہے جس کے معنی دار ہیں۔

تحقیق اور واقعات تاریخ کے زور نے بلاآخر اہل اسلام کو مجبور کیا وہ اس آیت قرآنی کی کوئی ایسی تاویل کریں کہ قرآن پر سے ایک بڑا اعتراض دفع ہوجائے اور ہمارے نزدیک یہ تاویل قابل قبول اور بہت قرین قیاس ہے ۔ تصلیب مسیح سے انکار تاریخ کے مقابل نہیں ہوسکتا ۔اس پر اناجیل اربعہ گواہ ہیں دشمنان دین مسیحی اہل یہود اس پر گواہ ۔ غیر اہل کتاب رومی قدیم مورخ اس پر شاہد۔ سب ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہی شخص جو عیسیٰ مسیح کہلاتا تھا پلاطوس کی حکومت میں مصلوب ہوا اور یہ بیان عینی مشاہدہ پر مبنی ہے نہ کسی وہم پر۔ مفسرین قرآن جو اس آیت سے عدم

تصلیب کے قائل ہوئے وہ بھی کہتے ہیں کہ شخص مصلوب کی شکل وصورت عیسیٰ کی شکل وصورت سے بدل گئی تھی اور اس حیلہ سے معجزہ کے طور پر اصلی مسیح دشمنوں کے ہاتھ سے بچالئے گئے اور آسمان پر اٹھا لئے گئے ۔ اس میں وہ حقیقی واقعہ تسلیم ہے جس سے شخص مصلوب کا تعین شخص ہوجاتا ہے ۔ اس میں جو وہم وہ پیش کرتے ہیں اس کا ایک ذرہ برابر بھی ثبوت اس دنیا میں عقل سلیم کے روبرو ممکن نہیں۔ پس اگر قرآن کی کوئی معقول تاویل نہیں کی جاتی تو ایسی بڑی زد سے وہ بچ نہیں سکتا۔

مصلوب ہونے کا انکار کیا ہے تو یہ تعلیم قرآن تمام کتب انبیاء وکتب حوارین کے خلاف ہے ۔ مگر بعض بدعتی عیسائیوں کی تعلیم کے موافق بھی ہے ۔ قدیم علمائے مسیحی میں سے ایر نیوس ہم کو مطلع کرتا ہے کہ بسلیدیس جو اگلے زمانہ کے بدعتیوں کا ایک سردار تھا یہی عقیدہ اپنے مریدوں کو سکھلاتا تھا ایرینوس نے بسلیدیس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ شخص حضرت عیسیٰ کی شان میں یہی تعلیم دیتا تھا چنانچہ یہاں اس کی لاطینی عبارت کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے ۔" انہوں نے (عیسیٰ نے) کوئی درد نہیں اٹھایا بلکہ ایک قیروائی شخص تھا بنام شمعون جس کو لوگوں نے مجبور کیا تھا کہ وہ ان کی صلیب کو اٹھا کر لے چلے لیکن اس شخص کی صورت بدل دی گئی کہ لوگ یہ گمان کرلیں کہ عیسیٰ وہی ہے چنانچہ اس نادانی اور دھوکے میں یہ شخص مصلوب کردیا گیا" پس اس ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں حضرت محمد کا عقیدہ بسلیدیس کے مریدوں کا عقیدہ تھا مگر جو شخص مسیح کے مصلوب ہونے کا انکار کرے گا گویا اس نے تمام انبیاء حوارئین کو جھٹلایا کیونکہ انبیاء پہلے ہی سے بشارت دے چکے تھے کہ مسیح موعود اپنی جان نذر کرکے بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ دے گا اور حوارئین گواہی دے چکے کہ ہم حاضر تھے اور ہماری آنکھوں کے دیکھتے ہمارا نجات دہندہ صلیب پر کھینچا گیا مگر آنحضرت نے ازارہ تحقیق اس بات پر تو غور نہیں کیا کہ وہ باطل قول کسی بدعتی کا تھا جو اس کے ایک وہم پر مبنی ہے یعنی یہ کہ حضرت مسیح نے دراصل بشریت کو کبھی قبول نہیں کیا بلکہ جامہ انسانی کو محض نمائشی طور سے پہن لیا تھا جس کا کوئی اصل وجود نہ تھا۔ لہذا ان کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ درحقیقت پیدا ہوں یا درد اور دکھ اٹھائیں یا مصلوب ہوں اور وفات پائیں بلکہ حضرت مسیح کے انسانی بھیس سے لوگوں کو دھوکا پیدا ہوگیا اور انہوں نے کہہ دیا کہ دراصل آپ نے ان تمام باتوں کو گورا کیا۔ یہ فاسد تعلیم سراسر قرآن وانجیل دونوں کے برخلاف ہے کیونکہ حضرت محمد صاحب کو ابھی یہ زیبا نہیں ہوسکتا تھا کہ بسلیدیس کے اوہام کی اس جز کو تو مان لیں مگر اس کے اطل اصول حکمت کو جس کا یہ وہم ایک لازمی نتیجہ تھا رد کریں کیونکہ اگر اس تعلیم کا اصول رد ہوجائے تو وہ عمارت کب ٹھہر سکتی ہے جو اس کی بنیاد پر کھڑی کی گئی ؟ اصول کے ساتھ ہی تمام فروعات ردی ہوجاتی ہیں۔ ظاہراً حضرت نے یہی کیا اور یوں وہ آیت قرآن میں موجود ہوگئی۔

مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے نبی کے منتظر رہیں۔ اس کے ثبوت میں سورہ صف کی آیت اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی جو آوئیگا مجھ سے پیچھے اس کا نام احمد 1*۔

1* اس آیت کے موافق بھی کچھ ضرور نہیں کہ مسلمان انجیل میں اس قسم کی بشارت کو تلاش کریں کیونکہ یہاں نہیں لکھا کہ انجیل میں یہ بشارت ہے۔ پھر اگر انجیل سے اس قسم کی بشارت نکالنے پر اہل اسلام اصرار کریں تو چاہیئے کہ وہ اصل انجیل میں لفظ احمد نکالیں نہ کہ کسی لفظ کی طرف شبہ کریں جس کے معنی احمد یا محمود ہوسکتے ہیں کیونکہ وہ بھول جاتے ہیں کہ قرآن میں نہیں لکھا ہے کہ " خوشخبری سناتا ایک رسول کی جس کے نام کے معنی احمد ہیں " بلکہ اس کا نام ہی احمد ہے اور مسلمانوں نے یہ کرنے کی کبھی کوشش بھی نہیں کی ہے۔

مسلمانوں کو اصرار ہے کہ قرآن میں بشارتِ فارقلیط کی طرف اشارہ ہے پارا قلیطوس کو ذکر انجیل یوحنا باب 14 آیت 16 تا 26 ، باب 5آیت 26 وباب 16 آیت 7 میں آیا ہے۔ جو کوئی غور سے ان ابواب کو پڑھیگا اس پر یہ امر روشن ہوگا کہ ان میں سے کسی آنے والے نبی کا مطلق کوئی ذکر نہیں ہوا۔ حضرت عیسیٰ نے جو کچھ وہاں فرمایا وہ سب روح القدس کے حق میں ہے۔خود ان آیتوں میں سے اس کا بیان ہے اور مسیح کا وہ وعدہ آپ کے آسمان پر صعود فرمانے کے کچھ ہی دن بعد پورا بھی ہوچکا چنانچہ اس امر کی تفصیل کتاب اعمال باب 2آیت 1تا11 میں مندرج ہے۔ ہم بتلاتے ہیں کہ قرآن کو اس باب میں دھوکا ہوا اس کی حقیقت کیا ہے۔ اہل عرب کو لفظ فارقلیط کے معنی معلوم نہ تھے۔ پارا قلیطوس لفظ یونانی ہے اس کے معنی ہیں تسلی دینے والا۔ مگر اس قسم کا ایک اور لفظ یونانی ہے پیریقلیطیوس جس کے معنی ہیں نامدار بہت سراہا ہوا غیر ملک کے اجنبی شخص کے کانوں میں ان دونوں لفظوں کے تلفظ میں فرق کم معلوم ہوتا ہے۔ یہ بہت قرین قیاس ہے کہ کسی عرب کو زبان یونانی سے بخوبی واقف نہ تھا دونوں لفظوں میں التباس ہوگیا اور وہ پارا قلیطوس کو پیریقلیطوس سمجھا اور یوں فارقلیط کا ہم معنی لفظ اس کے ذہن میں آگیا۔ ایک یہ بات بھی مشہور ہے کہ قدیم زمانہ میں شہرہ آفاق مصور مانی 1* جو ایران میں اٹھا جس نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا کہتا تھا کہ میں وہی فارقلیط ہوں جس کی بشارت مسیح نے دی تھی۔ عیسائیوں نے عموماً اس کے دعووں کو رد کیا کیونکہ انجیل میں کسی دوسرے نبی کی بشارت دراصل نہیں ہے۔

1* مانی ایرانی مجوسی تھا۔ ایک عجیب منتخب روزگار شخص اپنے زمانہ کے تمام علوم وفنون کا ماہر یہ حکیم تھا طبیب تھا۔ مصوری وموسیقی میں ید طولیٰ رکھنے والا ارژنگ مانی ضرب المثل ہوگیا ہے۔ یہودیوں کی فقہ وحدیث سے واقف اہل مشرق کے دینی فلسفہ اور تصوف میں رنگا ہوا اس نے دین عیسائی کو قبول کرلیا تھا اور زردشتی مسائل کو عیسوی عقائد کے ساتھ ملاجلا کر ایک نئے دین کو رواج دیا۔ بہت ہی بڑا زاہد متقی وپرہیزگار تھا۔ اس کو الہام ونبوت کا بھی دعویٰ تھا۔ آخر بہرام بن ہرمز بن شاپور نے اس کو قتل کروایا۔ ملل ونحل والے نے بھی اس کا حال اور اس کے فرقہ کا حال لکھا ہے جب یہ دین ایران اور روم سے خارج کیا گیا اور اس کے مرید بہت ستائے گئے تو اکثروں نے سرزمین عرب میں پناہ لی۔ یہ لوگ مسیح کے مصلوب ہونے اور دکھ درد اٹھانے کے منکر تھے اور اس کی حقیقی بشریت کے قائل نہ تھے۔ بسلیدیس کے ہم عقیدہ اس باب میں تھے اور اس کی حقیقی بشریت کے قائل نہ تھے۔ بسلیدیس کے ہم عقیدہ اس باب میں تھے اور قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلمان فارسی وغیرہ جو بعد میں حضرت کے ساتھ مسلمان ہوگئے اسی مافیہ گروہ میں سے تھے۔

بعض احادیث میں مندرج ہے کہ حضرت محمد صاحب نے کہا کہ جب حضرت مسیح آسمان سے دوبارہ نازل ہونگے تو چالیس برس تک زمین میں رہینگے اور جورو کرینگے۔ (عرائس المجالس صفحہ 554) مسلمانوں کی اس غلطی کی اصل بھی ہم سے پوشیدہ نہیں۔ کتابِ مکاشفات باب 19آیت 7تا 9 میں لکھا ہے۔ ہم " خوشی وخرمی کریں اور اس کو عزت دیویں۔ اس لئے کہ برہ کا بیاہ آپہنچا اور اس کی دلہن نے آپ کو سنوارا اور اسے یہ دیا گیا کہ وہ صاف وشفاف مہین کتانی کپڑے پہنے کہ مہین کتانی کپڑے مقدسوں کی راستبازی ہے اور اس نے مجھ سے کہا کہ لکھ مبارک وہ ہیں جو برے کی شادی کے جشن میں بلائے گئے۔

یہاں دلہن کس کو کہا ؟ اس کا جواب اسی کتاب باب 21آیت 2 میں لکھا ہوا ملتا ہے " میں نے شہر مقدس یعنی یروشلم کو آسمان سے دلہن کی مانند جس نے اپنے شوہر کے لئے اپنا سنگار کیا آراستہ ہوئے خدا کے پاس سے اترتے دیکھا۔" اس سے معلوم ہوا کہ دلہن عبارت ہے مقدسوں کی کلیسیا یعنی سچے مسیحیوں کی جماعت سے اس وقت زمین پر موجود ہونگے اور نکاح سے مراد رفاقت واتحاد کلی ہے جو مسیح اور اس کی ناجی امت میں ہوگا پس مسلمانوں کے خیال اور حدیث کی بنیاد محض یہی دھوکا ہے۔

قرآن کی آیت انی متوفیک (آل عمران رکوع 6) کے باب میں حدیث وتفسیر میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت مسیح دوبارہ تشریف لاکر وفات پائینگے یہ امر خلاف صحف مقدس ہے۔ کتاب مکاشفات باب 1آیت 17 و18میں حضرت مسیح کا قول یوں وارد ہوا ہے۔میں اول وآخر ہوں اور زندہ ہوں اور میں موا تھا اور دیکھ میں ابد تک زندہ ہوں۔ آمین عالم غیب وموت کی کنجیاں مجھ پاس ہیں۔" حدیثوں میں جو کچھ مسیح کی وفات کے باب میں ہے۔اس کی اصل کا پتہ بھی لگتا ہے عربی کتاب قصہ نیاحتہ انبیاء القدیس الشیخ یوسف النجار کے باب 31 میں دربارہ حنوخ والیاس جو دونوں زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے مرقوم ہے" یعنی ان کے لئے ضرور ہے کہ وہ دنیا کے آخری زمانہ میں زحمت وخوف وسختی وتنگی کے دن آویں اور مریں اسی طرح ایک موضوع قبطی کتاب جس کا نام حضرت مریم کا سوجانا ہے حنوخ والیاس کے بارے میں لکھا ہے" اور یہ دوسرے جو ہیں ان

پر بھی واجب ہے کہ آخر کار ذائقہ موت کا چکھیں" پس جب حضرت کے اصحاب نے ان کتابوں کے پڑھنے والوں سے اس قسم کی باتیں سنیں تو گمان کرلیا کہ حضرت عیسیٰ بھی ضرور حنوخ والیاس کی طرح موت کا مزا چکھینگے اور چونکہ ان کو یہی یقین تھا کہ آپ بغیر موت آسمان پر تشریف لے گئے تو یہ کہہ دینا ان کے واسطے اور بھی آسان ہوگیا کہ جب مسیح دوبارہ تشریف لائینگے تو کچھ دنوں زمین پر رہ کر وفات پائینگے اور وہ لوگ اب بھی قرآن کی آیت کل نفس ذائقۃ الموت کو اپنے قول کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ ہر جان موت کا مزا چکھیگی (سورہ عنکبوت رکوع 6)۔

چوتھے۔ بعض اور باتوں کا مختصر ذکر عیسائیوں کی کتابوں یا بدعقیدوں کی تصنیفات سے ماخوذ ہیں۔

(1)حدیث میں آیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنا چاہا تو مقرب فرشتوں میں سے ایک ایک کو بھیجا کہ زمین پر سے ایک مٹھی خاک لائیں۔سب کے پیچھے عزرائیل اترے اور اپنا ہاتھ پھیلایا اور روئے زمین پر سے ایک مشت خاک لے آئے اور عرض کیا" اے خدا تجھ کو معلوم ہے کہ میں کیا لایا" (قصص الانبیاء اور ابو الفدا نے کتاب کامل ابن کثیر سے نقل کیا ہے)قال النبی صلعمہ ان اللہ تعالیٰ خلق ادمہ من قبضۃ قبضھا من جمیع الارض ۔۔۔۔ والمامی آدمہ لا نہ خلق من ادیمہ الارض یعنی پیغمبر صلعم نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو مٹھی خاک سے جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی پیدا کیا۔۔۔ اور آدم اس کا نام اسی وجہ سے رکھا گیا کہ اس کی پیدائش ادیم زمین سے ہے ۔ پھر یہ لکھا ہے کہ آسمان سے فرشتہ اترا کہ خاک لادے (جیسا حدیث میں آیا ہے)اور اس نے ایک مٹھی خاک زمین سے مانگی ۔یہ سب کچھ مرقیون نامی یونانی بدعتی شخص کی کتابوں میں موجود ہے چنانچہ یزنیق قدیم ارمنی مصنف نے اسی شخص کی کتاب سے ذیل کا اقتباس کیاہے جس کا ترجمہ ہم درج ذیل کرتے ہیں۔" جب خدائے توریت نے دیکھا کہ یہ جہان خوبصورت ہے تو اس نے پکا ارادہ کرلیا کہ اس سے انسان کو بنادے ۔وہ مادہ کے پاس زمین میں نازل ہوا اور اس سے کہا کہ مجھ کو اپنی خاک میں سے تھوڑی دے اور میں اپنے میں سے روح دونگا۔۔۔ جب مادہ نے اپنی زمین میں سے اسے کچھ دیا تو اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس میں روح پھونک دی ۔ ۔۔۔اسی باعث اس کا نام آدم ہوا کیونکہ خاک سے پیدا کیا گیا تھا۔" رد بد عتہا باب 4) یہ بھی واضح ہو کہ مرقیون کے وہم فاسد کے موافق وہ شخص جس کو خدائے توریت کہا جس جس نے انسان کو آفرینش کی خاطر زمین سے خاک لی تھی ایک فرشتہ ہے کیونکہ ان لوگوں کا قول ہے کہ توریت کا نازل کرنے والا ایک فرشتہ ہے جو خدا تعالیٰ کا دشمن ہے جس کی وہ رب العالمین وخالق مخلوقات اور جہان کا سردار کہتے ہیں۔ ان القاب میں سے جہان کا سردار انہوں نے انجیل یوحنا باب 14 آیت 30 سے حاصل کیا ہے ۔جہاں یہ لقب شیطان کو دیا گیا لیکن مسلمان نافہمی کی وجہ سے اس آیت کو حضرت محمد صاحب پر چسپاں

کرتے ہیں۔ مرقیون یہ بھی کہتا تھا کہ یہ فرشتہ دوسرے آسمان پر رہتا تھا۔ پہلے اس کو خبر نہ تھی کہ خدا تعالیٰ بھی موجود ہے ۔ پھر جب اس کو ذات واجب الوجود کا پتہ لگا تو وہ اس خدائے غیر معروف کا دشمن ہوگیا اور لگا کوشش کرنے کہ انسان خدائے حقیقی کو پہچاننے نہ پاوے اور اس کی عبادت وپرستش نہ کرے ۔ مسلمان بھی بالخصوص عزازیل کی بات یہ کہتے ہیں کہ وہ دوسرے آسمان پر جارہا ۔ اس لئے یہ دونوں خیال آپس میں ایک مطابقت رکھتے ہیں۔ اس عزازیل کا پورا قصہ زردشتیوں کی کتابوں میں ملتا ہے جس کا ذکر پانچویں فصل میں آئے گا۔

(2)سورہ مریم رکوع 5میں وارد ہے :

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّاثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّاثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَى بِهَا صِلِيًّاوَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّاثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا

یعنی سو قسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر بلادینگے ان کو اور شیطانوں کو ۔ پھر سامنے لادینگے گرد دوزخ کے گھٹنوں پر گرے۔ پھر جدا کرینگے ہم ہر فرقے میں سے جو نسا ان میں سے سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہیں جو بہت قابل ہیں اس میں پیٹنے کے اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچیگا اس پر ۔ ہوچکا تیرے رب پر ضرور مقرر پر بچادینگے ہم ان کو جو ڈرتے ہیں اور چھوڑ دینگے گنہگاروں کو اس میں اوندھے گرے۔

اس آیت کے معنی میں مفسرین کو اختلاف ہے ۔ بعض کا قول ہے کہ تمام ایمان داروں کو بھی جہنم سے ہو کر گزرنا ہوگا مگر اس کی آنچ کی لپٹوں سے ان کو ضرر نہ پہنچے گا بعض کہتے ہیں کہ مراد یہاں پل صراط ہے جس پر ہو کر وہ جہنم کے اوپر سے گذر جائینگے ۔ اس پل کا ذکر تو ہم فصل پنجم میں کرینگے مگر اس جگہ ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس آیت کا اشارہ اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچیگا اس پر" شاید بعض عیسائیوں کے اس قول کی طرف ہے جو حضرت مرقس باب 9آیت 49 اور خط بنام اہل کرنتھیوں باب 3آیت 13 کی شرح میں بیان کیا گیا ہے یعنی ایک ایسی جگہ ہے جہاں گنہگار ایمان دار آگ میں اپنے بعض گناہوں سے پاک کئے جائینگے 1*۔ اگر جیسا کہ اہل اسلام کا خیال ہے یہاں پل صراط کی طرف اشارہ ہو تو واضح ہو کہ پل صراط کا خیال عیسائیوں سے نہیں لیا بلکہ زردشتیوں سے جس کا ہم مناسب موقع پر بیان کرینگے ۔

(3) میزان کا ذکر سورہ شوریٰ رکوع 2 اور نیز سورہ قارعہ میں آیا ہے "یعنی اللہ وہ ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین اور ترازو اور تجھ کو کیا خبر ہے کہ شاید وہ گھڑی پاس ہو" ۔ یعنی" سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں تو اس کو گذران ہے من مانی اور جس کی ہلکی ہوئیں تولیں سو اس کا ٹھکانا گڑھا۔

1* کلیسیا رومن کوتھولک میں پرگیٹوری پر بڑا پکا ایمان ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ بہشت میں داخل ہونے سے پہلے وہ ایماندار بھی جو اس دنیا میں بعض صغیرہ گناہوں کی تلافی نہ کرسکے۔ کچھ عذاب پرگیٹوری میں اٹھاوینگے اور ہر برائی سے بالکل صاف ہولینگے ۔ تب جنت میں دخل پاوینگے ۔ یہ عذاب نار کاہے ۔ اس سے خلاصی ہر ناجی ایماندار کی ہوجاتی ہے ۔خیرات صدقہ اور دعا زندہ ایمانداروں کی ان ایمانداروں کے حق میں بہت موثر مقبول ہے جو پرگیٹوری کے عذاب میں چند روزہ مبتلاہیں۔

احادیث میں اس میزان کے بارے میں کیا کچھ بیان ہوا ہم کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر کوئی اس سے واقف ہے۔ ہمارا سوال صرف یہ ہے کہ اس تعلیم کی اصل کیاہے ؟ یہ کہاں سے آئی ؟

واضح ہو کہ عیسائیوں کی موضوعہ کتابوں میں سے ایک کتاب ہے وصیت نامہ ابراہیم ۔ یہ اصل میں قبطی زبان کی کتاب ہے مگر بعد میں اس کا ترجمہ یونانی اور عربی میں بھی کیا گیا۔ اس میں کچھ تو ایسا ضرور ہے جس کا مقابلہ قرآن کے بیان سے جو نیکی وبدی کے تولے جانے کے بارے میں ہے کیاجاسکتاہے ۔ اس میں لکھا ہے کہ جب ملک الموت کو حکم ہوا کہ حضرت ابراہیم کی روح قبض کرے تو خلیل اللہ نے دعا کی کہ مرنے سے پہلے ان کو اجازت ہو کہ وہ آسمان وزمین کے عجائب کی سیر کرلیں۔جب ان کو رخصت ملی تو ان کو معراج ہوا اور انہوں نے ہر چیز کا مشاہدہ کیا چنانچہ لکھاہے کہ جب وہ دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں انہوں نے وہی میزان یعنی ترازو کو دیکھا جس پر ایک فرشتہ انسانوں کے کردار تولا کرتا ہے ۔ یونانی عبارت کا ترجمہ یہ ہے " ان دونوں دروازوں کے درمیان ایک تخت دھرا ہوا تھا۔۔۔ اور ایک شخص اس پر بیٹھا تھا۔ ایک میز بلور کی طرح سراسر سونے اور باریک کتان سے منڈھی ہوئی وہاں رکھی تھی اور میز کےاوپر ایک کتاب دھری تھی جس کا قطر چھ ہاتھ اور عرض 10 ہاتھ تھا داہنے اور بائیں دو فرشتے کھڑے تھے۔کاغذ اور روشنائی اور قلم لئے ہوئے میز کے سامنے ایک نورانی فرشتہ بیٹھا تھا جس کے ہاتھ میں ترازو تھا۔ بائیں طرف ایک فرشتہ تھا بالکل آگ کا سا جس کے چہرے سے بیرحمی اور ہیبت نمایاں تھی۔ اس کے ہاتھ میں ترہی تھی جس میں وہ جلتی ہوئی آگ لئے تھا کہ جو گنہگاروں کی آزمائش کی خاطر ہے ۔وہ عجیب شخص جو تخت پر بیٹھا تھا خود روحوں کا انصاف کرتا اور ان پر فتوےٰ دیتا جاتا تھا۔ جس کو وہ دونوں فرشتے جو داہنے اور بائیں تھے ایک دفتر میں لکھتے جاتے تھے داہنی طرف کا فرشتہ تو نیک اعمال لکھتا اور بائیں طرف کا بد اعمال اور جو وہ میزے کے آگے تھا ترازو لئے ہوئے وہ روحوں کو تولتا اور وہ فرشتہ آتشین جو آگ لئے ہوئے تھا روحوں کی آزمائش کرتا۔ تب ابراہیم نے سپہ سالار میکائیل سے پوچھا کہ یہ جو ہم دیکھ رہے ہیں کیا باتیں ہیں ؟

اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم مقدس یہ جو تو دیکھ رہاہے عدالت وجزاہیں۔" (وصیت نامہ ابراہیم سورت اول باب 12) پھر لکھاہے کہ ابراہیم نے دیکھا کہ ہر روح جس کے نیک وبد اعمال ہموزن ہوتے تھے اس کا شمار ناجیوں میں ہوتا نہ نازیوں میں بلکہ اس کی جگہ ان دونوں کے درمیان مقرر ہوتی اور یہ بات اس کے مشابہ ہے جو سورہ اعراف رکوع 5 میں وارد ہے "یعنی دونوں کے بیچ ایک دیوار ہے اور اس کے سرے پر مرد ہیں۔ یہ جو لکھا گیا اس سے روشن ہوتاہے کہ آنحضرت نے قرآن میں جو کچھ ترازو کا مذکور کیاہے وہ اسی موضوعہ کتاب سے ماخوذ ہے جو حضرت کے زمانہ سے قریباً 400 سال پہلے مصر میں تصنیف ہوکر عیسائیوں کے درمیان مشہور ہوچکی تھی اور جو امر نہایت قرین قیاس ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو اس مضمون پر اطلاع اچھی طرح ماریہ قبطیہ کے ذریعہ سے ملی جو آپ کی ہم صحبت وہمراز تھی۔

یہ بھی واضح ہو کہ وصیت نامہ ابراہیم میں جو ترازو والا مضمون ہے اس کی اصل کتاب مقدس میں نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت میں قدیم مصریوں کی ایک بڑی پورانی کتاب کتاب الاموات سے ماخوذ ہوا ہے۔ اس کتاب کے اکثر نسخے مصری بت پرستوں کی پرانی قبروں سے برآمد ہوئے ہیں کیونکہ ان لوگوں کے گمان میں اس کتاب کا مصنف ایک دیوتا تھا جس کا نام تھوتھ ہے ۔ مردے کے ساتھ اس کتاب کو رکھ دینے سے ان کی عرض یہ تھی کہ متوفی آخرت میں اس تعلیم پائے ۔ اس کتاب کی فصل 125 کے سر پر ایک تصویر ہے جس میں دو دیوتے حور اور انپو کسی نیک مرد کے دل کو ترازو کے ایک پلہ میں تول رہے ہیں۔ دوسرے پلے میں مات یعنی راستی کا بت رکھا ہوا ہے اور ایک اور دیوتا جس کا نام تھوتھ ہے متوفی کے اعمال کے حساب کو ایک طومار میں لکھارہاہے ۔ اس ترازو کے اوپر جو کچھ پرانی مصری زبان کے حروف میں لکھا ہوا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے آسر کا شمار نیک بختوں میں ہوا۔ وہ زندہ ہے ۔ ایوان الہیٰ کے بیچوں بیچ ترازو برابر اترا ہے ۔ دل اس کے لئے اس کا دل اپنی جگہ پر آسر میں جو نیک بختوں میں شمار ہوا داخل ہوتا ہے ۔ شاید تھوتھ شہر حسرت کا خدائے بزرگ شہر ہر مپلیس ۔مالک کلمات تھوتھ (نبوت) اسی طرح لکھے۔

اس تصویر میں جو بت بنے ہیں اکثروں کے سروں پر ان کے نام مصری حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس ہیبت ناک جانور کے سر پر جو لکھاہے اس کا ترجمہ یہ ہوتاہے ۔" مغلوب سازندہ دشمناں بہ بلعید نشان خواتون عالم اموات حیوان عالم اموات ۔

اس جانور کے قریب ایک قربانگاہ ہے ہڈیوں سے بھری ہوئی جو اندرونی دروازہ عبادت گاہ میں رکھی ہے اور وہ حاکم تخت نشین جو اس عبادت گاہ بیٹھاہے تھوتھ کے نوشتہ کے موافق مردوں کی روحوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے ۔خود اسر ان کا خدائے کریم ہے ۔ مصری نوشتہ کے موافق اس کے القاب یہ ہیں :

ترجمہ : آسر خائے پاک ذات مالک حیات خدائے بزرگ حاکم ابد سرور بہشت ودوزخ عالم اموات میں خدائے برتر۔مالک شہر ابط بادشاہ ازل خدا۔ "

واضح ہو کہ اس تصویر کے پہلے حصہ میں آسمر نام اس نیک بخت مردے کو دیا گیا ہے کیونکہ وہ اسی معبود کے ساتھ متحد ہوچکا اور اس تخت کے نیچے یہ الفاظ کئی مرتبہ لکھے ہوئےہیں " حیات وسلام " پس یہاں سے یہ امر ظاہر ہے کہ قرآن میں میزان کی بابت جو کچھ لکھا ہے اس کا اصل سر چشمہ کہاں کہاں ہے ۔

(4) حدیث میں وارد ہے کہ معراج میں آنحضرت نے ابوالبشر آدم کو دیکھا کہ کبھی وہ روتے تھے اور کبھی ہنستے ۔ مشکواۃ میں وہ حدیث یوں آئی ہے ۔ یہاں ہم اس کا ترجمہ طریق النجا مولوی ابو محمد ابراہیم صاحب کی جلد چہارم صفحہ 212 سے نقل کرتے ہیں :

" جب آسمان کا دروازہ کھلا تو میں اوپر گیا۔ وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ ان کے داہنے اور بائیں بہت سے لوگ ہیں ۔ جب وہ شخص اپنی داہنی طرف دیکھتا ہے توہنستا ہے اور جب بائیں طرف دیکھتاہے تو روتا ہے ۔ اس نے کہا اے صالح بنی اور سعادت مند بیٹے مرحبا ۔ خوش آمدی ۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں ؟ کہا آدم ہیں اور ان کے داہنے بائیں انکی اولاد کی روحیں ہیں ۔ داہنے والے بہشتی ہیں ۔ بائیں والے دوزخی ۔ داہنے والوں کو دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں والوں کو دیکھ کر روتے ہیں ۔"

اب واضح ہو کہ اس حدیث کا ماخذ بھی وہی کتاب وصیت نامہ ابراہیم ہے ۔ اس کی سورت اول فصل 11 میں جو لکھا ہے اس کا یونانی سے ہم یہاں اردو ترجمہ کرتے ہیں :

"اور میکائیل نے رتھ کو موڑا اور ابراہیم کو مشرق کی سمت سے آسمان کے اول دروازہ میں پہنچایا ۔ وہاں ابراہیم نے دوراہیں دیکھیں ایک تنگ وسکڑی دوسری خوب چوڑی چکلی اور اس جگہ دو دروازے بھی دیکھے ۔ ایک تو چوڑا چوڑی راہ کے موافق دوسرا تنگ اس تنگ راہ کے موافق اور ان دونوں دروازوں کے باہر ایک شخص طلائی تخت پر بیٹھا ہوا دیکھا ۔ اس شخص کی صورت مثل خداوند کے مہیب تھی اور انہوں نے روحیں دیکھیں بڑی کثرت سے جن کو فرشتے ہنکاتے ہوئے اس چوڑے دروازہ میں لاتے تھے پر وہ روحیں کم دیکھیں جن کو فرشتے تنگ دروازہ میں سے لاتے تھے جب وہ عجیب شخص جو طلائی تخت پر بیٹھا ہوا تھا دیکھتا کہ تنگ دروازہ سے تھوڑی سی روحیں لیکن چوڑے سے بہت سے روحیں داخل ہوتی ہیں تو وہ فوراً اپنے سر اور داڑھی کے دونوں طرف کے بال پکڑ کر گریہ وزاری کرتا ہوا تخت پر سے زمین پر جا گرتا پر جب وہ دیکھتا کہ تنگ دروازے سے بہت روحیں داخل ہوتی ہیں تو وہ خوشی خوشی بڑی شادمانی کے ساتھ زمین پر سے اٹھتا ہے اور اپنے تخت پر بیٹھا ۔ ابراہیم نے سپہ سالار میکائیل سے پوچھا کہ اے میرے صاحب یہ نہایت ہی عجیب شخص جو ایسے جلال سے آراستہ ہے اور کبھی روتا اور کبھی خوش ہوتا ہے کون ہے ؟ اس روحانی نے جواب دیا کہ یہ شخص جو اس قدر جلال میں ہے آدم پہلا مخلوق ہے جو جہان کو دیکھ رہا ہے کیونکہ سب اسی کی اولاد ہیں ۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ بہت سی روحیں تنگ دروازہ میں سے داخل ہوتی ہیں تو وہ خوش ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور شادمانی کے ساتھ اپنے تخت پر جا بیٹھتا ہے کیونکہ تنگ دوازہ نیک بختوں کا ہے جو زندگی کی راہ ہے اور جو لوگ اس میں ہو کر داخل ہوتے ہیں وہ بہشت کو جاتے ہیں اسی وجہ سے آدم پہلا مخلوق خوش ہوتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ وہ روحیں نجات پاویں گی پر جب وہ دیکھتا ہے کہ چوڑے دروازے سے بہت سی روحیں داخل ہوتی ہیں تو وہ اپنے سر کے بال نوچتا اور بڑا غمگین ہو کر گریہ وزاری کرتا ہوا آپ کو زمین پر گرا دیتا ہے کیونکہ وہ چوڑا دروازہ گنہگاروں کا ہے اور ہلاکت اور ابدی سزا کو پہنچاتا ہے ۔

یہ امر آسانی سے ثابت ہوسکتا ہے کہ علاوہ ان باتوں کے جو اوپر مذکور ہوچکیں اور بہت سی باتیں ہیں جو قرآن وحدیث میں جہلا عیسائیوں کی موضوعہ کتابوں اور اہل بدعت کی جھوٹی تصنیفات سے ماخوذ ہیں ۔ مگر فی الحال اسی قدر کافی ہے جو بیان ہوچکا ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت نے ان جھوٹی اور موضوعہ روایات سے اس قدر قبول کرلیا تھا تو کیا عہد جدید صحف اناجیل ورسائل حواریئن سے بھی کچھ آیات قبول کی ہیں یا نہیں ؟ اس کے جواب میں ہم دو تین مقامات قرآن سے اور کچھ حدیثوں سے یہاں پیش کرکے دکھلاتے ہیں کہ وہ آیات انجیل سے ماخوذ ہیں ۔

(1) (فتح آخر) اور کہاوت ان کی انجیل میں جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی ۔ پھر موٹا ہوا ۔ پھر کھڑا ہوا اپنے نال پر خوش لگتا کھیتی والوں کو ۔

اب اس قسم کی تمثیل انجیل میں ایک جگہ ملتی ہے اور غالباً اسی کی طرف اشارہ ہوا ہے ۔

انجیل مرقس باب 4 آیت 26 تا 29 میں لکھا ہے " اور مسیح نے فرمایا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے آدمی جو زمین میں بیج بوئے اور رات دن سوئے ۔ اٹھے اور بیج اگے اور بڑھے ایسا کہ وہ نہ جانے کیونکر زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے سبزیاں پھر بال اس کے بعد بال میں پورے دانے اور جب دانا پک چکا تو وہ فی الفور ہنسوا بھیجتا ہے کیونکہ فصل کا وقت آپہنچا ۔

(2) سورہ اعراف رکوع 4 میں ایک آیت میں ہے إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُواْ عَنْهَا لاَ تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاء وَلاَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ یعنی " بے شک جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں اور ان کے سامنے تکبر کیا نہ کھلینگے ان کو دروازے آسمانوں کے اور نہ داخل ہونگے جنت میں جب تک بیٹھے اونٹ سوئی کے ناکے میں " اس آیت کا اخیر فقرہ انجیل کا کلام ہے ۔ لوقا باب 18 آیت 25 میں لکھا ہے ۔ "اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں گذر جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو ۔" یہی مضمون متی باب 19 آیت 24 مرقس باب 10 آیت 25 میں بھی مندرج ہے ۔

(3) سورہ کھف رکوع 4 میں ہے "اور نہ کہئیو کسی کام کو میں یہ کرونگا کل مگر یہ کہ اللہ چاہے" نامہ یعقوب باب 4 آیت 13 تا 15 میں لکھا ہے۔

"ارے تم جو کہتے ہو کہ آج یا کل فلانے شہر جائینگے اور وہاں ایک برس ٹھہرینگے اور سوداگری کرینگے اور نفع اٹھائینگے اور نہیں جانتے کہ کل کیا ہوگا۔۔۔۔ اس کے برعکس تمہیں کہنا چاہیئے کہ جو خدا کی مرضی ہو اور ہم جیتے رہیں تو یہ یا وہ کام کرینگے۔

(4) سنن نسائی میں پوشیدہ خیرات کے بارے میں یہ الفاظ آئے ہیں رجل تصدیق بصدقۃ فاخفا ہا حتی لا تعلمہ شمالہ ما صنعت یمینہ (کتاب ادب القصۃ)۔

ایسا شخص جس نے کچھ خیرات کی اور اس کو ایسا پوشیدہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا کیا۔

انجیل متی باب 6 آیت 3 میں خداوند مسیح کا فرمودہ ہے " جب تو خیرات کرے تو تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ تیرا داہنا ہاتھ کیا کرتا ہے کہ تیری خیرات پوشیدہ رہے۔"

(5) مسلم کتاب الامارۃ میں ایک حدیث ہے جس کے معنی یہ ہیں " جو دوست رکھتا ہے اس بات کو کہ بچ جاوے آگ سے اور جنت میں داخل ہو اس کو چاہیئے کہ ایسی حالت میں مرے کہ اللہ پر اور پچھلے دن پر یقین رکھتا ہو دلدیات الی الناس الذی بحب ان یوفی الیہ اور لوگوں سے ویسا سلوک کرے جیسا وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔"

سیدنا مسیح نے فرمایا ہے " جو تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے کریں وہی تم بھی ان سے کرو" (حضرت متی باب 7 آیت 12)۔

(6) مسلم کتاب الایمان میں حدیث ہے لا یومن احدکمہ حتی یحب لجارہ ما یحب لنفسہ تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں جب تک عزیز نہ رکھے اپنے ہمسائے کے واسطے جو عزیز رکھتا ہے اپنی جان کے واسطے۔

مسیح نے فرمایا ہے " اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپ کو۔"

(7) حضرت محمد نے اپنے غریب مفلس اصحاب کی شان میں کہا ہے فطوبیٰ للغربآ مبارک ہے جو غریب ہیں (کتاب الایمان) حضرت مسیح نے فرمایا ہے "مبارک تم جو غریب ہو کیونکہ خدا کی بادشاہی تمہاری ہے" لوقا باب 6 آیت 20۔

(8) مسلم کتاب الایمان ۔ اثبات الشفاعتہ میں ہے ۔ اللہ بہشتیوں کو بہشت میں پہنچادیگا اپنی رحمت سے اور دوزخیوں کو دوزخ میں پھر فرمادیگا دیکھو جس کسی کے دل میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان ہو (فی تلبہ مثقال حبۃ من خردلٍ من ایمان) اس کو نکال لو۔" یہ انجیل کا محاورہ ہے۔ "اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوتا" حضرت متی باب 17 آیت 20۔

(9) ابن ماجہ ابواب الفتن کے باب عقوبات میں یہ حدیث ہے "عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے گویا میں رسول اللہ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ نبیوں میں سے کسی کا ذکر کرتے تھے کہ ان کی قوم نے ان کو مارا تھا اور وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے تھے اے خدا میری قوم والوں کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے ہیں۔"

یہ دعا حضرت مسیح نے اپنے دشمنوں کے حق میں کی تھی" اے باپ ان کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں۔ لوقا باب 23 آیت 34 اور پھر جب مقدس استیفان کو یہود سنگسار کرکے شہید کررہے تھے انہوں نے اس قسم کی دعا مانگی تھی" اے خداوند یہ گناہ ان پر ثابت مت کر (اعمال الرسل باب 7 آیت 60) حضرت محمد کے ذہن میں یہی واقعات مخلوط ہوگئے تھے۔

(10) مسلم کتاب البرو الصلتہ والادب میں ابوہریرہ کی حدیث کا ترجمہ یہ ہے" فرمایا رسول اللہ نے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کہے گا اے آدم کے بیٹے میں بیمار تھا مگر تو نے میری عیادت نہ کی ۔ وہ کہے گا اے رب میں کیسے تیری عیادت کرتا تو تو سارے جہان کا مالک ہے ۔ خدا فرمادیگا کیا تجھ کو نہیں معلوم تھا کہ میرا فلانا بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی کیا تجھ کو خبر نہ تھی کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اسکے پاس پاتا اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے مجھ کو کھانا نہ کھلایا۔ وہ کہے گا اے رب بھلا میں تجھ کو کیونکر کھانا کھلاتا ؟ تو تو سارے جہان کا مالک ہے۔ خدا فرمادیگا کیا تجھ کو خبر نہ تھی کہ تجھ سے میرے ایک بندے نے کھانا مانگا تھا اور تو نے اسے نہیں کھلایا؟ کیا تجھ کو نہیں معلوم تھا کہ اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کا بدلہ تو مجھ سے پاتا ؟ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھ کو نہ پلایا۔ وہ کہے گا اے رب میں تجھ کو کیسے پلاتا۔ تو تو سارے جہان کا مالک ہے ۔ خدا فرمادیگا میرے ایک بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے اس کو نہیں پلایا۔ اگر تو اس کو پانی دیتا تو اس کا اجر مجھ سے پاتا۔ "یہ کلام سیدنا مسیح کا ہے کہ قیامت میں ایمان داروں اور بے ایمانوں سے کس طرح خطاب ہوگا۔ چنانچہ انجیل متی باب 25 کے آخر میں ہے کہ پہلے دہنے طرف والوں سے خطاب ہوگا" میں بھوکا تھا اور تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا اور تم نے مجھے پلایا۔ میں پردیسی تھا اور تم نے مجھے گھر میں ٹکایا۔ میں ننگا تھا اور تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا اور تم نے میری عیادت کی ۔ قید میں تھا اور تم میری خبر لینے آئے۔ تب راستباز اسے جواب دینگے اور کہینگے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا دیکھا اور کھلایا یا پیاسا اور پلایا؟ کب ہم تجھے پردیسی دیکھا اور گھر میں ٹکایا یا ننگا اور کپڑا پہنایا؟

کب ہم تجھے بیمار یا قید میں دیکھا اور تیرے پاس آئے؟ اور بادشاہ جواب دے کر انہیں کہے گا میں تمہیں سچ کہتا ہوں چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو نے میرے ساتھ کیا۔ تب وہ بائیں طرف والوں سے بھی کہے گا (بالکل اسی طرح اور ان کا بھی وہی جواب ہوگا) تب وہ انہیں جواب دیگا اور کہے گا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں چونکہ تم نے ان سب سے چھوٹوں میں سے ایک کے ساتھ نہ کیا تو میرے ساتھ بھی نہ کیا۔"

(11) صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں حضرت سے یہ حدیث بیان ہوئی ہے "آپ نے فرمایا تم سے پہلے جو امتیں گذریں ان کے مقابلہ میں تمہاری مدت ایسی ہے جیسے کہ عصر اور مغرب کی مدت توریت والوں کو توریت عطا ہوئی۔ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ جب دوپہر ہوئی تو عاجز آئے تو ان کو ایک ایک قیراط اجرت ملی۔ پھر انجیل والوں کو انجیل عطا ہوئی۔ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ جب عصر کا وقت آیا تھک گئے۔ ان کو بھی ایک ایک قیراط اجرت ملی۔ اس کے بعد ہم لوگوں کو قرآن ملا اور ہم نے مغرب کے وقت اس پر عمل کیا اور ہم کو دو قیراط مزدوری میں ملے۔ تب اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بولے اے رب تو نے ان کو دو قیراط بخشے اور ہم کو ایک ہی ایک اور ہم نے تو ان سے زیادہ کام کیا ہے۔ وہ بولے نہیں۔ خدا نے فرمایا یہ میری بخشش ہے۔ دیتا ہوں جس کو چاہوں"۔

حضرت کی حدیث بالکل سیدنا مسیح کی تمثیل کا چربہ ہے جو انجیل متی باب 20 میں یوں مرقوم ہے۔

آسمان کی بادشاہی کسی گھر کے مالک کی مانند ہے جو تڑکے نکلا تاکہ اپنے انگور کے باغ میں مزدور لگادے اور اس نے ایک ایک دینار مزدوروں کا روزینہ مقرر کرکے انہیں اپنے انگور کے باغ میں بھیجا اور اس نے تیسری گھڑی پھر نکل کے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا اور انہیں کہا کہ تم بھی باغ میں جاؤ اور جو واجبی ہے تمہیں دونگا سو گئے۔ پھر اس نے چھٹی اور نویں گھڑی نکل کے ویسا ہی کیا اور قریب گیارہویں گھڑی کے پھر نکل کے اوروں کو بیکار کھڑے پایا اور انہیں کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں رکھا۔ اس نے انہیں کہا تم بھی باغ میں جاؤ۔ اور جو واجبی ہے پاؤ گے۔ جب شام ہوئی باغ کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک انہیں مزدوری دے اور وہ جو گیارہویں گھڑی میں لائے گئے تھے آئے اور ایک ایک دینار پایا۔ جب اگلے آئے انہوں نے گمان کیا کہ ہم زیادہ پاوینگے اور انہوں نے بھی ایک ایک دینار پایا اور اسے لے کر گھر کے مالک کا شکوہ کیا اور بولے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹے کام کیا اور تو نے انہیں ہمارے برابر کر دیا جنہوں نے دن کا بوجھ اور دھوپ سہی اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک کو کہا اے مرد تجھ پر میں ظلم نہیں کرتا۔ کیا تو نے مجھ سے ایک ہی دینار نہیں چکایا تھا؟ اپنا لے اور چلا جا پر میں جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی دونگا۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں کروں؟ یا کیا تیری آنکھ اس لئے بری ہوئی کہ میں نیک ہوں"؟

(12) ابن ماجہ ابواب الفتن باب فتنۃ الدجال میں عبد اللہ بن مسعود کی راویت ہے کہ شب معراج انبیاء نے حضرت عیسیٰ سے پوچھا کہ قیامت کب ہوگی۔ آپ نے فرمایا قد عھد الی فیمادون وجبتھا فاما وجبتھا فلا یعلمھا الا اللہ "یعنی مجھ سے وعدہ ہوا ہے قرب قیامت کا لیکن ٹھیک اس گھڑی کا حال سو کوئی نہیں جانتا اس کو بجز خدا کے۔

یہ قول حضرت مسیح کا انجیل متی باب 24 آیت 26 میں مرقوم ہے" اس دن اور گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا آسمان کے فرشتے بھی نہیں مگر فقط میرا باپ" ۔

اس کے آگے اسی حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح نے بعد ذکر دجال کے فرمایا متی کان ذلک کانت الساعتہ من الناس کالحامل الی لایدری اہلہا متی تفجا ہم بولادہا یعنی جب یہ باتیں ظاہر ہوں تو قیامت کی گھڑی لوگوں سے ایسی آلگیگی جیسے حاملہ عورت جس کے گھر والوں کو خبر نہیں کہ کس وقت ناگہاں وہ جن پڑیگی۔

مقدس پولوس نے فرمایا ہے" خداوند کا دن (قیامت) اس طرح آئے گا جس طرح رات کو چور آتا ہے جب لوگ کہتے ہونگے سلامتی اور بیخطری ہے۔ تب ان پر ناگہاں ہلاکت آپڑیگی جس طرح حاملہ عورت کو درد لگتے ہیں اول تھسلنیکی باب 5 آیت 2و3۔

(13) مشکوۃ میں مسلم وبخاری کی ایک حدیث ابوہریرہ کی زبانی ہے۔

(کتاب الفتن صفتہ الجنتہ) حضرت نے کہا خدا نے فرمایا ہے اعدوت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر میں نے تیار کی ہیں اپنے نیک بندوں کے واسطے وہ چیزیں کہ نہ آنکھ نے دیکھیں نہ کان نے سنیں اور نہ انسان کے دل پر ان کا گذر ہوا۔

یہ لفظ بلفظ مقدس پولوس کا مقولہ ہے (دیکھو خط اہل کرنت اول باب 2 آیت 9) "خدا نے اپنے پیار کرنے والوں کے لئے وہ چیزیں تیار کیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ آدمی کے دل میں آئیں۔[1*]

1* علاوہ ان کے ایسے خیالات وفقرات تو کثرت کے ساتھ ہیں جو اہل انجیل کی زبان پر جاری تھے۔ ان کے منہ کی باتیں حدیثوں کے اندر داخل ہو گئیں مثلاً خراج گیر یعنی محصول لینے والے کی توبہ جو مقبول بارگاہ الہیٰ ہوئی جس کا ذکر انجیل لوقا باب 15 میں آیا ہے حضرت نے ماعز بن مالک کے اقرار گناہ کی شان میں کہا لقد تاب توبۃ لوقا بہا صاحب المکس لمغفرلہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر محصول لینے والا ایسی توبہ کرتا تو بخشا جاتا (مسلم کتاب الحدود) حضرت نے اپنے تیئں پیغمبری کی عمارت میں لبنۃٍ من زاویۃ کونے کے سرے کی اینٹ سے مشابہ کیا ہے (مسلم کتاب الفضائل) یہ حضرت مسیح نے اپنی شان میں فرمایا تھا "پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہو گیا" (حضرت متی باب 21 آیت 42)۔

مسلم کتاب الجنتہ میں ہے کہ سب کے آخر میں موت بشکل ایک سفید دنبہ کے ذبح کی جاویگی اور بہشتیوں اور دوزخیوں سے کہا جائے گا داخل ہو اپنی اپنی جگہ ۔ اب موت نہیں ہے ثمہ یقال یااھل الجنۃ خلود فلاموت ویا اھل النار خاور فلاموت ۔ مقدس پولوس فرماتے ہیں (1 قرنتی باب 15 ایت 26) "آخری دشمن جو نیست ہو گا موت ہے " اور مکاشفات باب 21 آیت 4 میں بہشتیوں کے آرام کا ذکر ہے " خدا ان کی آنکھوں سے ہر آنسو پونچھیگا اور پھر موت نہ ہو گی اور نہ غم اور نہ نالہ اور نہ پھر دکھ گا۔"

سورہ حدید عم 2 میں ہے ۔ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ قَالُوا بَلَى وَلَكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ ۔ ترجمہ :یعنی جس دن کہینگے دغا باز مرد اور عورتیں ایمانداروں کو ہماری راہ دیکھو۔ ہم بھی سلگالیں تمہاری روشنی سے کسی نے کہا الٹے جاؤ پیچھے پھر ڈھونڈلو روشنی اور کھڑی کردی ان کے بیچ میں ایک دیوار جس کو ایک دروازہ اس کے اندر مہر ہے اور باہر کی طرف عذاب۔ یہ ان کو پکارتے ہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ ؟ وہ بولے کیوں نہیں لیکن تم نے بچلادیا آپ کو ۔" جب تک کوئی انجیل میں دس کنواریوں کی تمثیل نہ پڑھے وہ اس کو بخوبی نہیں سمجھ سکتا چنانچہ انجیل متی باب 25 کے پہلے حصہ میں اسی کا بیان ہے ۔" بیوقوفوں نے ہوشیاروں سے کہا اپنے تیل میں سے ہمیں دو کہ ہماری مشعلیں بجھی جاتی ہیں تب ہوشیاروں نے جواب دیا اورکہا مبادا ہمارے اور تمہارے واسطے کفایت نہ کرے بہتر ہے کہ بیچنے والے کے پاس جاؤ اور اپنے واسطے مول لو ۔ جب دے خریدنے گئیں دولہا آپہنچا اور وہ جو تیار تھیں اس کے ساتھ شادی میں گئیں اور دوروازہ بند کیا گیا پیچھے دو ار کنواریاں آئیں اور کہنے لگیں اے خداوند ۔ اے خداوند ہمارے لئے کھول دے پھر اس نے جواب دے کر کہا میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔"

حاصل کلام ہمارا دعویٰ ہے کہ دین اسلام کا ایک بہت بڑا ماخذ ومنبع انجیل اور عیسائیوں کی دیگر کتب ہیں بالخصوص وہ موضوعہ پرانی کتابیں جو جہالت کے زمانہ میں عیسائیوں کے درمیان مروج ہورہی تھیں ۔ یہ دعویٰ اس قسم کا نہیں ہے کہ تحقیق کے سامنے اس سے انکار ہو سکے ۔

فصل پنجم

اس دعویٰ کی تحقیق میں کہ آیا قرآن وحدیث میں بعض ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو زردشتیوں اور ہنود کی پرانی کتابوں میں ملتی ہیں

عرب ویونان کے مورخوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبل از زمانہ اسلام عرب کے اکثر ملکوں میں شاہان ایران کی حکومت رہی تھی ابوالفدا لکھتاہے کہ نوشیروان کسریٰ نے اپنی فوجوں کو سلطنت حیرہ پر بھیج کر حارث بادشاہ وقت کو تخت سے اتاردیا اور منذر ماء السما کو جو اس کے ہوا خواہوں میں تھا تخت شاہی پر بٹھلایا۔ اس کے بعد اسی بادشاہ نامدار نے اپنا لشکر بہ سرداری وہرز یمن کو بھیجا اور وہاں سے اہل حبشہ کو نکال باہر کیا اور پہلے پہل ابوالسیف کو اپنے بزرگوں کے تخت پر جگہ دی (باب دوم) ولیکن کچھ دنوں بعد وہی وہرز خود تخت پر بیٹھ گیا اور سلطنت اپنی اولاد کے سپرد کی ۔ (سیرت ابن اہشتام صفحہ 24و25) ابوالفدا لکھتاہے کہ منذر لوگ جو نصر بن ربیعہ کی اولاد سے تھے شاہان ایران کی طرف سے اہل عرب باشندگان عراق پر حاکم تھے (باب 14) اور یمن کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ پھر ملک یمن پر اہل حمیر کے بعد شار شخص اہل حبشہ اور آٹھ شخص اہل فارس کے حکومت کرتے رہے جس کے بعد یمن اسلام کی ملک ہو گیا۔

اس سے روشن ہے کہ بزمان آنحضرت اور اس سے پہلے اہل ایران عربوں کے ساتھ بودوباش کرتے رہے تھے اور چونکہ ایرانیوں نے زمانہ جاہلیت کے عربوں سے کہیں زیادہ علوم وشائستگی وتہذیب وملک داری میں ترقی کی تھی اس لئے یہ بات لازمی تھی کہ ان کے دین ورسوم وعلوم کا بہت بڑا اثر ان عربوں پر پڑے ۔

علاوہ بریں یہ بات تاریخ سے اور شہادت مفسرین قرآن سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ایرانیوں کے قصص اور ان کی نظم نے جزیرہ عرب کی قوموں کے درمیان اپنا اچھا خاصہ گھر کرلیا تھا چنانچہ اسی کی خبر ہم کو ابن ہشام دیتا ہے وہ لکھتاہے کہ زمان آنحضرت میں اہل عرب نے نہ صرف رستم واسفندیار اور دیگر قدیم شاہان ایران کے قصے سنے تھے بلکہ بعض قریش توان کے گرویدہ ہوگئے تھے اور بسا اوقات وہ ان کو قرآنی قصص کے معارضہ میں پیش کرتے تھے ۔ ابن ہشام کا قول یہ ہے والنصز بن الحارث بن کلدۃ بن علقمار بن عمد مناف بن عبداللہ از بن قصی کان ازا جلس رسول اللہ ﷺ مجلسا فدعافیہ الی اللہ تعالیٰ وتکلا فیہ القرآن وحذر قریشا ما اصاب الامم الخالیۃ

خلفه فی مجلسه اذاقامه فحد ثهمه عن رستمه الشدید وعن اسفند یارملوک فارس ثمه یقول واللہ مامحمد باحسن حدیثامنی وما حدیثه الا اساطیر الاولین اکتبهاکما۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب الیمه ۔ یعنی ایک دفعہ رسول اللہ مجلس میں بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت کرتے تھے اور قرآن سناتے تھے اور اہل قریش کو اس افتاد سے ڈرا رہے تھے جو گذشتہ امتوں پر پڑی ۔ نصر بن حارث آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا یکایک اٹھ بیٹھا اور ان لوگوں کو رستم واسفند یار اور بادشاہان فارس کے قصہ سنائے اور کہا قسم خدا کی محمد کچھ مجھ سے بہتر قصہ سنانے والے نہیں ہیں ان کے قصے کیا ہیں مگر اگلے لوگوں کے نوشتے جو انہوں نے لکھ رکھے ہیں جیسا کہ میں نے لکھ رکھے ہیں۔ پس اسی کی شان میں اللہ نے یہ نازل کیا" کہنے لگے یہ نقلیں ہیں اگلوں کی جو لکھ لایا سووہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح وشام تو کہ اس کو اتارا ہے اس شخص نے جو جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں میں اور زمین میں مقر روہ بخشنے والا مہربان ہے" (فرقان 1ع) اور اسی کی شان میں یہ بھی نازل ہوا۔ جب سنائے اس کو ہماری باتیں کہے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی" (قلم) اور یہ بھی اس کے حق ہے خرابی ہے اور ہر جھوٹے گنہگار کی کہ سنے باتیں اللہ کی اور اس پاس پڑھی جاویں۔ پھر ضد کرے غرور سے جیسے وہ سنی نہیں سو خوشی سنا اس کو دکھ کی مار کی (حاشیہ) ۔

اور کوئی شک نہیں کہ وہ حکایتیں رستم واسفند یار اور شاہان فارس کی وہی حکایتیں ہیں جن کو آنحضرت کے زمانہ سے صدیوں بعد فردوسی نے لوگوں کے پاس سے اکٹھا کرکے سلسلہ وار شاہنامہ میں نظم کیا۔ پھر یہ بات بھی صاف ہے کہ اگر اہل عرب بادشاہان ایران کے قصے سن چکے تھے تو وہ جمشید کے حال سے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے اور ارتارے ویراف اور زردشت کے معراج اور بہشت ویل چنیود ودرخت خواپہ کے حالات اور اہر من کے قدیم تاریکی سے نکلنے کے قصے سے ناواقف نہ تھے۔ پس اب ہم اس امر کی تحقیق میں مصروف ہونگے کہ آیا ان باتوں نے اور اسی قسم کی اور باتوں نے قرآن وحدیث پر اپنا کچھ اثر ڈالا ہے یا نہیں جس سے روشن ہوجاویگا کہ قدیم ایرانیوں کے قصے اور ان کے اعتقادات بھی دین اسلام کے سرچشموں میں سے ایک ہیں۔ یہ بھی واضح ہو کہ جو قصے پرانے وقتوں میں اہل ایران کے درمیان مروج رہے ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ جو کچھ ایرانیوں سے مختص نہیں بلکہ قدیم ہندوؤں میں بھی مشہور ہوچکے تھے جو ہرات سے نکل کر ملک ہند میں آبسے کیونکہ ان میں بعض اوہام وخیالات وتصورات تو گویا دونوں قوموں کے عقلی مذہب کی مشترک وراثت سے تھے اور بعض مدت دراز گذر جانے کے بعد ہند میں ایران سے پہنچے۔

قرآن وحدیث سے ذیل کے چند اقتباسات ہمارے دعوےٰ کے ثبوت میں ہیں :

(1) قصہ معراج ۔ قرآن میں اس بارہ میں جو کچھ ہے وہ سورہ بنی اسرائیل کے شروع میں اسی قدر ہے ۔

ترجمہ : پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک جس میں ہم نے خوبیاں رکھیں تا دکھاویں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے ۔ وہی ہے سنتا دیکھتا مفسرین قرآن نے اس آیت کی تعبیر میں بہت بڑا اختلاف کیا۔ ابن اسحاق نے روایات حدیث سے بتلایا ہے کہ عائشہ نے کہا تھا مافقد جسد رسول اللہ صلعم ولکن اللہ اسوی بروحه یعنی جسم رسول اللہ کا غائب نہیں ہوا لیکن اللہ نے ان کی روح کو سیر کرائی اور حدیثوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا تھا تنامه عینی وقلبی یقظان یعنی میری آنکھ موتی تھی لیکن میرا دل جاگتا تھا۔ (سیرت الرسول صفحہ 139)۔

اور صوفیوں کے گروہ سے محی الدین نے جو کچھ اپنی تفسیر میں لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس معراج کو صرف بطریق مجاز سمجھتےہیں چنانچہ ان کے نزدیک اسریٰ سے مراد ہے انزهه عین اللواحق الماویة والنقائص التشبیهة یعنی آلائیش مادی اور جسمانی کمزوریوں سے پاک ہونا ہے اور مسجد الحرام سے مراد مقام القلب المحرم عن ان یطوف به مشرک القوی الدنیة ویرتکب فیه فواحشها وخایاہا یعنی دل کی وہ منزل ہے جس کے گرد نفسانیت کے مشرکوں کی رسائی نہیں کہ گناہ ومعاصی کے مرتکب ہوں۔ اور مسجد اقصیٰ سے مراد مقام الروح الا بعد من العالمه الجسمانی بشهور تجلیات الذات وسبحات الوجه یعنی روح کی وہ منزل جس سے عالم جسمانی بہتی دور رہ جاتا ہے جہاں پر خدا کی ذات کی تجلی اور اس کے دیدار کے جلوے کا مشاہدہ ہوتا ہے اور لنریة من ایاتنا سے مراد مشاہدة الصفات یعنی صفات باری تعالیٰ کا ظاہر ہونا ہے (تفسیر سورہ بنی اسرائیل 1*)۔

1*سرسید احمد مرحوم نے اپنے خطبات احمدیہ کے گیارھیوں خطبہ میں روایات حدیث پر خوب جرح قدح کرکے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ معراج محض ایک خواب تھا اور وہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہے اور متاخرین کا قول اس کے خلاف لغو ہے۔ اس بحث کے مفید مطلب دو اقتباس ہیں اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

فذهب طائفه الی اله اسدی بالروح وانه رویا منامه مع اتفاقهمه ان رویا الا نبیآء حق ووحی۔	شفائے قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ ایک گروہ عالموں کا اس طرف گیا ہے کہ معراج روحانی تھی اور سونے میں ایک رویا تھا۔ اسی کے ساتھ ان سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے انبیاء کی رویا حق اور وحی ہے۔"
رحکی عن محمد بن حریر الطبن فی تفسیر عن حذلفة انه قال	تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ محمد ابن جریر طبری سے اس کی

ذالک رویا وانہ مافقد جسد رسول اللہ صلعم ولکن اللہ اسدی بروحہ وحکی ھذا اللقول ایضا عن عائشہ عن معاویۃ	تفسیر میں نقل کی گئی ہے کہ حذیفہ نے کہا کہ یہ (یعنی واقعہ معراج)رویا تھا اور رسول اللہ کا جسم نہیں گیا تھا اور معراج صرف روحانی تھی۔ اوریہی قول عائشہ اور معاویہ سے بیان کیا گیاہے۔"

پس اگر ہم حضرت کی اپنی اور عائشہ کی شہادت قبول کریں اور نیزان علماء کی تفسیر وغیرہ کو دیکھیں توظاہر ہوتاہے کہ معراج کوئی حقیقی واقعہ نہ تھا بلکہ محض مجازی یا بالکل خواب ولیکن ابن اسحاق اور دیگر لوگ اس کے خلاف بیان کرتے ہیں۔ ابن اسحاق توکہتاہے کہ حضرت نے فرمایا جبریل نے مجھ کو دوبارہ جگایا اور میں پھر سوگیا۔

فجاء فی الثالثہ فھمہ نی بقد مہ فجلست فاخذ بعضیدی فقمت معہ فخرج الیٰ باب المسجد فاذا ارابۃ ابیض بین البغل والحمار فی فخذیہ جنا حان یحفر بھمار جلبین یضع یدلافی منتھی ----------------------- ذلک محمد فی لیلۃ واحد ۃ ویر جع الی مکۃ (سیرۃ ابن ہشام صفحہ 138تا 139)۔یعنی پس جبرائیل تیسری بارمیرے پاس آئے اور مجھ کو اپنے قدم سے ٹھوکر دی۔1*۔پس میں اٹھ بیٹھا۔ پھر انہوں نے میرا بازو پکڑا اور میں ان کے ساتھ کھڑاہو گیا اور مسجد کے دروازے تک باہر گیا اور دیکھتا کیاہوں کہ ایک جانور فقرہ قد میں خچر اور گدھے کے درمیان جس کی رانوں کے بیچ میں دوپر تھے جس سے اپنی دونوں ٹانگوں کو رگڑتا تھا۔ وہ اپنے اگلے قدم کو وہاں رکھتا تھاجہاں تک اس کی نگاہ کی پہنچ تھی۔ پھر انہوں نے اس پر مجھ کو سوار کرایا۔ پھر وہ میرے ساتھ باہر آئے۔ نہ مجھ سے آگے بڑھتے اور نہ میں ان سے)ابن اسحاق نے کہا مجھ کو خبر پہنچتی قتادہ سے۔اس نے کہا مجھ کو خبر پہنچی رسول اللہ صلعم سے کہ جب میں اس کے پاس آیا کہ سوار ہوؤں تووہ بھڑکا توجبرائیل نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا اور بولے اے براق تجھے شرم نہیں آتی ؟ یہ کیا کرتاہے ؟

1*اس بے ادبی کی جرات جبرائیل کو کیسے ہوئی۔

قسم خدا کی اے براق تجھ پر کبھی کوئی بندہ خدا سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک محمد سے زیادہ مرتبہ والاہو۔ پھر کہا کہ براق مارے شرم کے عرق عرق ہوگیا۔ پھر اس کو قرار ہوا تو میں اس پر سوار ہوا۔ حسن نے اپنی حدیث میں کہا کہ پھر رسول اللہ صلعم چلے جاتے تھے اور جبرائیل علیہ السلام بھی ان کے ساتھ ساتھ چلے جاتے تھے حتےٰ کہ بیت المقدس پہنچے۔ پس وہاں گروہ انبیاء میں ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کو پایا۔ پھر ان سب کی امامت رسول اللہ نے کی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر ان کے سامنے دو برتن لائے گئے۔ ایک میں شراب تھی ایک میں دودھ۔ پھر رسول اللہ صلعم نے دودھ کا برتن اٹھالیا پھر اس کو پیا اور شراب کا برتن چھوڑدیا۔ اس پر جبرائیل نے کہا اے محمد تم کوفطرت کی طرف ہدایت ہوئی اور ایسی ہی تمہاری امت کو ہدایت ہوئی۔ پس شراب تم پر حرام ہوئی۔ پھر رسول اللہ مکہ واپس آئے۔ پھر جب صبح ہوئی تو قریش کو اس کی خبر دی گئی۔ پھر بہت لوگ کہنے لگے کہ خدا کی قسم یہ بات توکھلی ہوئی ہے۔ خدا کی قسم قافلہ مکہ سے شام کو ایک ماہ میں پہنچتا ہے اور ایک ہی ماہ لوٹنے میں لگتا ہے مگر محمد رات ہی رات جا کر مکہ کو لوٹ بھی آئے۔

اور مشکواۃ میں سے ہم حدیث معراج کا ترجمہ طریق النجاۃ مولوی ابو محمد ابراہیم آردی سے نقل کرتے ہیں جلد رابع صفحہ 201تا202۔"رسول اللہ نے فرمایامیں حطیم میں چت لیٹا ہوا تھا کہ میرے پاس جبرائیل آئے اور میرا سینہ حلق سے ناف سے نیچے تک چیر ڈالا۔ پھر ایک لگن سونے کا ایمان سے بھرا ہوا لایا گیا اور میرا دل دھو کہ اس میں ایمان اور حکمت بھر دی 2*

1*کیا ایمان کوئی مادی اور مری چیز ہے جس سے لگن بھر سکے ؟2* گلے دیگر شگفت

پھر براق نامی ایک سفید جانور خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا لایا گیا۔وہ اپنا قدم اتنی اتنی دور رکھتا تھا کہ جہاں تک اس کی نگاہ جائے۔ میں اس پر سوار ہو کر جبرائیل کے ساتھ چلا اور آسمان دنیا تک پہنچا۔ جبرائیل نے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ دربان نے پوچھا کون ؟کہا جبرائیل پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے ؟کہا محمد۔ پوچھا کیا کوئی ان کے پاس بھیجا گیا تھا ؟جبرائیل نے فرمایاہاں بلائے ہوئے آئے ہیں۔کہا محمد صاحب خوب آئے اور فراخ جگہ میں آئے۔پھر دروازہ کھولا گیا۔ میں اندر گیا توآدم نظر آئے۔ جبرائیل نے فرمایا یہ آپ کے باپ آدم ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دے کر فرمایا اے سعادت مند بیٹے اور صالح پیغمبر خوب آئے۔ پھر مجھ کو اوپر لے گئے اور دوسرے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ دربان نے پوچھا کیا کوئی ان کو بلانے گیا تھا؟کہاہاں۔ دربان نے کہا مرحبا(خوب آئے) اچھاآنا آئے۔ پھر دروازہ کھول دیامیں اندر گیا تووہاں یحییٰ اور عیسیٰ موجود تھے۔ یہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبرائیل نے کہا یہ یحییٰ ہیں اور عیسیٰ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر فرمایا مرحبا سعادت مند بھائی اور صالح نبی اچھے آئے۔ پھر جبرائیل مجھ کو تیسرے آسمان پر لے چلے۔وہاں پہنچ کر دروازہ کھلوایا۔ دربان نے پوچھا کون ؟کہا جبرائیل پوچھا ساتھ اور کون ہے ؟کہا محمد۔ پوچھا کوئی ان کے بلانے کو بھی گیا تھا ؟کہاں ہاں۔ دربان نے مرحبا خوب آئے کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ جب تیسرے آسمان میں پہنچا تو یوسف کو دیکھا۔ جبرائیل نے کہا یہ یوسف ہیں۔ ان کوسلام کیجئے۔میں نے ان کو اسلام کیا۔

انہوں نے جواب دے کر فرمایا اے سعادت مند بھائی اور صالح نبی خوب آئے۔ پھر مجھ کو چوتھے آسمان پر لے چلے اور دروازہ کھلوایا۔دربان نے پوچھا کون ؟کہا جبرائیل۔ پوچھا آپ کے ساتھ کون ہے ؟کہا محمد پوچھا ان

کے بلانے کو بھی کوئی بھیجا گیا تھا؟ کہا ہاں ۔ تب دربان نے مرحبا کہہ کر خوب آئے کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ جب میں اس آسمان میں گیا تو وہاں ادریس تھے۔ جبرائیل نے فرمایا یہ ادریس ہیں ان کو سلام کیجئے میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دے کر فرمایا اے سعادت مند بھائی اور صالح نبی اچھا آنا آئے ۔ پھر مجھ کو پانچویں آسمان لے چلے اور دروازہ کھلوایا۔ دربان نے پوچھا کون ؟ کہا جبرائیل پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے ؟ کہا محمد۔ پوچھا بلائے آئے ہیں۔ ؟ کہا ہاں دربان نے مرحبا خوب آنا آئے کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ اندر گیا تو وہاں ہارون تھے جبرائیل نے فرمایا یہ ہارون ہیں۔ ان کو سلام کیجئے ۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دے کر فرمایا اے سعادت مند بھائی اور صالح نبی آنا آئے ۔ پھر چھٹے آسمان پر لے جا کر دروازہ کھلوادیا۔ دربان نے پوچھا کون ؟ کہا جبرائیل ۔ پوچھا ساتھ کون ہے کہا محمد ۔ پوچھا بلائے ہوئے آئے ہیں ؟ کہا ہاں ۔ دربان نے مرحبا اچھا آنا آئے کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ وہاں موسیٰ تھے ۔ جبرائیل نے فرمایا یہ موسیٰ ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دے کر فرمایا اے سعادت مند بھائی اور صالح نبی اچھا آنا آئے جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ رونے لگے ۔ پوچھا گیا کیوں روتے ہیں ؟ فرمایا اس پر روتا ہوں کہ میرے بعد دنیا میں ایک جوان بھیجا گیا۔ اس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائیگی۔

سے زیادہ جنت میں جائیگی ۔ پھر ساتویں آسمان پر لے چلے اور دوروازہ کھلوایا۔ دربان نے پوچھا کون ؟ کہا جبرائیل ۔ پوچھا اور کون ہے ۔ کہا محمد پوچھا بلائے ہوئے آئے ہیں ؟ کہا ہاں۔ دربان نے مرحبا خوب تشریف لائے کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ وہاں ابراہیم تھے۔ جبرائیل نے فرمایا یہ آپ کے باپ ابراہیم ہیں ان کو سلام کیجئے ۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دے کر فرمایا اے میرے سعادت مند بیٹے اور صالح نبی اچھا آنا آئے ۔ پھر میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا۔ اس کے بیر اتنے اتنے بڑے تھے جیسے بڑا مٹکا اور اس کی پتیاں ایسی تھیں جیسے ہاتھی کے کان جبرائیل نے فرمایا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے ۔ وہاں میں نے چار نہریں دیکھیں دو چھپی اور دو کھلی۔ میں نے پوچھا جبرائیل یہ کیا ہیں ؟ فرمایا چھپی ہوئی نہریں بہشت میں ہیں اور کھلی ہوئی دو نہریں نیل اور فرات (دنیا میں) ہیں پھر مجھے بیت المعمور دکھایا اور میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد آیا۔ میں نے فقط دودھ پی لیا تو جبرائیل نے فرمایا دودھ سے مراد دین ہے ۔ آپ اور آپ کی امت دین پر رہیگی۔ ---" اس کے بعد اور بہت سے باتیں لکھیں ہیں مثلاً حضرت آدم کا رونا وغیرہ جن کا ذکر یہاں ضروری نہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت محمد صاحب نے جو یہ معراج کا قصہ سنایا تو انہوں نے اس کو پایا کہاں سے ؟ واضح ہو ایک کتاب بنام ارتائے ویراف نامک ہے جو پہلوی زبان میں

بزبانہ اردشیر بابکان تخمیناً چار سو سال قبل از ہجرت تصنیف ہوئی تھی۔ اس میں اسی قسم کا قصہ ملتا ہے ۔ وہاں لکھا ہے کہ جب زردشت کا دین ملک ایران میں زوال پر آیا تو حکمائے مجوس نے فکر کی کہ دین کو از سر نو لوگوں کے دلوں میں زندہ کریں۔ پس انہوں نے ایک جوان کو جس کا نام ارتائے ویراف تھا آسمان کی طرف بھیجا کہ وہاں ہر چیز کا مشاہدہ کرکے وہاں کی خبر لائے ۔ چنانچہ اس کتاب میں اس جوان کے معراج کا حال لکھا ہے کہ کیونکر وہ طبقہ بطبقہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر ہوتا ہوا اوپر چلا گیا اور وہاں پر جا کر اس نے ہر شے کا مشاہدہ کیا۔ پھر ارمزد نے اس کو حکم دیا کہ جو جو چیزیں تو نے یہاں دیکھی ہیں زمین پر جا کر زردشتیوں کو بتلادے اور انہیں چیزوں کی کیفیت کتاب ارتائے ویراف نامک میں مندرج ہے ۔ یہاں دو تین اقتباس اس کتاب سے کرکے ہم دکھلاتے ہیں کہ وہ معراج کے قصہ سے کس قدر مشابہ ہیں۔ اس کی فصل 7 آیت 1 تا 4 کا ترجمہ یہ ہے :

بلندی کی طرف پہلی منزل میری ستارہ پایہ حومت (یعنی نیچے والے آسمان) تک ہے ۔ وہاں میں مقدسوں کی روحوں کی زیارت کرتا ہوں جو اس چمکتے ہوئے ستارہ کی مانند ہیں جس سے نور نکلتا ہے ۔ یہاں تخت و محل سرا نہایت روشن اور بلند اور بالا ہیں۔ پس میں نے پاک فرشتے اور آذر ایزد سے پوچھا کہ یہاں کون ہے اور یہ کون لوگ ہیں۔

واضح ہو کہ ستارہ پایہ اول منزل بہشت کی ہے اور سروش فرمانبرداری اور اطاعت کا فرشتہ ہے جو امشاس پند یعنی مقرب فرشتوں میں ایک ہے ۔ جس نے ارتائے ویراف کی آسمان تک رہنمائی کی۔ اسی طرز پر قصہ معراج میں جبرائیل نے حضرت محمد صاحب کو اس جگہ پہنچایا تھا۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ ارتائے ویراف ماہ پایہ یعنی آسمان دوم پر اور پھر خورشید پایہ آسمان سوم پر پہنچا اور پھر اور بہت سے آسمانوں تک گیا۔ چنانچہ فصل کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے :

"اور آخر میں اوپر پہنچا ۔ بہمن مقرب فرشتہ تخت زرین سے اترا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور حومت وحوخت وہو درست میں لایا۔ وہاں میں نے ارمزد ومقرب فرشتے اور اور دین کے سرداروں اور پیشواؤں کو دیکھا۔ وہ اس قدر نورانی تھے کہ ان سے زیادہ نورانی وہ بہتر چیز میں نے کوئی نہیں دیکھی۔ بہمن نے کہا کہ یہ ازمزد ہے اور میں نے چاہا کہ اس کے آگے کورنش بجالاؤں۔ تب اس نے مجھ سے کہا سلام تجھ کو اے ارتائے ویراف خوب ہوا کہ تو اس دار فانی سے اس پاک اور نورانی مقام میں آیا۔ پھر اس نے سروش پاک اور آذر ایزد (یعنی فرشتہ ناز) سے کہا کہ ارتائے ویراف کو لے جاؤ اور اس کو عرش اور مقدسوں کے ثواب اور بدوں کے

عذاب کامشاہدہ کراؤ۔آخر سروش پاک اور آذر ایزد نے میرا ہاتھ پکڑا اور وہ مجھ کو اپنے آگے آگے جا بجالے گئے اور میں نے ان مقرب فرشتوں کو اور دوسرے روحانیوں کو دیکھا۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ ارتائے ویراف نے بہشت اور پھر دوزخ کا مشاہدہ کیا۔ فصل 101 کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے :

آخر سروش پاک اور آذر ایزد نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو اس تاریک بھیانک اور پر خطر جگہ سے نکال کر اس نورانی مقام میں لے آئے جہاں ارمزد اور امشاسپند (مقرب فرشتے) کی مجلس ہے۔ تب میں نے چاہا کہ ارمزد کے حضور میں سلام کروں۔ وہ نہایت مہربان تھا۔ اس نے کہا اے خادم نیک ارتائے ویراف پاک پیغمبر ارمزد کے پرستاروں کے تو دنیائے مادی میں جا اور جو جو تو نے یہاں دیکھا اور سمجھا ہے سچ سچ خلائق کو بتلادے کیونکہ میں جو ارمزد ہوں یہاں رہتا ہوں۔ جو کوئی حق وراست بات کہتا ہے میں سنتا اور جانتا ہوں۔ تو یہی بات عقلمندوں سے کہدے جب ارمزد نے اس طرح کہا میں حیران ہوا کیونکہ میں نے ایک نور دیکھا جس میں جسم کے آثار نہیں تھے اور آواز سنی اور سمجھا کہ جو یہ اندیکھا ہے ارمزد ہے۔"

پس اس دستور مجوسی کے قصہ معراج میں اور حضرت محمد کے معراج میں ایک عجیب مشابہت روشن ہے :

علاوہ اس کے زردشتیوں کے پاس اسی مضمون کا ایک اور قصہ ہے جس اس زمانہ کے صدیوں پیشتر خود زردشت کے آسمان پر جانے کا حال بیان ہوا کیونکر اس کو اجازت ملی کہ وہ دوزخ کا مشاہدہ کرے جہاں اس نے اہرمن کو بھی دیکھا۔ یہ قصہ پارسیوں کی ایک موضوعہ کتاب زردشت نامہ میں تفصیل وار مندرج ہے ۔ اس قسم کے افسانے فقط ملک ایران ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے بت پرستوں کے درمیان بھی مروج ہیں ۔ چنانچہ سنسکرت کی ایک کتاب اندلوکا گمنم (یعنی سفر بعالم اندر) ہے ۔ اندر کو ہندو کرہ باد کا خدا سمجھتے ہیں۔ اس میں ایک شخص کی نسبت جس کا نام ارجن ہے لکھا ہے کہ اس نے بھی آسمان کا سفر کرکے ہر ایک شئے کا مشاہدہ کیا۔ اس نے اندر کا آسمانی قصر دیکھا جس کا نام دیونتی ہے جو نند نہ باغ میں واقعہ ہے اس مقام کی تعریف ہندوؤں کی کتابوں میں اس طرح آئی ہے کہ وہاں سدا نہریں جاری ہیں جو وہاں کی نباتات کو ہمیشہ تروتازہ رکھتی ہیں اور اس آسمانی باغ کے بیچو بیچ ایک درخت بھی ہے جس کا نام پکشجتی ہے ۔ اس میں پھل لگتا ہے اس کو امرتہ یعنی حیات کہتے ہیں۔ جو کوئی اس کو کھالے پھر کبھی نہ مرے۔ نہایت چمکیلے اور رنگارنگ خوبصورت پھول درخت کو زینت دیتے ہیں جو شخص اس کے سایہ تلے آرام کرے جو آرزو دل میں کرے پوری ہو۔ یہ درخت ویسا ہی معلوم ہوتا ہے جس کو مسلمان طوبےٰ کہتے ہیں۔ ایسا ہی ایک درخت زردشتیوں کے یہاں بھی ہے جو زبان اوستا میں خوابہ اور پہلوی میں ہومپا کہتے ہیں ۔ جس کے معنی ہیں عمدہ پانی کا مالک۔

کتاب دندیداو کے فرگرد پنجم میں جو عبارت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے :

نہایت شفاف نہریں دریائے یوئیتکہ سے دریائے دور کشتہ میں درخت خوابہ تک جاری ہیں۔اس جگہ انواع واقسام کی نباتات اگی ہوئی ہے ۔" یہ درخت وہی ہے جس کو عربی میں طوبیٰ کہا ہے اور اس میں اور ہندوؤں کے پکشجتی درخت میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ واضح ہو کہ ایسی ایسی باتیں نہ صرف ہندوؤں اور زردشتیوں کی کتابوں میں ملتی ہیں بلکہ بدعتی عیسائیوں کی موضوعہ کتابوں میں بھی موجود ہیں ۔ بالخصوص وصیت نامہ ابراہیم میں جس کا ذکر ہوچکا اور علاوہ اس کے ایک اور کتاب بھی ہے جو رویائے پولوس کے نام سے مشہور ہے چنانچہ پہلی کتاب میں تو ابراہیم کے معراج کا ذکر ہے اور دوسری میں مقدس پولوس کے معراج کا بیان ہے کہ کیونکہ دونوں ایک مقرب فرشتے کی رہنمائی سے آسمان پر گئے اور وہاں ہر چیز کا مشاہدہ کیا۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں اس کتاب کی سورت اول فصل 10 میں جو لکھا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "مقرب فرشتہ میکائیل نازل ہوا اور ابراہیم کو کروبی کی سواری پر بٹھلا کر آسمان کی طرف لے اڑا اور اس کو مع ساٹھ فرشتوں کے بادلوں پر لے آیا۔ تب ابراہیم کو اس سواری کے ذریعہ سے سارے عالم کی سیر کرائی۔

یہی اصل ہے اس سواری کی جس کا نام احادیث میں براق آیا ہے۔عبرانی اس کا نام باراق یعنی برق ہے اور اسی سے ملتا جلتا وہ حال ہے جو ایک دوسری موضوعہ کتاب حنوخ کی فصل 14 میں درج ہے ۔ ان کتابوں میں اس آسمانی درخت اور ان چاروں نہروں کا بھی بیان آیا ہے۔ اس درخت حیات کے بارے میں جو باغ عدن میں تھا یہودی کہتے ہیں کہ اس کی بلندی پانچ سو برس کی راہ تھی" جیسا تارگم یوناتان میں لکھا ہے اور بہت سی اور عجیب وغریب باتیں اس کی نسبت بیان ہوئی ہیں۔

اور یہ جو مسلمانوں کا ایک خیال ہے کہ حضرت آدم کی جنت آسمان پر تھی اس کا پتہ بھی بعض موضوعہ کتب خصوصاً رویائے پولوس میں ملتا ہے (فصل 45) اب خواہ ہندوؤں اور زردشتیوں نے اپنے یہاں ان باتوں کو ان موضوعہ کتب کے ذریعہ سے حاصل کیا ہو عیسائیوں کی یہ موضوعہ کتب ان پرستوں کے خیالات پر مبنی ہوں۔ مگر اس میں کسی کو بھی شک نہیں کہ وہ باتیں واہیات اور بادر ہوا ہیں۔ کوئی وقف کار شخص تو ہر گز ان کو قبول نہیں کرتا۔

جس طرح کھرے سکے کی دیکھا دیکھی لوگ جھوٹا اور جعلی سکہ بنانے لگتے ہیں اسی طرح سچے اور حقیقی واقعات کی نقل میں لوگوں نے ہزاروں جھوٹے قصے گھڑ لئے ہیں۔ پس جو یہ مختلف اشخاص کی معراجوں کے

قصے ہم پڑھتے ہیں یہ بھی اسی طرح پیدا ہوگئے۔ کتاب مقدس میں حضرت حنوخ وحضرت الیاس کےآسمان پر صعود فرماجانے کا ذکر آیا ہے ۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جناب مسیح بھی آسمان پر تشریف لے گئے اور کہ مقدس رسول پولوس نے رویا میں آسمانی اسرار کا مشاہدہ فرمایا۔ مقدس پولوس اپنی رویا کی نسبت فرماتے ہیں کہ جسم کے ساتھ یا جسم کے بغیر میں اس کو نہیں جانتا ۔ خداہی کو معلوم ہے ۔ ایک مرتبہ تووہ تیسرے آسمان تک یکایک پہنچائے گئے اور ایک مرتبہ فردوس تک یکایک پہنچائے گئے اور وہاں ایسی باتیں سنیں جوکھنے کی نہیں اور جن کاکھنا آدمی کو روا نہیں (انجیل شریف خط دوم کرنتھیوں باب 12)۔

مگر ان افسانوں میں اور ان حالات میں زمین وآسمان کا فرق ہے ۔ ویسا ہی فرق جیسا کہ شاہنامہ کے افسانوں اور تاریخ جہاں کشائے نادری کے واقعات میں اور یہ جو کچھ یہودیوں اور عیسائیوں کے افسانوں میں اور مسلمانوں کی حدیثوں میں درخت طوبیٰ اور چاروں نہروں کے باب میں لکھا ہے اس کی اصل توریت موسیٰ کی کتاب پیدائش باب 4آیت 7تا 17 ہے ۔ نادان لوگ جب یہ نہ سمجھ سکے کہ آدم کا باغ عدن اسی دنیا میں سرزمین بابل اور بغداد کے پاس تھا توانہوں نے اپنے وہموں کو دوڑایا اور حقیقت کو جھوٹ سے اور ایک سچی تاریخ کو لغوافسانوں سے بدل ڈالا۔

(2)ان باتوں کی کیفیت جو قرآن وحدیث میں جنت وحور غلمان وجنات وملک الموت وذرات کائنات کے باب میں مندرج ہیں۔ چونکہ ہر مسلمان ان باتوں سے واقف ہے اور جانتاہے کہ ان کا مذکور قرآن وحدیث میں آیا ہے پس یہاں ان کی کچھ تفصیل لکھنا ضروری نہیں ہے ۔ان تمام باتوں کا ماخذ زردشتی تعلیمات ہیں کیونکہ کتب انبیائے بنی اسرائیل میں ان کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔ نبیوں اور حواریوں نے صرف اس قدر بیان ہے کہ ایمانداروں کے لئے آخرت میں ایک آرام کی جگہ مقرر ہے جس کو آغوش ابراہیم یا جنت یا بہشت کہتے ہیں۔ مگر انہوں نے غلمان کا کوئی ذکر کہیں نہیں کیا لیکن ان چیزوں کی جو کچھ تعریف ہندوؤں اور زردشتیوں کی کتابوں میں بیان ہوئی ہے وہ قرآن وحدیث کے اقوال سے ازبس مشابہ ہے ۔

مثلاً حوروں کی تعریف سورہ رحمٰن ع 3 اور سورہ اقعہ ع 1 میں اس طرح آئی ہے ۔ "گوریاں پردہ نشین خیموں میں " اور " گوریاں بڑی آنکھوں والیاں گویا موتی صدف میں ۔"

قدیم زردشتیوں کا عقیدہ پیرکان یعنی پریوں کے باب میں جو مونث ارواح ہیں اسی قسم کا تھا۔ ان کے گمان کے موافق پریاں ارواح مادہ جو ہوا میں رہتی ہیں اور جن کا علاقہ ستاروں اور نورسے ساتھ ہے ان کا حسن اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ آدمیوں کے دل ان کے گرفتار ہوجاتے ہیں۔ وہ علماء جو سوائے عربی اور کچھ نہیں جانتے لفظ حورعین کو عربی سمجھتے ہیں اور حار سے مشتق مگر دراصل اس لفظ کا مادہ اوستا اور پہلوی زبان میں ہے ۔

اوستا کا لفظ حوری بمعنی آفتاب ہے ۔ پہلوی میں وہی لفظ ہوہے اور فارسی حوری کو اپنی زبان میں لے لیا مگر اس کی اصل کو بھول گئے اور سمجھ بیٹھے کہ آنکھوں کی سیاہی کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑا جو عربی لفظ حار کے معنی میں داخل ہے ۔

پرانے ہندوؤں میں بھی اسی قسم کے آسمانی لڑکوں اور لڑکیوں کا خیال تھا۔ اہل اسلام جن کو حور وغلمان کہتے ہیں ہندو ان اپسرس اور گندھروس کہتے ہیں۔ چنانچہ منو کے دھرم شاستر کے باب 7آیت کا ترجمہ یہ ہے :شاہان زمین جب ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کی آرزو میں باہم زور آزمائی کرکے جنگ کرتے ہیں اور مقابلہ سے منہ نہیں پھیرتے توآسمان کو جاتے ہیں" اور اسی طرح کلو پاکھیا نم میں اندر نے راجہ نل سے یوں کہاہے ترجمہ باب 2آیت 17و18 " دنیا کے عادل محافظ جو جنگجو اور جان نثار ہیں جو وقت پر منہ نہیں موڑے اور شمشیر بدست موت کامقابلہ کرتے ہیں۔ یہ عالم باقی انہیں کی میراث ہیں۔"

ان اقوال سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے بت پرستوں کا بھی خیال تھا کہ جنگ میں کام آنا مقتول کے لئے آسمان وبہشت وحور غلمان کماتا ہے ۔

واضح ہو کہ لفظ جنی بھی عربی نہیں ہے ۔ اگر یہ لفظ فعل جن سے نکلا ہوتا تو اس کی شکل جنین بروزن قلیل ہوتی۔ اصل میں یہ لفظ اوستا کے لفظ جینی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں شرپر روح اور جنت کو فارسی میں بہشت کہتے ہیں یہ اوستا کےلفظ دہشتوئے سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کامل وسب سے عمدہ اور زردشتی جنت کو وہشتواہو یعنی جہان بہترین کہتےہیں جیسا کہ یسنہ 9 کی صفر 65میں لکھا ہے ۔

تران(یعنی میزان کی حدیث نقل ہوچکی کہ آنحضرت نے معراج میں آدم کو دیکھا وہ داہنی طرف کے لوگوں کو دیکھ کر ہنستے تھے اور بائیں والوں کو دیکھ کر روتے تھے اور ہم نے وہاں یہ بھی بتلادیا کہ یہ بات وصیت نامہ ابراہیم میں لکھی ہوئی ہے ۔مگر قصوں میں ایک فرق بھی ہے جن روحوں کا ذکر وصیت نامہ ابراہیم میں ہے وہ مرے ہوئے لوگوں کی روحیں ہیں۔ مگر احادیث کے موافق وہ ان لوگوں کی روحیں ہیں۔ مگر احادیث کے موافق وہ ان لوگوں کی روحیں ہیں۔ جوابھی پیدا نہیں ہوئے۔ جن کو اہل اسلام کی اصطلاح میں ذرات کائنات کہتے ہیں۔ ذرہ کے معنی ہیں چھوٹی چیونٹی اور ذرات اس غبار کو بھی کہتے ہیں جوشعاع آفتاب میں چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ یہ لفظ تو عربی ہے ولیکن ذرات کائنات والاعقیدہ زردشتیوں سے لیا گیا ہے ۔ ذرات کائنات کو زبان اوستا میں فروشی اور پہلوی میں فروھر کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ زردشتیوں نے اس تعلیم کو مصریوں سے سیکھا ہو لیکن اہل عرب نے اس خیال کو ایرانیوں سے حاصل کیا اور یوں وہ اسلام میں داخل ہوگیا۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ ملک الموت کا خیال بھی مسلمانوں کو اہل یہود سے ملا ہے ان کے یہاں بھی اس فرشتہ کا زبان عبرانی میں وہی لقب ہے لیکن اس کے نام میں فرق ضرور ہے ۔یہود اس سمائیل کہتے ہیں مسلمان عزرائیل لیکن یہ نام بھی عربی نہیں بلکہ عبرانی ہے جس کے معنی ہیں نصرۃ اللہ ۔اس فرشتہ کا ذکر کتاب مقدس میں ہے لیکن یہودیوں نے اس کے بارے میں اور جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ بیان کہیں اور سے پایا اور غالباً اس کا ماخذ کتاب اوستا ہے جہاں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پانی یا آگ یا مثل اس کے اور شئے میں غرق ہوجائے یا جل مرے تو اس کو ہلاک کرنے والا پانی یا آگ نہیں بلکہ ملک الموت ہے ۔جس کو اوستا میں استوویدھوتش کہتے ہیں ۔دیکھو وندیداد فرگرد سطر 25تا35۔

(3) عزازیل کے دوزخ سے نکلنے کا قصہ ۔مسلمانوں نے یہ نام اہل یہود سے قرض لیا۔ وہ بھی شیطان کو اسی نام سے پکارتے ہیں۔یہی نام توریت کتاب احبار باب 16آیت 8،2،26 مندرج ہے لیکن اس کے جہنم سے نکلنے کا قصہ مسلمانوں نے زردشتیوں سے حاصل کیا ہے جیسا حدیثوں کو پہلوی کتاب بوندھشینہ یعنی آفرینش کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے ۔

قصص الانبیاء صفحہ 9 میں لکھا ہے خدا تعالیٰ عزازیل را پیدا کرو۔ عزازئیل در سجین ہزار سال خدا تعالیٰ راسجدہ کرو۔ آنگاہ برزمین آمدو بہر طبقہ ہزار سال خدا تعالیٰ راسجدہ کروتا برزمین دنیا آمد یعنی جب خدا تعالیٰ نے عزازئیل کو پیدا کیا تو اس نے ہزار برس تک سجین میں سجدہ کیا۔ پھر زمین پر آیا اور ہر طبقہ پر ہزار برس تک سجدہ کرتا رہا حتیٰ کہ زمین دنیا پر آیا۔ پھر عرائس المجالس صفحہ 43 میں لکھا ہے "ابلیس تاسہ 3ہزار سال نزد دروازہ جنت ماند بامید ضرر رسانیدن بحضرت آدم وحواز براداش ازحسد بود یعنی ابلیس یا عزازیل تین ہزار برس جنت کے دروازہ کے آس پاس اس امید میں رہا کہ حضرت آدم وحوا کو ضرر پہنچائے کیونکہ اس کا دل حسد سے پر تھا۔اور کتاب بوندھشنہ فصل 1و2 میں لکھا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "اہرمن تاریکی اور جہالت میں آزار پہنچانے کی آرزو میں غار کے اندر پڑا رہا ۔۔۔۔۔اور اس کا ظلم اور نیزہ وہ تاریکی ایک مقام ہے جس کو ظلمات کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ ارمزد جس کے احاطہ علم میں سب کچھ ہے وہ اہرمن کے وجود سے آگاہ تھا کیونکہ وہ اپنے تئیں برانگیختہ کرتا ہے اور حسد کی آرزو میں پیچ وتاب کھاتا ہے ۔۔۔۔۔تین ہزار سال تک یہ دونوں (یعنی ارمزد واہرمن) اسی طرح رہے جیسے تھے۔ انہوں نے کچھ بھی حرکت نہ کی۔۔۔۔۔۔شریر روح اپنی غفلت کی وجہ سے ارمزد کے وجود سے لاعلم رہی۔ اور آخر کار اس غار سے نکلی اور نورانی تالم تک پہنچی اور ارمزد کے جلوہ کو دیکھا۔۔۔۔۔۔ اور پھر اپنی آزار پہنچانے کی آرزو اور حسد وعداوت کے مارے غارتگری میں مشغول ہوئی۔"

حدیثوں اور زردشتیوں کی اس تعلیم کے درمیان ایک تفاوت توعیاں ہے ۔حدیثوں میں لکھا ہے کہ عزازیل پہلے خدا کی عبادت کرتا تھا زردشتی کہتے ہیں کہ اہرمن کو پہلے خدا کے وجود کی خبر نہ تھی تو بھی دونوں قصے اس بات پر متفق ہیں کہ عزازئیل اور اہرمن ہر دو شروع میں سجین یا زوفائی یعنی قعر میں تھے اور وہاں سے نکل کر ہر دو خلق خدا کو برباد کرنے میں مشغول ہوئے۔اس قصہ کو ختم کرنے سے پیشتر چند باتیں اور ہیں جن کے ذکر سے ان دونوں حکایتوں کا آپس میں علاقہ ثابت ہوجائے گا۔دونوں کے موافق طاؤس کو عزازیل یعنی اہرمن کے ساتھ مناسبت ہے ۔ قصص الانبیاء میں مرقوم ہے ۔"چوں عزازیل پیش درجنت نشتہ بود ومیخواست داخل گردوہ طاؤس ازبہشت بر کنگرہ نشتہ بود یکے رادید کہ اسمہائے اعظم میخواند ۔طاؤس گفت تو کیستی ؟ گفت من فرشتہ ام فرشتگان خدائے عزوجل گفت اینجا چرانشتہ گفت انظر الجنۃ یعنی نظر مے کنم بہشت طمیخواہم کہ در بہشت آیم۔ طاؤس گفت مرافرمان نیست کہ کسے راد بہشت گذرام تاآدم دربہشت است ۔ گفت اگر مرادر بہشت راہ وہی چناں دعاآموزانم ہر کہ دعا انخواند دے راسہ چیز بودیکے آنکہ پیر نشود۔ دوم سرکش نباشد۔ سوم آنکہ ہرگزاور از بہشت بیروں نکنند ابلیس آں دعا بخواند۔طاؤس نیز بخواند ۔ از کنگرہ در بہشت پرید۔ ہرچہ از ابلیس شنید بود بامار گفت یعنی عزازیل درجنت پر اس آرزو میں بیٹھا ہوا تھا کہ اندر گھسے۔ طاؤس بھی بہشت کے ایک کنگرہ پر بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی شخص اسم اعظم پڑھ رہا ہے ۔ اس سے پوچھا تو کون ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ میں خدا تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک ہوں۔ پھر پوچھا آخر یہاں کیوں بیٹھا ہے ؟ بولا میں بہشت کو دیکھ رہا ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ اس اندر آؤں۔ طاؤس نے کہا مجھے حکم نہیں کہ جب تک آدم یہاں ہے کسی کو اندر گھسنے دوں۔ وہ بولا اگر تو مجھ کو بہشت کے اندر آنے دے تو میں تجھ کو ایک ایسی دعا سکھلادوں کہ جو اس کو پڑھے اس کو تین چیزیں حاصل ہوجائیں۔ ایک یہ کہ کبھی بوڑھا نہ ہو۔ دوسرے کبھی سرکش نہ ہو۔ تیسرے پھر کبھی بہشت سے نکالا نہ جائے۔ تب ابلیس نے وہ دعا پڑھی اور طاؤس نے بھی دعا پڑھی۔ پھر وہ کنگرہ پر سے اڑا اور بہشت میں آیا ۔ اور جو کچھ ابلیس کے منہ سے سنا تھا آکر سانپ سے بیان کیا۔

اس کے بعد مرقوم ہے کہ چوں خدا تعالیٰ حضرت آدم وحوا وابلیس راز بہشت برزمین انداخت طاؤس انیز ہمراہ الیشان اخراج نمود یعنی جب خدا تعالیٰ نے آدم اور حوا اور ابلیس کو بہشت سے زمین پر گرایا تو طاؤس کو بھی ان کے ساتھ ہی نکالا۔

زردشتیوں کے یہاں طاؤس کی حکایت کچھ اور طرح پر ہے ولیکن وہ لوگ بھی اس اہرمن کا مددگار جانتے ہیں۔ چنانچہ ارمنی کتاب رد بدعتہا مصنفہ نیر نیق باب 2 میں جو لکھا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے " زردشتی کہتے

ہیں کہ اہرمن بولا کچھ یہ بات نہیں ہے کہ میں کوئی اچھی چیز بنا نہیں سکتا بنانا چاہتا نہیں اور اسی قول کے ثبوت میں اس نے طاؤس بنادیا" جب طاؤس کو عزازیل کا مخلوق مانا تو اس میں کوئی تعجب نہیں رہتا کہ اس نے عزازیل سے تعلیم حاصل کرکے اس کی مدد کی اور اسی کے ساتھ جنت سے نکالا گیا۔

نور محمدی کا قصہ قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ حضرت محمد نے فرمایا اول چیز کہ یا فرید نور من بود (صفحہ 2و282) یعنی اول شے جس خدا نے پیدا کیا میرا نور ہے ۔ پھر روضتہ الاحباب میں مرقوم ہے کہ آنحضرت نے کہا تھا کہ جب حضرت آدم پیدا ہوچکے تو خدا نے اس نور کو ان کی پیشانی میں رکھا اور کہا اے آدم یہ نور جو میں نے تیری پیشانی میں رکھا اس کا ہے جو تیری اولاد میں سب سے نجیب اور بہتر اور میرے رسولوں کا سردار ہے ۔ پھر لکھا ہے کہ وہ آدم سے شیث اور شیث سے اس کی اولاد کو سپرد ہوتا آیا اور پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا عبداللہ بن عبدالمطلب تک پہنچا اور اسے آمنہ کو بلاحتیٰ کہ حضرت محمد صاحب اس کے حمل میں درآئے۔ اور احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت محمد نے کہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کئے۔ ایک حصہ سے عرش بنایا۔ ایک سے قلم۔ایک سے بہشت اور ایک سے ایماندار لوگ۔ پھر ان چاروں حصوں میں سے ہر ایک کے چار چار حصے کئے ۔ اس میں سے پہلے حصہ سے اس نے مجھ کو پیدا کیا جو سب سے بزرگ اور مکرم رسول ہوں۔ دوسرے حصے سے اس نے عقل کو پیدا کیا اور اس کو ایمانداروں کے سروں میں جگہ دی ۔ تیسرے سے اس نے حیا کو پیدا کیا اور اس کو ایمانداروں کی آنکھوں میں رکھا اور چوتھے سے اس نے عشق کیا اور ایمانداروں کے دلوں میں رکھا (قصص الانبیاء صفحہ 2)۔

یہ افسانے بھی زردشتیوں کی کتابوں میں موجود ہیں۔ کتاب مینو خرومین جو ساسانیوں کے عہد میں بزبان پہلوی تصنیف ہوئی یوں لکھا ہے کہ ارمزد خالق نے اس جہان کو اور اپنی تمام مخلوق کو مقرب فرشتوں کو اور عقل آسمانی کو اپنے خاص نور سے زمانہ بے نہایت کی مدد سے پیدا کیا ۔ ایک اور کتاب سفر مینو خرد سے بھی قدیم تر ہے ۔ اس میں بھی اسی نور کا ذکر ہے چنانچہ پشت 19 کے بیان یمہ خشتیہ کی (جواب جمشید کے نام سے مشہور ہے) عبارت کا ترجمہ یہ ہے :

"وہ چکا چوندھ کا شاہانہ نور اچھے گلہ کے مالک جمشید کے ساتھ مدت دراز تک وابستہ رہا اس زمانہ میں جبکہ وہ ہفت اقلیم پر جنوں اور انسانوں اور جادوگروں اور پریوں اور عفریتوں اور بدکاروں پر حکومت کرتا تھا۔ ۔۔۔۔۔۔پس جب اس نے لغو اور جھوٹی باتوں کو اختیار کرلیا تو وہ نور کا ہالہ اس سے جدا ہوکر ایک پرندہ کی صورت میں غائب ہوا۔۔۔۔۔ جب جمشید اچھے گلہ کے مالک نے اس نور کو نہ دیکھا تو شادمانی اس کے دل سے مٹ گئی اور پریشان ہوکر وہ زمین پر فساد کرنے میں مشغول ہوا۔ پہلی بار وہ نور جمشید ابن یوغان یعنی خورشید سے بصورت وراغ پرندہ یعنی برق جدا ہوا اور آفتاب نے اس نور کو لے لیا۔۔۔۔ دوسری بار پھر وہ نور جمشید ابن دیوغان سے بصورت وراغ پرندہ جدا ہوا تو فریدوں دلاور پسر جیل آثو یانی نے اس نور کو لے لیا اور وہ فتحمند مردوں میں سب سے فتح ہوگیا۔ ۔۔ جب تیسری بار وہ نور پھر جمشید ابن دیوغان سے اسی وراغ پرندہ کی شکل میں جدا ہو تو گرشاسپ بہادر نے اس نور کو لے لیا اور زور آور لوگوں میں سب سے زور آور ہوگیا"۔

ان دونوں قصوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمشید نے وجواوستا کی تعلیم کے موافق پہلا آدمی تھا جس کو خدا نے روئے زمین پر پیدا کیا اور جو اس وجہ سے گویا حضرت آدم ابوالبشر کی جگہ پر ہے) اس نور کو اپنی اولاد میں سب سے بہتر کو سپرد کیا جو موافق احادیث کے ہے جو نور محمدی کے باب میں ہیں ۔1*۔پس ظاہر ہوا کہ قدیم ایرانیوں کا یہ قصہ مسلمانوں کے افسانہ نور محمدی کی بنیاد ہے اور انہوں نے اس کو زردشتیوں سے پایا۔ علاوہ اس کے یہ بھی واضح ہو کہ اس زردشتی صحیفہ میں جمشید کی نسبت لکھا ہے کہ وہ جن وانس وعفریتوں وغیرہ پر سلطنت کرتا تھا۔ یہودیوں نے اسی کے موافق ایسا اعتقاد حضرت سلیمان کی بابت رکھا ہے اور مسلمانوں نے اس قصہ کو بھی یہودیوں سے لیا

1*محققین نے اس قسم کی احادیث کو موضوعہ احادیث میں شمار کیا ہے۔مگر عوام الناس میں یہ بہت مشہور حدیثیں ہیں جن کو مولود خوان بڑے تپاک سے لوگوں کو سنایا کرتے ہیں۔

قبول کرلیا جیسا کہ ہم فصل دوم اور سوم میں بیان کرچکے ہیں۔ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ نور محمدی کے منقسم ہوجانے کی نسبت جو کچھ مسلمانوں نے کہا ہے وہ بھی زردشتیوں کی کتاب وساتیر آسمانی نامہ شت زرتشت میں مفصل لکھا ہوا ملتا ہے ۔

(5) پل صراط اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کو پل صراط پر سے ہوکر گزرنا ہوگا ۔جو زمین اور بہشت کے درمیان جہنم کے اوپر بنا ہوا ہے۔ یہ پل بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز ہے ۔ بدکار اس کے اوپر سے گرکر آتش جہنم میں جا پڑینگے ۔ ہم اس تعلیم کا بھی پتہ بتلاسکتے ہیں۔

پہلا امر دریافت طلب یہ ہے کہ لفظ صراط کس سے مشتق ہے ؟ اس کی اصل زبان عربی میں نہیں ملتی ۔ یہ لفظ معرب معلوم ہوتا ہے اور فارسی زبان سے لیا گیا ہے ۔زردشتی اس پل کو چنیود کہتے ہیں ۔ زبان عربی میں حرف چ تو ہوتا نہیں ۔ اس کے عوض صاد لاتے ہیں چنانچہ چین عربی میں صین ہوجاتا ہے ۔

مگر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس نام وشے کی بابت اہل عرب کا جو عقیدہ تھا وہ زردشیوں سے لیا گیا چنانچہ ان کی کتاب دین کرت جز2 فصل 81 آیت 5و6 کے مضمون کا ترجمہ یہ ہے " میں بہت گناہوں سے بھاگتا ہوں اور پرہیزگاری کے ساتھ اپنے اعمال کی محافظت کرتا ہوں اور ان کو پاک رکھتا ہوں۔ حیات کی

چھ قوتوں پر یعنی فعل قول خیال عقل ہوش وخرد پر آئے نیک اعمال کے پیدا کرنے والے قادر میں تیری مرضی کے موافق عدل کے ساتھ کار بند ہوں۔ میں تیری عبادت کا خیال وقول اور نیک اعمال کے ساتھ بجالاتا ہوں تا کہ میں نور کے راستہ میں رہوں۔ تا کہ دوزخ کے سخت عذاب کے پاس نہ جاؤں اور پار اتر جاؤں چنیود پر سے جو وہاں پہنچوں تا کہ اس سب سے اچھے مقام میں داخل ہوؤں جو خوشگوار خوشبوؤں سے بھرا ہوا سراسر مرغوب اور ہمیشہ منور ہے۔"

گو اس پل کا نام صراط پڑا اور پھر اس لفظ کے معنی راہ ہوگئے لیکن اس کے حقیقی معنی زبان عربی سے دریافت نہیں ہوتے۔ فارسی میں چنیود کے معنی بہت صاف ہیں کیونکہ یہ لفظ چیدن بمعنی جمع کرنا اور ملانا اور وتر بمعنی گذر سے مشتق ہوا اور کل لفظ چنیود کے معنی پل ملادینے والا ہے۔ کیونکہ وہ بہشت وزمین کو آپس میں ملادیتا ہے۔

(6) بعض دیگر مضامین ان تمام باتوں کا ذکر جو مسلمانوں نے زردشتیوں سے پائیں بہت ہی طویل ہوگا اس لئے ہم یہاں صرف تین چار باتوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کا قول ہے کہ ہر نبی اپنی وفات سے پہلے آنے والے نبی کی بشارت دیتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم نے حضرت موسیٰ کی بشارت دی۔ حضرت موسیٰ نے حضرت داؤد کی اور پھر اسی ترتیب سے اور نبیوں نے اپنے جانشینوں کی بشارت دی۔ لیکن کتب انبیاء کے پڑھنے والے پر مخفی نہیں کہ برخلاف اس کے جملہ انبیاء نے شروع سے آخر تک ایک کے بعد دوسرے نے صرف حضرت مسیح کی بشارت دی اور بس۔ بس مسلمانوں کا یہ خیال کتب مقدسہ کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ دراصل زردشتیوں کی کتاب وساتیر آسمانی کے موافق ہے۔ جن کو صاحب دبستان مذاہب اور برہان قاطع نے پڑھا تھا اور اس کی بابت خود زردشتیوں کا قول ہے کہ وہ کتاب پہلے آسمانی زبان میں لکھی گئی اور پھر زمانہ خسرو پرویز میں زبان دری میں اس کا ترجمہ ہوا اور اب وہ اصلی زبان میں اور نیز زبان دری میں موجود ہے۔ ملافیروز جس نے اس کتاب کو چھاپا دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں پندرہ صحیفے ہیں جو پندرہ پیغمبروں پر نازل ہوئے۔ ان میں پہلا پیغمبر حضرت مہا بھاد تھا اور سب سے پچھلا ساسان پنجم اور حضرت زردشت کا نمبر اس سلسلہ میں تیرہواں ہے۔ ان صحیفوں میں ہر ایک کے آخر اس پیغمبر کی بشارت درج ہے جو مابعد آنے والا ہے۔ گو یہ کتاب موضوعہ ہے مگر اہل اسلام نے جن کے درمیان یہ خیال مقبول ہے اس کو اسی زردشتی کتاب سے حاصل کیا۔ اس کتاب میں ہر صحیفہ کی دوسری آیت یہ ہے کہ فریشد شمتائے ہرشندہ ہرشش گرز مرپان فراہیدود جوزبان دری میں لکھی ہے "بنام ایزد بخشائیندہ بخشایش گر مہربان واد گر" اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ مقولہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے مطابق ہے جو قرآن کی تعلیم سورتوں کے آغاز میں لکھا ہے اور کتاب بوندھشنیہ کے ابتدائی الفاظ بھی یہی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے " ساتھ نام ارمزد پیدا کرنے والے کے"۔

یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ زردشتی ہر روز پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں جن کا نام رتو ہے۔ مگر اس معاملہ میں زردشتیوں اور صائبین کے درمیان مطابقت ہے کیونکہ مسلمانوں کی پنج وقتی دعا جس کو نماز کہتے ہیں درحقیقت صائبین کی ہفت وقتی نماز کے پانچ وقتوں کے مطابق ہے۔

(7) اگر کوئی کہے کہ یہ بات محال ہے کہ حضرت محمد صاحب نے زردشتیوں کے قصوں اور رسوم کو پسند کرکے قرآن وحدیث میں داخل کرلیا ہو اور کہ یہ بھی ناممکن تھا کہ وہ امی نبی ان باتوں سے واقف بھی ہوسکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول توروضتہ الاحباب میں مرقوم ہے کہ حضرت کی عادت تھی کہ ہر مدت کے لوگوں سے جو آپ کے پاس آتے تھے آپ کچھ نہ کچھ ان کی زبان میں بات چیت کرتے تھے اور چونکہ اس طرح بعض اوقات زبان فارسی بھی بولنے کا اتفاق پڑا اس وجہ سے فارسی الفاظ بھی زبان عربی میں مروج ہوگئے1*۔

(دوم) جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ آنحضرت نے یہودیوں کے قصے اور بت پرست عربوں کی کہانیاں اور ان دونوں کی بہت سی رسمیں اور عادتیں پسند فرما کہ قرآن کے اندر لے لیں تو پھر کونسی مشکل تھی کہ اسی طرح آپ ایرانیوں کے قصے کہانیاں بھی پسند فرماتے ہیں؟ قرآن کی تو ایسی بہت سے حکایتیں ہیں جن کی بابت یہ مسلم ہے کہ وہ آپ کے زمانہ کے عربوں کے درمیان مروج ہورہی تھیں جیسا کہ الکندی نے لکھا " اگر تو کہے کہ عادو ثمود کا اور اونٹنی کا اور اصحاب فیل کا اور مثل اس کے اور قصے ہیں کہ انہیں کوئی نہیں جانتا تھا تو ہم کہیں گے کہ یہ جھوٹی خبریں اور واہیات خرافات باتیں ہیں جنہیں رات دن بطور قصہ کہانی کے لوگ کہا کرتے تھے۔ (ترجمہ معذرت صفحہ 70)

سوم ابن ہشام وابن اسحاق کی سیرۃ الرسول سے معلوم ہوتا ہے کہ

آنحضرت کے اصحاب میں سے ایک شخص ایرانی سلمان فارسی 1* تھا جس کے سمجھانے کے موافق آپ نے مدینہ کے محاصرے کے وقت خندق کھدوائی تھی اور غزہ ثقیف طائف کے وقت اس کی رائے سے آپ نے پہلے پہل گوپھنوں کا استعمال کیا تھا اور یہ بات بھی مشہور ہے کہ آنحضرت کے محاصرین آپ کی مخالفت میں

1* آنحضرت فارسی جانتے تھے کہ اور کبھی کبھی بولتے تھے۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے سنن ابن ماجہ ابواب العب عن ابی ہریرۃ قال ہجر النبی صلعم فہجرت فصلیت ثمہ جلست ذالتفت الی النبی صلعم فقال اشکمت درد قلت نعم یعنی ابوہریرہ سے روایت ہے نبی صلعم دوپہر کو چلے میں بھی چلا پھر میں نے نماز پڑھی پھر میں بیٹھا پھر نبی صلعم میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا اشکمت درد کیا تیرے پیٹ میں درد ہے میں بولا ہاں۔ یہ جملہ حضرت کی فارسی بولنے کی کوشش تھی)۔

اکثر کہتے تھے کہ قرآن بنانے میں یہ مسلمان آنحضرت کی مدد کیا کرتا ہے چنانچہ بیضاوی ومدارک وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ سورہ نحل ع 14 میں بہت سے اور لوگوں کے ساتھ سلمان فارسی کی طرف بھی اشارہ ہوا ہے چنانچہ مرقوم ہے کہ "اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھاتا ہے آدمی جس پر تعریض کرتے ہیں اس کی زبان ہے اوپری اور یہ زبان عربی صاف)البتہ اگر مخالفین یہ کہتے ہیں کہ قرآن حسن عبادت میں وہ عجمی شخص آنحضرت کی مدد کرتا ہے تو یہ جواب شاید کافی ہوتا لیکن ایسا جواب ان لوگوں کے دعوے کے سامنے ہیچ ہے جو کہتے ہیں کہ آنحضرت نے عرب و عجم دونوں سے تالیف قرآن کے لئے سامان بہم پہنچایا تھا اور اب تو انہوں نے ثابت ہی کردیا کہ قرآن وحدیث میں بہت سے مضامین ہیں جو حیرت انگیز مشابہت ومطابقت ان باتوں سے رکھتے ہیں جو زردشتیوں کی کتابوں میں موجود ہیں۔ پس قرآن کا یہ قول کسی طرح اس اعتراض کو رد نہیں کرسکتا تھا بلکہ جو بات اس سے روشن ہے وہ یہی ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں یہ بات طشت ازبام ہوچکی تھی کہ آپ سلمان فارسی سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اس میں کوئی چارہ نہیں بجزاس کے کہ اس امر کو تسلیم کرلیا جائے کہ زردشتیوں کی کتابیں بھی دین اسلام کے سر چشموں میں سے ہے۔

1 *کتب سیر میں لکھا ہے کہ یہ سلمان فارسی پہلے زردشتی دین رکھتا تھا مابعد تحقیق سے عیسائی ہوا اور شام کے ملک کی سیر کرتا پھر ابعد آکر آنحضرت کے پاس مسلمان ہوگیا۔

فصل ششم

حنفائے عرب کا بیان اور یہ کہ ان لوگوں نے آنحضرت اور ان کے دین پر کس قدر اثر ڈالا ہے

حضرت محمد صاحب کے ظہور کے قبل بعض اہل عرب بت پرستی وشرک سے متنفر ہوکر دین حق کی کھوج میں لگے ہوئے تھے اور چونکہ یہودیوں سے اور شاید ان مقامی روایات سے بھی جو قدیم زمانہ سے بتواتر ان کے عہد تک پہنچی تھیں ان کو معلوم ہوگیا تھا کہ حضرت ابراہیم جن کی اولاد ہونے کا ان کو دعوےٰ تھا خدائے واحد کے پرستار تھے اس لئے ان میں سے بعض لوگ خاص کر مکہ ومدینہ اور طائف میں خلیل اللہ کے دین کی تلاش کرتے تھے اور بتوں کی عبادت اور شرک کو ترک کرچکے تھے اور یہ لوگ جو اس اہم دینی تحقیقات میں مشغول تھے حنفا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان ہی میں سے ابوامیر اور اس کے ساتھی مدینے والے تھے اور امیہ ابن صلت طائف کا اور خاص اہل مکہ میں سے چار شخص مشہور تھے یعنی ورقہ وعبید اللہ عثمان وار زید۔ ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کے لوگوں کے خیالات اور رویہ اور بات چیت نے بالخصوص ورقہ بن نوفل اور زید بن عمرو کی تعلیم نے آنحضرت کے دل پر اور ان کے دین پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا جس کی دلیل خود قرآن میں روشن ہے۔

ان حنفا کا کچھ قصہ ہم یہاں ابن ہشام اور ابن اسحاق کی زبانی سناتے ہیں یوں تو آنحضرت کی سیرت پر اور لوگوں نے بھی کتابیں لکھی ہیں لیکن ابن ہشام کی کتاب سیرۃ الرسول سب کتابوں میں معتبر سمجھی جاتی ہے کیونکہ اس کا زمانہ آنحضرت کے زمانہ سے قریب ترین ہوا ہے۔ حضرت کے اعمال واقوال کو قلمبند کرنے والوں میں سب سے پہلا مورخ زہری ہے جس نے 124ھ میں وفات پائی۔ اس نے جو کچھ لکھا تھا آنحضرت کے اصحاب کی متواتر روایات سے حاصل کیا تھا۔ بالخصوص عروہ کی سند سے جو حضرت عائشہ کے عزیزوں میں تھا۔ اس میں تو شک نہیں کہ اس قدر مدت گذر جانے کی وجہ سے ان روایات میں بہت کچھ مبالغہ اور اشتباہ مل گیا تھا تو بھی اگر زہری کی کتاب اس وقت موجود ہوتی تو غالباً اس سے ان لوگوں کا بڑا کام نکلتا جو اسلام کی ابتدائے کے متعلق حقیقت حال کی کھوج اور تلاش میں ہیں کیونکہ وہ کتاب سب سے قدیم اور اس لئے سب سے معتبر سمجھی جاتی۔ زہری کی کتاب تو بالکل ناپید ہوگئی لیکن اس کا ایک شاگرد ابن اسحاق تھا جس نے 171ھ میں وفات پائی۔ اس نے اسی مضمون پر ایک اور کتاب لکھی تھی وہ کتاب بھی بعد ازاں گم ہوگئی۔ اس ابن ہشام نے 212ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ہم اسی کتاب سے حنفا کا کچھ تھوڑا سا حال یہاں نقل کرتے ہیں:

قال ابن اسحاق واجمعت قریش یومانی عید لھمہ عند صنم من اورنامھمہ کانوا ایعظمو ند ینحجرون لہ ویکعفون عندہ ویرید دن بہ وکان ذلک عبدالھمہ فی کل سنۃ یوما مخلص منھور رابعۃ تقرنجیا ثمہ قال بعھنمہ بعض تصارقو لیکتھمہ بعضکمہ علی بعض قالو اجل وھمہ ورقۃ بن رتہ بن عکب بن لوی ۔وعبید اللہ جحش بن رناب بن یعمر بن صبرہ بن مرۃ بن کبیر بن غنم بن روان بن اسد خریفۃ وکانت انہ امیمہ بزت عبدالمطلب وعثمان بن الحویرث اسد بن عبدالغزی بن قصی ۔وزید ابن عمروابن نفیل بن عبدالغری بن عبداللہ بن قرط بن ریاح بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی ۔ فقال بعضھمہ بعض تعلمو اواللہ ماقو کمہ علی شئی لقد اخطوادین ابیھمہ ابراھیمہ ماحجر لطیف بہ لایسمع ولایبصر ولایصز ولاینفع یاقوم المتولا نفسکمہ نانکمھ اللہ ماانتم علی شئی فتفرقوافھاالبدا ابن

یلتمسون الخفیفه دین ابراہیم ناما رورقة بن نوفل فاستحکمه فی النصرانیة وتقمع الکتب من اهارا حتی علمه علما من اہل الکتاب۔ واما عبید اللہ بن جحش ناتا تم علی ماھو علیه من الالتباس حتی اسلمه ثور باجر مع المسلمین الی الحبشة ومعد اصراته حبتیه بن ابی سفیان مسلمه فلما قدمه مها بنصر وافاروق الاسلام حتی ھلک ھنالک نصرانیا۔ قال ابن اسحق محدثنی محمد بن جعفر بن الزبیر قال کان عبید اللہ بن جحش حین تنصری بمر باصحاب رسول اللہ من ارض الحبشة فیقول فتحنا وما صاصا تمه ای ابصر ناوانتم تلتمسون البصر ولمه تبصر وابعد ذالک ان والد الکلب اذا ارادان یفتح عینیه ینظر صاصا لینظر وقوله فتح فتح عینیه قال ابن اسحق وخلف رسول اللہ بعضه علی امراته ام حبیبه بنت ابی سفیان بن حرب ۔۔۔۔ قال ابن اسحق واما عثمان بن الحریرث فقدم علی قیصر ملک الروم فتنصر واحسنت منزلته عنده قال ابن ہشام ولعثمان بن الحریدث عند قیصر حدیث صنعنی من ذکره ماکذرت فی حدیث الفجار قال ابن الانصرانیه فاروق دین قومه نامنزل الارثان والمیتته والدم اولمذ بانح النی تذبح علی العر ثان وفهی عن قتل الموورة وقال اعبدرب ابراہیم وبادی قومه بعیب ماھمه علیه قال ابن اسحق وحدثنی ہشام بن عروة عن ابیه عن امه اسما بنت ابی بکر رضی قالت لقد رائت زید بن عمرو بن نفیل شیخاً کبیراً مسنداً اظهر الی الکعبة وھمه یقول یا معشر قریش والذی نفس زید بن عمرو بیده ما الصبح منکمه احد علی دین ابراہیم عنیری ثمه یقول الھم لو ان اعلمه ای الوجوه احب الیک عبد تلک بدوالکنی الاعلمه ثمه یسجد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قال نعم فانه یعثب امة وحده (وقال زید بن عمرو بن نفیل فی فراق دین قومه وما کان لقی منھمه فی ذالک)۔

اربا واحدلام الفارب — ادین اذا تقسمت الامور

عزلت اللات العزیٰ جمعیا — کذلک یفعل الجلد العبور

فلاعزی ادین والا ابینتها — ولاصنمی بنی عمرواذور

ولاعما ادین وکان ربا — لنا فی الدھر اذحلمی یسبر

عجبت وفی المبالی معجبات — کثیراً کان شانھمه الجفجور

والقبی اخر بن بسمه قوم کما بتروح الغصن المطیر

ولکن اعبدالرحمٰن ربی — لیغفر ذنبی الرب الغفور

فتتقو اللہ ربکمه حفظوھا — متی ماتحفظوھا الا بتور

تری الا برادرہم جنان والکفار حامیة سعیر

وخری فی الجبواة وان یموتوا — یلاقواما ما تضیق بدا الصدور

(سیرۃ الرسول جلد 1صفحہ 76و77) یعنی ابن اسحاق نے کہا ہے کہ ایک روز اپنی عید کے دن قریش اپنے ایک بت کے پاس جمع ہوئے۔ وہ لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس پر اونٹ قربان کرتے اور اس کے پاس اعتکاف میں بیٹھتے اور اس کے گرد پھرتے تھے اور عید ان کی ہر سال ایک دن ہوتی تھی ان میں چار شخص تھے جنہوں نے خفیہ مشورت کرلی اور ان لوگوں سے جدا ہوگئے گپ آپس میں انہوں نے ایک دوسرے سے کہا آؤہم لوگ عہد باندھ لیں کہ ایک دوسرے کا راز فاش نہ ہونے دیں۔ ان لوگوں نے کہا بہت خوب۔ ان لوگوں کے نام یہ ہیں ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی اور عبید اللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن عبرۃ بن مرۃ بن کبیر بن غنم ودوان ابن اسد بن حزیمۃ اس کی ماں امیمہ عبد المطلب کی بیٹی تھی اور عثمان ابن الحویرث بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اور زید بن عمرو ابن نفیل بن عبدالعزے بن عبداللہ بن قرط بن ریاح بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی۔ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا تم کو معلوم ہے کہ خدا کی قسم تمہاری قوم کچھ دین پر نہیں۔ یقیناً وہ لوگ اپنے باپ ابراہیم کے دین سے برگشتہ ہوگئے۔ پتھر کیا ہے کہ ہم اس کے گرد پھریں۔ نہ وہ سنے نہ دیکھے نہ ضرر پہنچاوے نہ نفع۔اے قوم اپنے دلوں میں غور کرو کہ بخدا تم کچھ راہ پر نہیں ہو۔ یوں وہ لوگ الگ الگ ہوگئے اور مختلف ملکوں میں چلے گئے کہ حنفیت یعنی دین ابراہیم کی کھوج کریں۔ ورقہ بن نوفل تو دین عیسائی میں پکا ہوگیا اور ان لوگوں کی کتابوں کی کھوج میں لگا یہاں تک کہ اس نے اہل کتاب کا علم سیکھ لیا۔ عبید اللہ بن جحش جو تھا وہ جس شبہ میں تھا اسی میں قائم رہا حتیٰ کہ مسلمان ہوگیا۔ پھر اس نے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ میں ہجرت کی اور اسی کے ساتھ اس کی بیوی ام حبیبہ ابی سفیان کی بیٹی گئی تھی جو مسلمان تھی ولیکن جب وہ اس ملک میں گیا تو وہاں عیسائی ہوگیا اور اسلام کو ترک کردیا اور دین مسیحی پروفات پائی۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ محمد بن جعفر بن الزبیر نے مجھ کو خبر دے کر کہا جب عبیداللہ بن جحش عیسائی ہوگیا تو وہ اصحاب رسول اللہ صلعم کے پاس جو اس وقت سرزمین حبشہ میں تھے آتا اور ان سے کہا کرتا کہ ہماری آنکھیں تو کھل گئیں اور تم اب تک چوندھیاتے ہو یعنی ہم توآنکھوں دیکھنے لگے اور تم ابھی بینائی کی تلاش ہی میں ہو۔ اس کے معنی لفظی یہ ہیں کہ جب کتے کا پلہ اپنی آنکھ کھولنا چاہتا ہے کہ دیکھتے توپہلے صاصا کرتا یعنی چوندھیاتا ہے اور اس کے لفظ فتح کے معنی ہیں آنکھیں کھولیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس شخص کے بعد رسول اللہ صلعم نے اس کی بیوی ام حبیبہ دختر ابی سفیان بن حرب کو لے لیا۔۔۔۔۔۔۔ ابن اسحاق نے کہا رہا عثمان بن الحویرث سو وہ قیصر روم کے پاس گیا اور عیسائی ہوگیا۔ وہاں بادشاہ کی درگاہ میں اسکو بہت عزت حاصل ہوئی اور ابن ہشام نے کہا اس عثمان بن الحویرث کے قیصر کے پاس ٹھہرنے کے متعلق ایک روایت ہے جس کا ذکر یہاں ترک کرتا

ہوں کیونکہ اس کا بیان حدیث فجار میں ہوچکا۔ ابن اسحاق کہتا ہے ولیکن زید ابن عمرو ابن نفیل جو تھا وہ ٹھہرا رہا نہ دین یہودی اس نے اختیار کیا نہ دین نصرانی ۔ اس نے صرف اپنی قوم کے دین کو ترک کردیا اور بتوں اور مردار اور خون کی قربانی سے جو بتوں پر چڑھائی جاتی ہیں پرہیز کرتا تھا ۔ 1*

1*مقدس رسولوں کا غیر قوم عیسائیوں کے لئے بھی یہی فتویٰ تھا کہ یہ بتوں کے چڑھاوے اور لہو اور گلا گھونٹے جانور کے کھانے اور حرام کاری سے پرہیز کرو۔(انجیل شریف اعمالرسل باب 15آیت 29) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح زید کے اور ساتھی باری باری عیسائی ہوتے گئے یہ بھی اسی رنگ میں رنگتا گیا بظاہر کسی عیسائی فرقہ میں داخل نہیں ہوا تھا۔

اور وہ دختر کشی سے منع کرتا اور کہتا تھا کہ میں ابراہیم کے خدا کی بندگی کرتا ہوں اور جن برائیوں کی اس کی قوم مرتکب ہوتی تھی وہ ان کو رد کرتا تھا۔ ابن اسحاق نے کہا مجھ کو خبر دی ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے جس نے سنا تھا اپنی ماں اسما بنت ابی بکر سے وہ کہتی تھی کہ میں نے زید بن عمرو نفیل کو دیکھا جب وہ بہت بڈھا ہوگیا کہ کعبہ سے پیٹھ ٹیکے ہوئے کہہ رہا تھا "اے قریش قسم اس کی جس کے ہاتھ میں زید بن عمر کی جان ہے بجز میرے تم میں کوئی بھی نہیں جو دین ابراہیم پر ثابت ہو اور پھر کہتا تھا کہ بار خدایا اگر مجھ کو معلوم ہو کہ کون سا طریق تیری بارگاہ میں زیادہ پسندیدہ ہے تو میں اسی طریق سے تیری بندگی کرتا لیکن میں نہیں جانتا ۔ پھر وہ دونوں ہتھلیاں زمین پر ٹیک کر سجدہ میں جاتا ابن اسحاق نے کہا مجھ کو خبر ملی ہے کہ اس کے بیٹے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل نے اور عمر بن الخطاب نے جو اس کا عمزادہ تھا دونوں نے رسول اللہ سے کہا کہ زید بن عمرو کے لئے مغفرت مانگئے۔ آپ نے کہا بہت خوب وہ یقیناً مثل ایک امت کے تنہا قیامت میں اٹھے گا اور زید بن عمرو بن نفیل نے اپنی قوم کا دین ترک کرنے اور جو کچھ اس وجہ سے ان کے درمیان اس پر بیتا اشعار ذیل کہتے ہیں:

آیا میں ایک خدا کو مانوں یا ہزار و خداؤں کو جبکہ امور دین اس طرح متفرق ہورہے ہیں ؟ میں لات وعزیٰ سب کو ترک کردیا اور اسی طرح ہر صابر جوانمرد کرتا ہے ۔ نہ تو میں عزیٰ کو مانوں اور نہ اس کی دونوں بیٹیوں کو اور نہ میں بنی عمر کے دونوں بتوں کے درشن لوں اور نہ میں اب غنما کو مانتا ہوں۔ ہاں کسی وقت جب میری عقل خام تھی میں اس کو معبود سمجھتا تھا میں حیرت میں ہوں اور راتوں میں عجائبات ہیں اور دنوں میں بھی جن کو شخص بینا سمجھتا ہے ۔ یقیناً خدا لوگوں کو اکثر ہلاک کرڈالتا ہے جب ان کی بدیاں بہت بڑھ جاتی ہیں اور دوسرے لوگوں کو وہ باقی رکھتا ہے۔ قوم کی عمدگی کے سبب اور ان کے بچوں کی پرورش کرتا ہے ۔ ہم لوگوں میں ایک دن آدمی لغزش کھاتا ہے اور پھر ایک دن سدھر جاتا ہے جس طرح مینہ پڑنے سے شاخیں ہریا جاتی ہیں ولیکن میں تو اپنے رب رحمٰن کو پوجتا ہوں تاکہ رب غفور میرے گناہوں کو معاف کردے۔ پس تم لوگ اپنے رب اللہ کے تقویٰ کو نگاہ رکھو جب تک اس کو نگاہ رکھو گے ہلاک نہ ہوگے۔ تو دیکھتا ہے کہ نیکوں کا گھر جنت ہے اور کافروں کے واسطے دہکتی آگ۔

اس زندگی میں ان کے لئے رسوائی ہے اور جب مریں تو اس سے جا ملیں جس سے دل گھنٹ جاوے۔"

ابن ہشام خبر دیتا ہے کہ خطاب نے جو زید کا چچا تھا زید کو مکہ سے نکال باہر کیا تو مجبور ہو کر وہ کوہ حرا میں جارہا جو اس شہر کے سامنے واقع ہے ۔ خطاب زید کو مکہ کے اندر گھسنے نہیں دیتا تھا (سیرۃ الرسول جلد اول صفحہ 79) پھر اسی کتاب سے یہ بھی خبر ملتی ہے کہ حضرت محمد بھی گرمیوں کے موسم ہر سال تحنث کرنے کی خاطر اسی کوہ حرا کے ایک غار میں اہل عرب کی رسم کے موافق جا کر رہا کرتے تھے جس سے گمان غالب ہوتا ہے کہ آپ جو اپنی قوم کے دین سے بیزار تھے وہاں جا کر زید ابن عمرو سے جو علاوہ وہ خدا پرست اور مصلح قوم ہونے کے آپ کے قریبی رشتہ داروں میں بھی تھا ملاقات کیا کرتے تھے 1*۔ اس خیال کی تائید ابن اسحاق کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جس وقت آپ پر وحی آئی آپ اسی غار میں تھے چنانچہ مرقوم ہے ثمہ جاء جبرئیل بہ من کرامۃ اللہ وھو بحراء فی شھر رمضان ---۔ کان رسول اللہ یجادر فی مراء من کل سنۃ شھر اوکان ذالک مما تحنث بہ قریش فی الجاھلیۃ والحتنث التبرد-------۔ کان ابن ہشامہ یقول العرب المحتنث یریدون الحنفیہ فیبدلون الفاء انفاء من الثاء (صفحہ 80و81) یعنی پھر جبرائیل ان کے پاس آئے اور جو کچھ خدا کی کرامت سے تھا لائے اور آپ اس وقت حرا میں تھے۔ ماہ رمضان کے دنوں میں ---۔ اور رسول اللہ ہر سال ایک ماہ حرا میں گوشہ نشینی کیا کرتے تھے وجہ اس کی یہ تھی کہ ایام جاہلیت میں قریش اس

1*کتاب الاغانی الامام ابی الفرح الاصبہانی کے جز ثالث صفحہ 15 میں یہ روایت ہے قال الزبیر حدثنی مصعب بن عبداللہ الضحاک بن عثمان عن عبد الرحمٰن بن ابی الزنا وعن موسیٰ بن عقبہ من سالم بن عبداللہ از سمع عبداللہ بن عمر یحدث عن رسول اللہ نہ تقی زید بن عمرو بن نفیل باسفل بلدح وکان قبل ان ینزول رسول اللہ صفرۃ فیھیا الحم فابی ان یاکل وقال انی آکل الاماذکر اسم اللہ یعنی زبیر نے کہا روایت کی مصعب بن عبداللہ نے اس ضحاک بن عثمان سے اس نے عبد الرحمٰن بن ابی الزناد سے ۔ اس نے موسیٰ بن عقبہ سے اس نے سالم بن عبداللہ سے اس نے عبداللہ بن عمرو کو روایت کرتے ہوئے رسول اللہ سے کہ آپ زید بن عمرو بن کفیل سے وادی بلدح کے نچن میں ملے تھے۔ اور یہ پیشتر اس سے ہوا کہ آپ پر وحی نازل ہو۔ پس رسول اللہ نے اسے کے آگے خوان پیش کیا۔ اس میں گوشت تھا۔ پس زید نے کھانے سے انکار کردیا اور کہا کہ میں کوئی شئے نہیں کھاتا بجز اس حال کے کہ اس کے اوپر خدا کا نام لیا گیا۔

طرح تحنث کرتے تھے۔ تحنث کے معنی ہیں تزکیۂ نفس------۔ ابن ہشام کہتا ہے کہ اہل عرب تحنث اور تحنف دونوں کہتے تھے اور مراد اس سے حنفیت لیتے تھے۔ پس یوں انہوں نے " ف" کو "ث" سے بدل دیا۔"

ہر شخص جو قرآن وحدیث سے واقف ہے اس پروشن ہوگا کہ کہ اس زید بن عمر کی تعلیم نے حضرت محمد کی تعلیم پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے کیونکہ زید کے عقائد کے بارے میں جو جو باتیں لکھی ہوئی ملتی ہیں ان میں ہر ایک بات آنحضرت کے دین میں بھی ملتی ہے۔اسی قسم کی باتیں ہیں دختر کشی کا حرام ہونا ، بت پرستی کا مٹانا۔ اللہ کی وحدانیت کا اقرار ،جنت کی خوشخبری ، دوزخ کا عذاب، خدا کو رب رحمان وغفور کہنا ۔ مردہ روحوں اور بتوں کے چڑھاوے کو حرام جاننا۔

اور یہ بھی مخفی نہ رہے کہ جو دعوےٰ خاص کر زید بن عمر کو تھا بجنسہ وہی دعوےٰ آنحضرت نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو زید اور دیگر حنفا دین ابراہیم اور ملت خلیل کی کھوج میں تھے اور زید اپنے حق میں تو کہتا تھا کہ میں نے اس دین کو پالیا۔ یہی آنحضرت نے بھی کہا کہ میں لوگوں کو دین ابراہیم کی طرف بلاتا ہوں اور بجنسہ وہی لقب بھی آپ نے ابراہیم کو دیا یعنی حنیف جو لقب کہ زید اور اس کے اصحاب ابراہیم کو دیتے تھے ۔ قرآن کی چند آیتیں اس بات کے ثبوت میں کافی ہیں ۔ ترجمہ : یعنی اور اس سے بہتر کس کی راہ جس نے منہ دھرا اللہ کے حکم پر اور نیکی میں لگا اور چلا دین ابراہیم پر جو (حنیف) ایک طرف کا تھا اور اللہ نے پکڑا ابراہیم کو (سورہ نساء ع 17)ایک اور جگہ ہے " یعنی تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہوجاؤ دین ابراہیم کے جو (حنیف) ایک طرف کا تھا اور نہ شرک کرنے والوں میں۔آل عمران ع 10 اور رکوع 7میں بھی یہی مضمون ہے ۔ یعنی تو کہہ مجھ کو تو سمجھائی میرے رب نے راہ سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو (حنیف) ایک طرف کا تھا (انعام آخری رکوع)۔

ان مقاموں سے روشن ہوجاتا ہے کہ آنحضرت نے اپنے لئے اور اپنی ملت کے لئے حنیف کا لقب اختیار کیا تھا۔ یہ اصلی لفظ عبرانی اور سریانی زبان میں بمعنی نجس اور مترد آتا ہے مگر اس جگہ بھی معنی میں ایک مناسبت ہے ۔ جب زید نے اپنے آبائی دین کو ترک کردیا اور اہل عرب نے اس کو اپنے درمیان سے نکال باہر کیا تو وہ لوگ زید کو اور اس کے اصحاب کو حقارت سے حنفا کہنے لگے ہونگے یعنی مرتدین کیونکہ وہ بت پرستوں کے دین کو ترک کر چکے تھے مگر چونکہ حضرت اپنے اس ارتداد پر فخر کرتے تھے انہوں نے اس نام کو پسند کرکے ایک تعریف کا لقب اس کو بنالیا اور اس کو عمدہ معنی میں اپنے لئے اختیار کیا اور شاید انہوں نے بھی تحنف اور تحنث کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھا۔

اس بات کو بھی کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ یہ چاروں متلاشیان دین حق جن کا ذکر ابھی ہوا سب کے سب حضرت محمد کے اپنے عزیز ورشتہ دار تھے۔ یہ سب ایک ہی شخص لوئی کے خاندان سے تھے۔ ان میں عبید اللہ تو آنحضرت کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ جو شروع شروع میں آپ کی پارٹی میں آملا اور جس کی وفات کے بعد آپ نے اس کی بیوہ کو اپنی جورو بنالیا۔ ورقہ اور عثمان علاوہ اور رشتہ داری کے آنحضرت کی بیوی خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے جیسا کہ ان کے نسب ناموں سے ظاہر ہوتا ہے جو ابن ہشام کی سند سے اوپر نقل ہوچکے ۔ پس یہ بات تو امکان سے باہر تھی کہ زید اور دیگر حنفا کی رائیں اور اقوال وخیالات و تعلیمات حضرت محمد کے دل پر پورا پورا اثر ڈالے بغیر ضائع ہوجاتیں۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ حضرت محمد صاحب کو موافق صحیح حدیثوں کے جن کو بیضاوی نے بھی سورۃ توبہ آیت 114 کی تفسیر میں نقل کیا اس بات کی رخصت نہ ملی کہ اپنی ماں آمنہ کے لئے طلب مغفرت کرتے مگر زید ابن عمر کے لئے انہوں نے یہ کیا جیسا مذکور ہوچکا اور آپ نے فرمایا کہ روز قیامت میں وہ شخص ایک جداگانہ امت ہوگا اور اسی حالت میں اس کا حشر ہوگا۔ جن باتوں سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت نے زید کو دعا دی اور اس کی تعلیم کی پوری پوری تصدیق کی ۔1*

1* یہ بات ماننے کے لئے بہت ہی معقول وجوہ قرائن موجود ہیں کہ آنحضرت کے ظہور کے قبل دین اسلام اپنی مکمل حالت میں موجود تھا۔ دراصل وہ دین زید بن عمر اور دیگر حنفا کا تھا جو مختلف ناموں کے ساتھ ملک عرب میں جا بجا منتشر تھے آنحضرت نے اس دین میں بہت ہی تھوڑی زیادتی و ترمیم کی۔ آپ کا خاص کام ایک موجودہ اور مخصوص دین کو عوام الناس کے درمیان رواج دینا تھا۔ اسلام کے ابتدائی مددگاروں میں ایسے بہت تھے جو آنحضرت کے ساتھ اس لئے نہیں ہوگئے انہوں نے آنحضرت کے دین کو قبول کیا تھا بلکہ اس لئے ہوئے کہ آنحضرت ان کے دین کی تصدیق کررہے تھے اور بوجہ قابلیت ولیاقت ذاتی کے انہوں نے آپ کو اپنا سرغنہ بنالیا۔ چنانچہ اس خیال کی تائید ابوذر غفاری کی روایت سے ہوتی ہے جو مسلم کتاب الافضائل میں اس اصحابی کی فضیلت کے بیان میں آئی ہے ۔ یہ بڑی حدیث ہے ہم یہاں اس میں سے صرف چند حصے نقل کرتے ہیں۔

"مجھ سے ابوذر غفاری نے کہا اے بھائی کے بیٹے میں نے رسول اللہ سے ملاقات کرنے کے تین برس پہلے نماز پڑھی تھی۔ میں نے پوچھا منہ کدھر کیا تھا ؟ جدھر میرا خدا میرا منہ کردیتا ہے میں عشا کی نماز کی پڑھتا تھا۔---- پھر میرے بھائی انیس نے کہا مجھ کو مکہ میں کام ہے مجھے جانے دو پس انسی چلا گیا اور مکہ میں آیا وہاں اس نے دیر لگائی پھر جب لوٹا میں نے پوچھا کیا کرتا رہا وہ بولا کہ میں مکہ میں مجھے ایک آدمی ملا جو تیرے دین پر ہے اور گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا ہے میں نے پوچھا لوگ کیا کہتے ہیں بولا کہتے ہیں شاعر ہے کاہن ہے اور جادو گر ہے ------ میں نے کہا اچھا تو یہاں ٹھہر میں جاکر دیکھتا ہوں پھر میں مکہ کو آیا ۔ وہاں ایک کمزور آدمی کو ڈھونڈھا اس سے کہا بتا وہ آدمی کہاں ہے جس کو لوگ صابی کہتے ہیں ؟ اس نے میری طرف اشارہ کیا اور پکار اٹھا دیکھو یہ بھی صابی ہے ۔ یہ سن کر تمام داری والے مجھ کو ڈھیلوں اور ہڈیوں سے مارنے لگے ۔ یہاں تک کہ میں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا ابوذر نے کہا پھر ایک دفعہ چاندنی رات تھی اور مکہ والے غافل سو رہے تھے اور کوئی کعبہ کا طواف نہ کررہا تھا ۔ صرف دو عورتیں تھیں جو اساف ونائلہ کو پکارتی تھیں۔ جب وہ طواف کرتی ہوئی میرے پاس سے نکلیں تو میں نے کہا اصاف کا نکاح کردو نائلہ سے (بتوں کو گالی دی) مگر وہ اپنی بات سے باز نہ آئیں۔ جب وہ میرے پاس سے گذریں مجھے لگی لپٹی نہیں آتی میں نے بتوں کو فحش گالی دی۔ اس پر وہ

عورتیں چلاتی ہوئی چلی گئیں اور کہتی جاتی تھیں کہ نہ ہوا یہاں کوئی ہمارے لوگوں میں سے ۔ آگے سے رسول اللہ اور ابو بکر چلے آتے تھے۔ پہاڑ سے اترتے ہوئے انہوں نے ان عورتوں سے پوچھا بتاؤ کیا ہوا؟ وہ بولیں کہیں سے ایک صابی آیا ہے جو کعبہ اور ان کے پردوں کے بیچ میں ہے۔ انہوں نے کہا آتم کو کیا کہا؟ وہ بولی اس نے ایسی بڑی بات کہی کہ زبان سے نہیں نکلتی ہے پس رسول اللہ آئے انہوں نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ کعبہ کا طواف کیا انہوں نے اور ان کے ساتھی ابو بکر نے پھر نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے ابوذر کہتا ہے پھر پہلے میں نے اسلام کی سنت کے موافق سلام کیا۔ میں نے کہا سلام و علیکم آپ نے جواب دیا علیکم اسلام ورحمتہ اللہ پھر آپ نے پوچھا تم کون ہو میں نے کہا غفاری ۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ ابوذر غفاری آپ کے ساتھ ساتھ مکان پر آئے۔ کھانا کھایا اور بات چیت ہوئی پھر حضرت نے ان سے کہا خال انب مبلغ عنی تومک عسی اللہ ان ینعنمہ بک وجو کہ فیھمہ کہا تو میری طرف سے اپنی قوم کو دین کی دعوت کرے گا شاید اللہ ان کو فائدہ پہنچادے اور تجھ کو ثواب دے۔ پھر ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ جب میں اپنے بھائی انیس پاس لوٹ کر آیا میں نے اس سے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے حضرت کی تصدیق کی پھر وہ اور میری ماں بھی ہولئے ہم کو تیرے دین سے نفرت نہیں۔ پھر وہ اور آدھی قوم مسلمان ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنیفی لوگوں کی طرح مکہ کے پاس کوئی اور لوگ بھی تھے جن کو صابی کہتے تھے ان کا طریقہ بالکل مسلمانی طریقہ تھا۔ نماز وغیرہ وہ سب اسی طرح پڑھتے تھے کعبہ کی تعظیم کرتے تھے اور بتوں اور بت پرستوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ مکہ میں حضرت بھی صابی مشہور تھے۔ اور انیس نے آپ کو ابوذر کے دین کا سمجھا تھا۔

شائد کوئی ان باتوں کے جواب میں کہے کہ اگر ہم مان لیں کہ اسلام کے سرچشمے وہی ہیں جن کا پتا تم نے دیا تو پھر دین اسلام کے اندر خود آنحضرت کے اپنے ذاتی اثر کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور یہ امر محال ہے ۔ ہم کہتے ہیں ممکن نہیں کہ جب آپ نے اپنے دین کو ایجاد کیا تو کوئی شے آپ کی اپنی طبعیت وخو کی اس دین ومذھب کے اندر داخل نہ ہوتی۔ جب انہوں نے اپنے مکان کی بنیاد کو طرح طرح کے پتھروں اور گارے اور اینٹ سے بنایا تو ان چیزوں کی ترتیب دینے میں انہوں نے اپنی ہی ہنر مند ہوشمندی سے کام لیا اور ان کا مقصد اور نیز ان کا ہنر اس عمارت کی ساخت سے روشن ہوتا ہے ۔ جب دین اسلام کی عمارت بن گئی اور اس میں دیگر ادیان میں فرق بھی ظاہر ہو گیا تو معلوم ہوجاتاہے کہ اس عمارت کا بنانے والا کوئی عاقل وہنر مند شخص تھا۔ یہی بات قرآن کی لفظی فصاحت اور حضرت محمد کی بلاغت سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے قرآن کے اندر آنحضرت کی سرگذشت کے واقعات کے بہت سے آثار نمایاں ہیں۔ مثلاً قرآن ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت کے پہلے آپ کو کوئی دنیاوی طاقت حاصل نہ تھی۔ چنانچہ اسی امر کے موافق یہ بات ہوئی کہ ہجرت کے قبل جس قدر آیات آپ نے سنائیں ان میں کوئی حکم دین پھیلانے کے لئے تلوار چلانے کا نہیں ملتا۔ بعد ہجرت جب اہل مدینہ آپ کے مددگار ہوگئے تو پہلے تو آپ نے اپنے اصحاب کو اس بات کی رخصت دی کہ جان کی حفاظت ودفع شر کے واسطے لڑو۔" حکم ہوا انکو جن سے لوگ لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے ۔ وہ جن کا نکالا ان کے گھروں سے اور کچھ دعویٰ نہیں سوا اس کے وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے ۔"اور ابن ہشام جلد اول صفحہ 164 میں بسند عروہ اور دیگر اصحاب کے کہتا ہے کہ جنگ کی رخصت پہلے پہل انہیں آیتوں میں عطا ہوئی ولیکن کچھ دنوں بعد جب حضرت اور ان کے اصحاب بعض غزوات میں غالب آئے تو یہ رخصت بدل کر حکم ہو گئی۔ جیسا کہ سورہ بقرہ ع 26 میں مرقوم ہے "حکم ہوا لڑائی کا اور وہ بری لگتی ہے۔ تم کو۔۔۔۔ تجھ سے پوچھتے ہیں مہینے حرام کو اس میں لڑائی کرنی تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے زیادہ گناہ ہے اللہ کے یہاں اور دین سے بچلانے مارنے سے زیادہ" پھر جب چھٹے سال ہجرت میں مسلمانوں نے بنی قریظہ اور دوسرے طائفوں کو بھی مغلوب کیا تو پھر جہاد کا حکم بڑے شدومد کے ساتھ نافذ ہوا جیسا کہ مائدہ ع 5 میں وارد ہوا" یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کریئے یا سولی چڑھائیے یا کاٹیئے ان کے ہاتھ اور پاؤں مقابل کے یا دور کردیئے اس ملک سے یہی ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے ۔"

مفسرین قرآن کہتے ہیں کہ یہ آیت بت پرستوں کے حق میں آئی ہے ۔ نہ یہود ونصاریٰ کے مگر اس کے چند سال بعد مسلمانوں کا سلوک اہل کتاب کے ساتھ بھی قائم ہو گیا یعنی جس وقت گیارھیوں سال ہجرت میں حضرت نے رحلت فرمائی ۔ چنانچہ سورۃ توبہ میں جو تاریخ کے موافق قرآن کی آخری سورت ہے لکھا ہے کہ بعد ختم ہونے چار ماہ حرام کے دوبارہ جنگ شروع کرنا چاہئے "پھر جب گذر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک پر پھر اگر وہ توبہ کریں اور کھڑی رکھیں نماز اور دیا کریں زکوارۃ تو چھوڑ دو ان کی راہ اللہ ہے بخشنے والا مہربان ۔"

"لڑو ان لوگوں سے جو یقین نہیں رکھتے اللہ پر نہ پچھلے دن پر نہ حرام جانیں جو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کریں دین سچا ۔ وہ جو کتاب والے ہیں جب تک دیویں جزیہ سب ایک ہاتھ سے وہ بے قدر ہوں" ع 4۔

پس قرآن کے موافق ارادہ خدائے علیم کا جس کی ذات پاک اور تغیر وتبدیل سے بری ہے گویا آنحضرت اور ان کے اصحاب کی جنگی کامیابیوں کے ہم دوش چلا کرتا تھا اور جوں جوں آپ کی تلوار اپنا کاٹ کرتی جاتی روز بروز ضروریاتِ وقت کے موافق بدلتا رہتا تھا۔

اور اس امر کا خود فقہائے اسلام کو بھی اعتراف ہے کہ قرآن میں ناسخ ومنسوخ موجود ہے اور اس کی تائید سورہ بقرہ 13 سے ہوتی ہے جہاں لکھا ہے " جب موقوف کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو پہنچاتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر ۔ کیا تجھ کو نہیں معلوم کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے " ؟ یہی وجہ تھی کہ جب تک آنحضرت کو یہ امید رہی کہ شاید یہود و نصاریٰ کے دینوں اور اہل عرب کی رسموں کی ملونی سے کوئی ایسا دین ایجاد ہوسکے جس کو تمام باشندگان جزیرہ عرب متفق ہو کر قبول کرلیں اس وقت تک آپ ہر طرح کی کوشش وسعی کرتے رہے کہ ساری قومیں اور جدا جدا ملتیں ان کی طرف رجوع کریں اور آپ ان سب کو اپنا پیرو کرلیں ولیکن جب دیکھا کہ یہ کوشش بے سود ہوتی ہے اور کامیابی کی کوئی امید باقی نہیں تو آپ نے ٹھانی کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو یا تو نیست کرڈالیں اور یا کم سے کم ملک عرب کی حدود سے خارج کردیں جیسا کہ قرآن سے بھی ظاہر ہوتا ہے ۔علاوہ اس کے وہ جو سورہ احزاب میں آنحضرت کے متبنیٰ زید کی بیوی کے حق میں مرقوم ہے اس سے بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ کو اپنی خو اور طبعیت نے بھی قرآن کے اندر دخل کیا ہے اور اسی امر پردہ بھی شاہد ہے جو قرآن وحدیث میں آپ کے لئے بہت بیویاں اختیار کرنے کے باب میں مندرج ہوا ہے۔

وہ مجموعہ مطالب وتعلیمات جو قرآن وحدیث میں موجود ہے ایک دریا کی مانند ہے جس طرح طرح اور قسم قسم کا پانی ہر طرف سے جدا جدا سرچشموں سے جاری ہو کر آملا ہے لیکن وہ ظرف جس میں ان پانیوں نے اس طرح کی صورت اختیار کرلی ہے عقل وتدبیر ونفس حضرت محمد صاحب ہے ۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ بہت سے مضامین اور تعلیمات مثلاً وحدت الہیٰ وغیرہ کا عقیدہ جو قرآن میں مندرج ہیں از بس عمدہ ومفید ہیں اور نیز جو کچھ میزان وجنت وطوبیٰ اور ان کی مانند اور باتوں کے بارے میں مرقوم ہے وہ بھی تھوڑا بہت حق اور فائدہ مند ہے لیکن جس شخص کی آرزو ہے کہ میں خالص پانی پئیوں اس کو زیبا نہیں کہ اس نہر سے پانی پیئے جس میں ملونا اور مکد پانی ہو۔ وہ تو اس آب حیات کے سوتے کی طرف چنیگا جس پر خود قرآن یوں رطب اللسان ہے " ہم نے اتاری توریت اس میں ہدایت اور روشنی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور پیچھاڑی میں بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کا بیٹا سچ بتاتا توریت کو جو آگے سے تھی اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی اور سچا کرتی اپنی اگلی توریت کو راہ بتاتی اور نصیحت ڈروالوں کو" (مائدہ رکوع 7)۔

اب اگر کوئی شخص ابراہیم خلیل اللہ کے دین کا کھوج کرنے کی آرزو رکھتا ہو تو اس کو لازم ہے کہ حضرت موسیٰ کی توریت کو بڑے غور وفکر سے مطالعہ کرے تب اس پر روشن ہوجائے گا کہ اللہ نے اس سے وعدہ فرمایا تھا کہ اسی کی نسل سے اور اس کے فرزند اسحاق کی اولاد سے سیدنا عیسیٰ مسیح جو اکیلا شفیع ہے پیدا ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے اس وعدہ کو یقین جان کر اپنا ایمان مسیح موعود پر قائم کیا اور اسی ایمان کے طفیل نجات حاصل کی۔ اس بات کے ثبوت میں صرف دو تین آیتیں نقل کردینا یہاں کافی ہے :

کتاب پیدائش باب 17 آیت 19 میں خداوند کریم حضرت خلیل اللہ سے فرماتا ہے بے شک تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی ۔ تو اس کا نام اسحاق رکھنا اور میں اس سے اور بعد اس کے اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے قائم کروں گا۔" اور پھر باب 22 آیت 18 میں ہے " تیری نسل سے زمین کی سب قومیں برکت پائینگی کیونکہ تونے میری بات مانی " اور اسی وعدہ کے بیان میں جناب مسیح نے خود یہودیوں سے فرمایا تھا کہ تمہارا باپ ابراہیم مشتاق تھا کہ میرے دن دیکھے چنانچہ اس نے دیکھا اور خوش ہوا (انجیل شریف بہ مطابق راوی حضرت یوحنا باب 8 آیت 56)۔اور پولوس رسول بھی الہام سے فرماتے ہیں "پس ابراہیم اور اس کی نسل سے وہ وعدہ کئے گئے۔ چنانچہ وہ نہیں کہتا کہ تیری نسلوں کو جیسا بہتوں کے واسطے بلکہ جیسا ایک کے واسطے کہتا ہے کہ تیری نسل کو سو وہ مسیح ہے ۔۔۔۔اور اگر تم مسیح کے ہو تو ابراہیم کی نسل اور وعدہ کے مطابق وارث ہو" (خط گلتیوں باب 3 آیت 16و29) پس خدائے رحیم ورحمان جس نے اپنے ابدی عہد کو وفا کیا یہ بخشے کہ یہ ناچیز مصنف اور نیز اس کے عزیز ناظرین حضرت خلیل کے ساتھ اس آسمانی میراث کی برکت کو حاصل کریں ۔آمین۔

فصل ہفتم

تالیف القرآن یعنی مقدمہ ینابیع الاسلام

یتیمے کہ ناکردہ قرآن زرست کتب خانہ چند ملت بشست

ارزقی اپنی کتاب اخبار مکہ میں لکھتے ہیں کہ رسول عربی نے ابھی ہوش سنبھالا تھا۔ سن شریف آپ کا بارہ چودہ برس کا ہوگا کہ دفعتہً کعبہ میں آگ لگ گئی اور پھر اس کے پیچھے ایک سیلاب آیا کہ عمارت میں جو کچھ آگ سے بچ رہا پانی سے بہ گیا تب قریش کو فکر پڑی کہ کیونکر کعبہ کو سر نو تعمیر کریں۔ ان بیچاروں کے پاس نہ سامان عمارت تھا نہ فن تعمیر کا علم ۔ اسی فکر میں سرگرداں تھے کہ قضا کا مارا رومی عیسائیوں کا کوئی جہاز ادھر آنکلا اور جب مکہ کی بندرگاہ میں پہنچا جو اس وقت شعیبت تھا تو ٹوٹ گیا۔ قریش ان رومیوں پاس آئے اور ان کے ٹوٹے پھوٹے جہاز کا کاٹھ کباڑ لوہا لکڑی خرید لیا اور بڑی خاطر سے ان لوگوں کو مکہ میں لوالائے ۔ان ہی جہازیوں

کے ساتھ ایک عیسائی کاریگر باقوم نام تھا قریش نے اس سے التجا کی کہ ہمارے خدا کا گھر بنادیجیے ۔ پس اس نے کعبہ بنادیا اور تمام قریش نے ان کی مدد کی اور حضرت بھی نہ نفس نفیس پتھر ڈھوڈھو کردیتے جاتے ہیں۔

کعبہ کا اس طرح عیسائی کاریگر کے ہاتھوں بننا اور اس میں عیسائیوں کے ٹوٹے جہاز کی لکڑی لوہا لگنا گویا اس امر کی تمثیلی پیشن گوئی تھی کہ عنقریب اہل کعبہ کا دین یعنی اسلام اہل کتاب کے دین کے اس جہاز کے سامان سے بنایا جائے گا جو غریب الوطنی کی حالت میں ساحل عرب پر برباد ہوگیا تھا اور کہ اس کے اصلی کاریگر بھی اہل کتاب ہی ہونگے۔

علمائے فرنگ نے جن کے حصہ میں تحقیق وتدقیق قسام ازل نے دے دی اس مضمون کو خوب مانجھا اور جرمنی کے فاضل اسرائیلی ربی ابراہیمہ گیگر نے تو بڑی نکتہ سنجی کے ساتھ خاص کر یہ بات دکھلادی کہ اسلام کس قدر یہودیت کا مقروض ہے ۔لیکن ہمارے پاس اپنی زبان میں آج تک کوئی کتاب ایسی موجود نہ تھی جس سے ان نتائج تحقیق کو ہم ہندی مسلمانوں کے کان تک پہنچا سکتے جن کو ایسی ابحاث سے دلچسپی ہونے لگی ہے ۔ یہ کمی اب اس فارسی کتاب ینا بیع الاسلام سے پوری ہوگئی جس کے اردو ترجمہ اور حواشی سے میں ابھی فارغ ہوا۔ اس اسم پوری ہوگئی جس کے اردو ترجمہ اور حواشی سے میں ابھی فارغ ہوا۔ اس اسم بامسمےٰ کتاب کے مصنف عالی خیال جامع فضل وکمال محقق بے مثال ،عالم بے بدل جناب پادری سینٹ کلیئر ٹسڈل صاحب نے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچادیا ہے کہ اسلام یعنی قرآن وحدیث ایک تالیف ہے جو یہودی عیسائی صائبی عربی اور زردشتی حکایات ورسمیات واعتقادات وتعلیمات پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے آنحضرت پر شعر مندرجہ عنوان ایک نئے معنی میں سراسر راست آتا ہے۔

اور اچھے زمانہ میں اس کتاب کی اشاعت ہندوستان میں ہوئی جب لوگ اس بحث پر غور کرنے کے لئے تیار ہورہے ہیں کیونکہ آج کل اس ملک کے آزاد خیال اور محقق اہل اسلام نے بھی ایسے دعوے کو ایک طرح تسلیم کرلیا ہے حتیٰ کہ اب اس کو ہم عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان امر متنازع فیہ نہیں کہہ سکتے ۔ سرسید احمد مرحوم نے اپنے خطبات احمدیہ کے خطبہ ثالث میں عرب جاہلیت کے ادیان پر بحث کرتے ہوئے ہمارے قریباً کل دعوؤں کو بلاتامل مان لیا ہے اور انجمن اسلامیہ لاہور کے مطبوعات میں بھی ایک اسی مضمون کا رسالہ ہے "مراسمہ العرب قبل الاسلام" جو بالکل سید مرحوم کے خطبہ پر مبنی ہے ۔ ہم اس جگہ چند اقتباسات اسی خطبہ سے کرتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی خدا پرست عرب تھے اور وہ دو قسم کے تھے۔ دوسری قسم کے فرقہ کے لوگ خدا کو برحق مانتے تھے اور قیامت اور نجات اور حشر اور بقائے روح اور اس کی جزا اور سزا کے جو حسب اعمال انسان کو ملے گی قائل تھے مگر انبیاء اور وحی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے" صفحہ 222۔"

"اسلام سے پہلے چار الہامی مذہب عرب میں وقتاً فوقتاً جاری ہوئے مذہب صائبی ، مذہب ابراہیمی اور دیگر انبیائے عرب کا مذہب یہود ،مذہب عیسوی" صفحہ 223۔

"افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں بت پرستی کا عام رواج ہوگیا تھا۔مگر بایں ہمہ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص ایسے بھی تھے جو ان مذاہب الہامی میں سے کسی نہ کسی مذہب کے متبع تھے اور خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے۔ انہیں لوگوں میں متعدد اشخاص نے مجد مذہب ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونے کا مجمع عام میں وعظ کہا اور لوگوں کو بت پرستی چھوڑنے کی ترغیب دی ۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی نسبت مجدد مذہب ہونے کا اشتہار دیا تھا ان کے نام یہ ہیں۔ حنظلہ ابن صفوان ، خالد ابن سنان، اسد ابو کرب ، قیس بن صیداوغیرہ اور بعضوں نے عبدالمطلب کو بھی ایک مجدد مذہب قرار دیا ہے ۔" صفحہ 228و229۔

"یہودی مذہب کو شام کے یہودیوں نے عرب کے ملک میں شائع کیا تھا جو اس ملک میں جاکر آباد ہوئے تھے۔۔۔۔۔ اس زمانے میں یہودیوں کو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور اکثر شہر اورقلعے ان کے قبضے میں تھے" صفحہ 219و230۔

"اس میں شک نہیں کہ یہودیوں کے ذریعہ سے ملک عرب میں خدا تعالیٰ کی معرفت کا علم جیسا کہ قبائل عرب میں بالعموم پیشتر تھا اس سے بھی دوچند ہوگیا۔وہ عرب جنہوں نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا اور وہ لوگ بھی جو ان سے راہ ورسم رکھتے تھے اس سے فائدہ یاب ہوئے تھے صفحہ 230۔"

"یہ بات محقق ہے کہ عیسوی مذہب نے تیسری صدی عیسوی میں ملک عرب میں دخل پایا تھا" صفحہ 231 اور عیسائیوں کو کس قدر زور اس ملک میں حاصل ہوچکا ہم اپنے ترجمہ کے ایک مناسب مقام میں دکھلاچکے ہیں۔ حاشیہ صفحہ 67۔

"اسلام سے پیشتر ملک عرب کی یہ مذہبی حالت تھی کہ اور ایسے مذاہب جو زمانہ واحد میں وہاں مروج ہوگئے تھے اس کا ضروری نتیجہ یہ ہوا ہوگا کہ ان مذاہب کے احکام اور مسائل اور رسوم باہم خلط ملط اور اہل عرب میں بالعموم مروج ہوگئے ہونگے کیونکہ یہ بات بعید ازقیاس ہے کہ ان نیم وحشی اور جاہل لوگوں کو اس قدر شعور ہو کہ اتنے مذاہب مختلف کی باہمی تفویق کو جانچ سکتے ہوں اور ایک دوسرے سے جدا کرکے دقیق تفاوت کی

تمیز کرتے" ۔صفحہ 233۔ دراصل عرب کی جاہلیت کا ذہن اس وقت مختلف مذہبی خیالات کی ملونی کا کیسا کشکول بنا ہوا تھا۔سید صاحب نے یہاں اس کی ایک بہت ہی سچی تصویر کھینچی ہے اور قرآن فی الحقیقت اپنے زمانہ کا ایک سچا آئینہ ہے جس سے صرف شرک کا عکس معدوم ہو گیا ہے اور جس میں ان مذاہب کے احکام اور مسائل اور سوم باہم غلط ملط موجود ملتے ہیں۔

چنانچہ سید صاحب فرماتے ہیں:

"مذہب اسلام میں اور عرب کے خدا پرستوں کے مذہب کے دونوں فرقوں میں سے دوسرے فرقہ میں کوئی سخت مخالفت نہ تھی کیونکہ اگر اس فرقہ کے عقائد میں وحی کے عقیدے کو اضافہ کیا جائے تو مذہب اسلام کے اصلی اصول کے بہت قریب قریب ہوجاتا ہے۔مذہب صائبی کے عقائد الہام سے اسلام بالکل مماثل تھا" صفحہ 234۔ مذھب اسلام میں دوسرے معبود کی پرستش کا امتناع اور بت پرستی کا استیصال یہودیوں کے مذہب کے اصول کے بالکل مماثل ہے" صفحہ 235۔

"اوقات نماز جو اسلام میں مقرر ہیں اور جن کی تعداد سات یا پانچ یا تین ہے مذہب صائبی اور مذھب یہود کے اوقات نماز سے بہت مشابہ ہیں۔اسلام میں نماز پڑھنے کا جو طریقہ ہے وہ صائبی مذہب اور یہود کے مذھب کے طریقہ سے نہایت مماثل ہے۔۔۔۔ اور جسم اور پوشاک وغیرہ کی صفائی جس کے واسطے شرع اسلام میں حکم ہے صائبیوں اور یہودیوں کی اس قسم کی رسومات سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔" صفحہ 236و237۔

"تمام قربانیاں جو مذھب اسلام میں جائز ہیں مذہب یہود کی قربانیوں سے مشابہ ہیں گویا یہ قربانیاں شارع اسلام نے مذھب یہود کے بے شمار قربانیوں سے منتخب کرلی ہیں۔" صفحہ 237۔ مذہب اسلام میں روزے مقرر ہیں وہ بھی مذہب یہود مذھب صائبی کے روزوں سے مشابہ ہیں بلکہ صائبی مذہب کے روزوں سے بہ نسبت یہودی مذہب کے روزوں کے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ ہفتے کے ایک معین دن میں نماز اور دیگر رسوم مذہبی کے مقرر وقت پر لوگوں کو کارہائے دینوی سے منع کرنا یہودیوں کی اسی قسم کی رسوم سے مطابقت رکھتا ہے لیکن حضرت ابراہیم کے زمانہ سے اہل عرب جمعہ کو متبرک دن سمجھتے آئے ہیں۔"

"ختنہ بھی وہی ہے جس کا یہود اور پیروان حضرت ابراہیم کے ہاں دستور تھا۔ نکاح اور طلاق کا بھی قریب قریب ویسا ہی قاعدہ ہے جیسا اور مذاہب الہامی میں تھا۔۔۔۔ بعض عورتوں سے نکاح کرنے کے جواز یا عدم جواز میں جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ اکثر باتوں میں یہودیوں کے مذہب کے احکام سے مشابہ ہیں۔ جنب مرد اور عورت کو مسجد میں جانے یا قرآن مجید کو چھونے کا امتناع انہیں دستوروں سے مشابہت رکھتا ہے جو مذہب یہود میں جاری ہیں۔۔۔۔ سور کا گوشت کھانے کی ممانعت مذہب میں ویسی ہے جیسی کہ بنی اسرائیل کے مذھب میں تھی۔۔۔۔ جانوروں کے حلال یا حرام ہونے اور مرے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھانے کی نسبت جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ دوسری شریعت سے نہایت ہی مشابہ ہیں بلکہ علمائے اسلام نے وہ تمام مسائل موسوی شریعت سے مستنبط کئے ہیں۔ شراب خوری اور دیگر مسکرات کا امتناع موسوی شریعت سے مشابہ ہے۔۔۔مگر مذہب اسلام نے۔۔۔۔شراب کو بالکل حرام کردیا ہے۔مذہب اسلام میں مختلف جرائم اور تقصیرات کی نسبت جو سزائیں مقرر ہیں وہ بھی ان سزاؤں سے جو موسوی شریعت میں ہیں نہایت درجہ مشابہت رکھتی ہیں زنا کی سزا سو کوڑے مارنا مذہب اسلام میں ہے۔ یہ سزا یہودیوں کے قانون سے مختلف ہے لیکن جو علمائے اسلام یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں بھی زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے تو یہ سزا یہودیوں کے مذہب سے بالکل مماثلت رکھتی ہے 1*۔ صفحہ 236و239 اب جو پوچھا

1* دراصل اسلام میں زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے اور قرآن میں آیت رجم موجود تھی گو اب نہیں ہے اور یہ امر قرآن کی تحریف پر شاہد ہے)چنانچہ سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فی الرجم میں عبداللہ بن عباس کی حدیث ہے کہ حضرت عمر نے علانیہ خطبہ میں فرمایا تھا کہ "جو کچھ اللہ نے محمد صلعم پر نازل فرمایا یعنی قرآن اس میں آیت سنگسار کرنے کی موجود تھی ہم نے اس کو پڑھا اور یاد رکھا اور رسول اللہ سنگسار کرتے تھے۔ اور ان کے بعد ہم بھی سنگسار کرتے رہے۔
قسم کی خدا اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر نے خدا کی کتاب (قرآن) میں زیادہ کردیا تو میں ضرور اس آیت کو قرآن میں لکھ دیتا۔
آنحضرت نے توریت پڑھا کر اس رجم کے کلمے کو توریت سے نکلوایا تھا اور پھر جاری کیا چنانچہ اسی کتاب کے باب فی رجم الیہود میں عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ حضرت نے توریت منگوائی آپ نے اس کی تعظیم کی پھر ایک بڑے یہودی عالم کو بلایا اس کو قسم دے کر پوچھا زنا کی سزا کیا لکھی ہے اور جب معلوم ہوا کہ رجم ہے تو آپ نے کہا کہ میں اللہ کی شریعت کو زندہ کرتاہوں اور آپ نے رجم کو اختیار کیا۔ اسی حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہودیوں نے آپ سے بیان کیا تھا کہ ہم نے سنگسار کرنا چھوڑ دیا ہے اور اس کے عوض اور اور ہلکی سزائیں دیتے ہیں جن میں منہ کالا کرنا اور کوڑے لگانا ہے (فاجتمعنا علیٰ التحمیم و ترکنا الرجم) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی مروجہ شریعت میں زنا کی سزامیں کوڑے مارنا بھی یہودی شریعت ہے اور سید صاحب کا فرمانا کہ" یہ سزا یہودیوں کے قانون سے مختلف ہے "غلط ہے علاوہ بریں اس قانون میں یہودی شریعت سے ایک اور وجہ مشابہت بھی ہے مسلمانوں میں زنا پر چار شاہد ہونے چاہئے اسی باب میں جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ حضرت صوریا کے دونوں بیٹوں کو جو یہودی عالم تھے بالآخر قسم دے کر پوچھا کہ زنا کی سزا تمہارے یہاں کیا ہے ؟ انہوں نے کہا جب عین وقت ارتکاب جرم کے چار شاہد آنکھوں دیکھ لیں تو مجرموں پر رجم واجب ہوجائے گا۔ بجنسہ یہی حکم اسلام کے فقہانے لے لیا ہے۔

جاتاہے کہ پھر وہ کون سی بات ہے جو اسلام کے ساتھ مخصوص ہے جو اسلام نے ادیان مروجہ سے قرض نہیں لی بلکہ خود اپنی گرہ سے نکالی تو سید مرحوم کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ " مذہبی امور میں صرف ایک یہی بات اسلام میں نئی ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی یعنی نماز کے بلانے کے لئے یہودیوں کے قرنا بجانے اور عیسائیوں کے گھنٹے بجانے کے بدلے اذان مقرر کی گئی" صفحہ 237 مگر سید صاحب یہ نہیں ثابت کرسکتے کہ اذان قرنا اور گھنٹے کی آواز سے نماز کے اعلان کرنے کے لئے زیادہ کارآمد یا مفید ہوسکتی ہے ۔آپ" اس نرالے پن" کی تائید میں ایک عیسائی مصنف کے قول کو پیش کرتے ہیں جس نے موذن کی پکار کو" دلچسپ اور خوش آواز "کہا ۔"سنسان رات میں جس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے اور آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ " اکثر فرنگیوں" ،"نے یہودیوں کے معبد کی قرنا اور کلیسیائے نصاریٰ کے گھنٹوں کی آواز کے مقابلہ میں انسانی آواز کو پسند کیا ہے" گو ہم اس طبعزاد کے متعلق اسلام کے حق تصنیف کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے تو بھی اگر ایسے امور میں شخصی مذاق کی رعایت مد نظر ہو تو ہم دلیری سے کہہ سکتے ہیں کہ صوفی ملبع لوگ ان فرنگیوں کے ہم خیال نہ ہونگے اور صبح وشام کے سہانے وقت میں گرجاکے بلند مینار پر سے گھنٹے کی لگاتار خوش آیندہ سریلی جھنکار کو جو دور دور تک دلوں کو ہلادیتی ہے انسان کی آواز سے جو اپنے فطرتی اعتدال سے تجاوز کرکے چیخ کے انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی ہے ۔ع موذن بانگ بے ہنگام برداشت کہہ کہ کر زیادہ پسند کرینگے ۔

لیکن جب ہم اذان کے مقصود کی طرف خیال کرتے ہیں جو دور دور کے لوگوں کو خبر کردینا ہے تو ہم کو فیصلہ قرنا اور گھنٹے کے حق میں کرنا پڑتا ہے ۔مولوی شبلی ازمیر کے جامع حصار میں نماز پڑھنے گئے تو" وہاں بڑی خوبی" یہ دریافت کی کہ "صحن کے دونوں طرف دو بڑے بڑے ستونوں پر گھنٹے لگے ہیں جن سے اوقات نماز معلوم ہونے کے ساتھ مسجد کی زیبائش بھی ہے" اور آپ آرزو سے کہتے ہیں" ہمارے ہندوستان میں اس کی تقلید کی جاتی تو اچھا ہوتا" (سفر نامہ 21)پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کس وجہ سے اذان کی جدت اسلام کی عظمت دیگر ادیان کے مقابلہ میں بڑھا سکتی ہے۔ نہیں ہم بھول گئے ۔لوگوں کو نماز کے وقت سے خبردار کردینے کے عمدہ ترین ذرائع پر حضرت کے وقت میں بحث ہوئی تھی مگر حضرت نے خوب سوچ سمجھ کر یہودی اور عیسائی طریقے کو پسند کرلیا تھا۔ ابن ماجہ ابواب الاذان میں ہے عن عبداللہ زید قال کان رسول اللہ قدہم بالبوق وامر بالناقوس فنحت ذاری عبداللہ بن زید فی المنام ۔۔۔۔۔۔۔یعنی عبداللہ بن زید نے روایت کی کہ رسول اللہ نے قصد کیا نرسنگا بجوانے کا اور حکم دیا ناقوس کا پھر وہ تراشا گیا پھر عبداللہ بن زید کو سوتے میں خواب دکھلائی دیا اور اس کو اذان کے کلمات سکھلائے گئے جن کو حضرت نے پسند کیا اور اذان مقرر ہوئی۔ہم اس رائے کو جو مشورہ کے ساتھ جاگتے میں قائم کی گئی تھی اس خواب پر جو کسی کو سوتے میں دکھائی دیا ترجیح دینے میں تامل نہیں کرسکتے۔

ناظرین آپ نے ینا بیع الاسلام کے دلائل بھی دیکھے اور سید صاحب سے محققین کے اقبالات بھی۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا لازمی نتیجہ اس شخص کے لئے کیاہوگا جو آنکھیں کھول کر رہنمائی سے چلنا چاہتا ہے ۔سید صاحب خود کہتے ہیں کہ اگر کسی محقق اور صداقت کے متلاشی مزاج آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر یہی حال ہے تو اسلام اصول اور عقائد متفرقہ اور منتشرہ مذاہب سابق محض ایک ترتیب اور اجتماع کا نام ہے جو ادھر ادھر سے جمع کرلئے ہیں اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسلام کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو" صفحہ 241۔ یہ سید صاحب کے خطبہ کا آخری حصہ ہے اور سید صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا بجز اس کے کہ " یہ مشابہت اور مماثلت اصول اور عقائد مذہب اسلام کی دیگر مذاہب الہامی کے اصول وعقائد سے مذہب اسلام کے پاک اور الہامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے" ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کیوں الہامی مذاہب کے اس قسم کے انتخاب کے لئے وحی الہام کی ضرورت لاحق ہوتی ہے ۔اس قسم کے انتخاب کے لئے ذوق سلیم کافی ہے ۔ کسی فوق العادت تعلیم وتنویر کی احتیاج نہیں۔اس کو الہامی صرف اسی معنی میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ الہامی مذاہب سے ماخوذ ہے اور بس۔ پس اسلام کے لئے کسی ذاتی خوبی کا دعویٰ نہیں ہوسکتا۔ کیشب چندر سین کا دین بھی ادیان مروجہ کا انتخاب وخلاصہ ہے اور دین کی حیثیت سے کسی دین سے نیچا نہیں۔

اب آپ پوچھیں گے کہ آنحضرت کے پاس انتخاب کے ذرائع کیا تھے؟ یہ بات بلا تکلف مان لینے کی ہے کہ آنحضرت ایک منتخب روزگار شخص تھے اور جب آپ سن رشد کو پہنچے توآپ کی طبعیت مبارک میں اس امر کی پوری صلاحیت موجود تھی کہ آپ ان تمام عمدہ اثروں کو قبول کرلیں جو گرد وپیش کےمذہبی انقلابات قوم وخاندان کے مصلحین کے حالات اور ادیان مختلفہ اور مذاہب متداولہ کے اتفاقات واختلافات میں موجود تھے۔خدانے جس شخص کو عقل سلیم اور طبع مستقیم عطا فرمائی ہے وہ موحدین کی صحبت تو درکنار ذرہ سے اشارے سے بالیقین بت پرستی اور اسکی لازمی جہالت ونادانی کے عقائد وفرائض سے بیزار ہوجائے گا۔ اگر اکثر اہل عرب آپ سے پہلے بت پرستی وشرک کی تاریکی وضلالت سے نکل آئے تھے کیونکہ یہود ونصاریٰ کے الہامی ادیان نے اس ظلمت کدے میں ایک چراغ روشن رکھا تھا تو پھر آنحضرت سے محض فطرتی استعداد تقاضا کی بنا پر ایسی توقع کیوں نہیں کی جاتی کہ آپ بھی اپنے پیشینوں کی روش اختیار کرکے بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ موجودہ خدا پرستوں اور دینداروں کی جستجو میں لگیں اور یگانوں اور بیگانوں میں جہاں پائیں ان کی ہمدردی کریں اور ان سے ہمدردی چاہیں؟عربوں میں ایسے لوگ موجود تھے ۔قریش میں ایسے لوگ تھے نہیں بلکہ

آپ کے خاندان کے شرکاء میں ایسے لوگ تھے اور ہمار ادب مانع ہے کہ ہم آپ کو ان میں سے کسی سے کم مانیں۔ آپ کی حالت تو ہم ہر بات میں ان سے افضل پاتے ہیں۔ حسن اتفاق سے دراصل آپ کو اس مذاق کی صحبت بھی مل گئی تھی۔ عین جوانی میں آپ کو خدیجہ سی روشن ضمیر عورت سے قربت ہوگئی اور تاریخ میں کوئی بات اس امر کے خلاف نہیں کہ وہ اسلام لانے سے پہلے مسلمان تھی۔ ابھی آنحضرت نے توحید کا وعظ نہیں کیا تھا۔ ابھی آپ کو اپنی نبوت کا یقین نہیں ہوا تھا کہ وہ موحد اور خدا پرست تھی اور سچی معرفت کی باتوں سے آپ کو صراط مستقیم پر قائم کرتی تھی۔ آپ تو کہتے تھے لقدَ خشیتَ علیٰ نفسی مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے اور خدیجہ فرماتی تھیں کلاواللہ مایخزیک اللہ ابدا۔ نہیں قسم خدا کی اللہ تم کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔

دوسرا نیک اتفاق یہ ہوا کہ اس خدیجہ کا ایک چچیرا بھائی تھا۔ ورقہ بن نوفل جو ان چار مشہور ومعروف متلاشیان دین میں سے ایک تھا جو قبل ظہور اسلام قریش کی ملت کو چھوڑ کر توحید کی طرف دل وجان سے رجوع ہوگئے تھے۔ جس کا تذکرہ اس کتاب میں آچکا ہے۔ اس وقت بھی یہ ورقہ کوئی اجنبی شخص نہ تھا۔ آنحضرت بچپن سے اس کی شفقت کا تجربہ اٹھائے ہوئے تھے اور اس وقت تو یہ پیر روشن ضمیر بہت ہی بزرگ ہوگیا تھا۔ چنانچہ ابن اہشام جزو اول صفحہ 56 میں یہ واقع درج ہے کہ آنحضرت کی انا سعدیہ جب آپ کو لئے ہوئے آتی تھی کہ آپ کے خاندان والوں کی سپردگی میں آپ کو دے دے تو آپ کھو گئے۔ اس نے ہر چند تلاش کی مگر نہ پایا۔ ناچار عبدالمطلب کے پاس آئی اور ان سے اپنی مصیبت بیان کی۔ پس عبدالمطلب کعبہ میں آکر کھڑے ہوئے اور بارگاہ الہیٰ میں دعا کی لڑکا مل جائے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ حضرت کو ورقہ بن نول بن اسد نے اور کسی اور قریشی مرد نے پایا اور وہ دونوں آپ کو عبدالمطلب کے پاس لے آئے اور ان سے کہا یہ آپ کا لڑکا ہے جو ہم کو مکہ کی اطراف میں ملا۔ پھر عبدالمطلب نے لڑے کو لے لیا اور اس کو اپنی گردن پر بٹھلایا اور کعبہ کا طواف کیا اور اس کے لئے دعا کی اور پھر اس کو اس کی ماں آمنہ کے پاس بھجوادیا۔

تیسرا نیک اتفاق یہ تھا کہ حضرت کو کئی سفر درپیش آئے اور مشہور ہے سیاحی انسان کی طبعیت کو کشادہ اور اس کے خیالات کو وسیع کرتی ہے۔ شام اس زمانہ میں اہل کتاب کا ملک تھا۔ علم دین کا دیس خدا پرستوں کا وطن عین عالم شباب میں آپ تجارت کے سلسلے سے اس ارض مقدس کی زیارت سے مشرف ہوئے 1* "الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا" وہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں کہ دکھا دیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔ اس تیر تھ جاترا نے اس مقدس سفر نے آپ کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا ایسا اپنا سکہ بٹھلایا۔ نقشہ وہاں کا آپ کہ ذہن میں اس طرح کا نقش فی الحجر ہو گیا کہ آپ سوتے میں بھی یعنی عالم رویا میں اسی کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ پھر

1* سیرۃ النبی احمد

اسی طرح آپ نے یمن کا سفر کیا یہ اہل کتاب کا ملک ہوچکا تھا نوعمر کے ان سفروں پر ہم یہاں تاکید نہیں کرتے۔ جب 12 یا 14 برس کی عمر میں آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کو گئے تھے 1* اور 16 یا 17 برس کی عمر میں چچا زبیر کے ساتھ یمن کو گئے۔ اس لئے نہیں کہ ہمارے نزدیک بارہ یا چودہ برس کے ہونہار لڑکوں کا تحصیل علم کرنا عقل وشعور و تمیز داری کی باتوں کو نادانی وجہالت کے مقابلہ میں پسند کرنا صالحین کی صحبت سے متاثر ہونا ان کے پندو نصائح کو یاد کرنا اور آئندہ عمر میں ان پر کاربند ہونا کوئی خلاف عادت بات ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل اسلام اس کو مباحثہ میں قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ عمر اس قسم کے استفادہ کے لئے مناسب نہیں ہے۔

1* تاریخ ابوالفدا

آنحضرت کی مثال اس سے بالا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ آپ نے ان سفروں کو بالکل دنیا کے کمانے کا وسیلہ بنایا تھا اور کہ آپ روحانی تجارت سے مستفیض نہیں ہوئے جس کا فائدہ باقی رہتا ہے۔ آپ جو اپنی قوم کے دین سے بیزار ہوچکے تھے اور خدا پرستی کے پیاسے تھے آپ ضرور اس ملک کے عالموں اور درویشوں سے ملے اور ان کے راہبوں اور عابدوں سے ہم کلام ہوئے اور ان کے لوگوں نے بھی ایک ہونہار نوجوان متلاشی حق کی حالت میں جو اپنی اور اپنی قوم کی جہالت سے نکل کر راہ خدا کی تلاش میں تھا دلچسپی لی۔ جس سیدھے سادے واقعہ کو اہل سیر نے بحیرہ راہب کی غیب دانی کے افسانہ میں باندھا ہے پھر آنحضرت جو ان سفروں سے لوٹے تو آپ کا حافظہ صدہا قسم کی حمدومناجات وداعیہ وظائف ودینی قصص وحکایت کا ایک گنجینہ بن چکا تھا جس کو وہ اپنی یاد میں تازہ رکھنے لگے۔

چوتھا نیک اتفاق یہ ہوا کہ وہ مشہور ومعروف مصلح دین عرب زید بن عمرو بن نفیل جس کی خدا پرستی کی روایتیں خاص مکہ میں لوگوں کی یاد میں تازہ تھیں جو علانیہ کعبہ میں وعظ ونصیحت کرتا رہا تاوقتیکہ حضرت عمر وکے چچا نے اس کو ستاستا کر مکہ سے باہر نکال نہیں دیا اور تب بھی اس شہر کے پاس غار حرا میں رہا کیا جہاں آنحضرت بھی جایا کرتے تھے۔ اس شخص کی صحبت بابرکت بھی آنحضرت کو ضرور حاصل ہوئی۔ کتب سیر میں اس تفصیل کی توقع رکھنا عبث ہے تو بھی مصداق اگر ہوشمند است حرفے بس است" ایسے قرائن موجود ہیں جن سے اس خیال کی جو نفسہ بالکل قرین قیاس ہے تائید ہوتی ہے چنانچہ ترجمہ کے حاشیہ میں اس روایت کو بیان کرچکے ہیں کیونکہ آنحضرت اس سے مکہ میں ملے اور اس کے آگے دستر خوان رکھا (ینابیع الاسلام)۔

یہ شخص اپنے جوار میں بہشت مشہور تھا۔ اس کا پاکیزہ کلام کتاب کے ترجمہ میں نقل ہوچکا ہے۔ اس کی اخلاقی جرات ودلیری ۔ بت پرستی کی علانیہ مذمت وتکذیب غایت درجہ داد کے قابل ہیں۔ اس نے عمر بھی بہت ہی پائی تھی اور اس کو بہت وسیع وسائل اپنے زمانہ کے دینیات سے آگاہ ہونے کے حاصل تھے۔ نہ آنحضرت ایسے بزرگ شخص سے غافل رہ سکتے تھے اور نہ وہ ہی ایسے ہونہار جوان سے غافل رہ سکتا تھا۔ خصوصاً جبکہ یہ دونوں ایک ہی خاندانی لڑی میں پاس پاس پروئے ہوئے تھے۔

قس بن ساعدہ کا کچھ حال اس کتاب میں مذکور ہوچکا کہ کیوں کر آنحضرت کو اس کی صورت وسیرت یاد تھی اور کس طرح اس کا کلام آپ کے حافظہ میں کالنقش فی الحجر تھا علاوہ بریں امیہ بن صلت کے موحدانہ کلام سے بھی آپ کو کتنی بڑی دلچسپی تھی یہ بھی معلوم ہوچکا ہے۔

پس ہم کو یقین کرنا چاہیئے کہ اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ آنحضرت نے اس زید بن عمر سے استفادہ اٹھایا۔ چراغ چراغ سے روشن کرتے ہیں۔ اس سے کسی کی شان میں بٹہ نہیں لگ جاتا۔ صلحا کی روش کو دنیا دار کم سمجھتے ہیں حق خدا کا مال ہے جو چاہے اس کو اٹھائے اور اپنا کرلے۔ یہ مال مسروقہ نہیں ۔ آنحضرت کے متعلق کل روایتوں کا ماخذ اہل اسلام ہیں۔ پس جو باتیں ان کے مذاق یا عقائد کے بالکل مطابق نہ تھیں ان کے ان کی لکھی کتب سیر تواریخ میں گنجائش نہیں۔ پس ہم کو ایسے مقام پر امام اعظم کے اصول قیاس سے کام لینا پڑتا ہے اور زیادہ تر ہم اپنی عقل وفکر سے اس زیادہ کا رنگ دیکھ بھال کر مدد لیتے ہیں۔ گو یہ ممکن ہے کہ کوئی صاحب زیادہ کدو کاوش کرکے اسلام کی صبح صادق کی تاریخی پر زیادہ روشنی ڈالیں۔

مسلمانوں کی روایتوں میں ورقہ بن نوفل جس کا ذکر آچکا ایک شخص تھا جس کے تعلقات آنحضرت کے ساتھ بہت ہی کھلے ہوئے ہیں۔ اہل اسلام اپنی روایتوں میں سے اس کو ایک بڑا محقق عالم بیان کرتے ہیں جیسا کتاب میں پیش ازیں دکھلایا گیا اور شاہ بعد العزیز صاحب سورہ فاتحہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں " اومرد عالم بود بتوریت وانجیل وازعلمائے نصاریٰ علم بسیار فرا گرفتہ "یعنی وہ توریت وانجیل کا عالم تھا اور علمائے نصاریٰ سے بہت علم حاصل کیا تھا اور اس زمانہ کے علم وفضل کے اندازے سے خصوصاً عرب کی جہالت کے مقابلہ میں وہ در حقیقت علامہ دہر معلوم ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب بداء الوصی میں اس کی بابت یہ لکھا ہے وہوابن عم خدیجہ اخی ابیہاد کان امرء تنصر فی الجاہلیت وکان یکتب الکتاب العربی ویکتب من الانجیل بالعربیتہ مشاء اللہ ان یکتب وکان شیخا کبیراً یعنی وہ خدیجہ کے چچا کے بیٹے تھے اور وہ جاہلیت کے زمانہ میں عیسائی ہوگئے تھے اور وہ عربی میں ایک کتاب لکھا کرتے تھے اور وہ انجیل کو عربی میں لکھا کرتے تھے جتنا اللہ ان سے لکھواتا تھا اور بہت بڈھے ہوگئے تھے۔

شاہ عبدالعزیز بھی سورہ اقراء کی تفسیر میں اس ورقہ کی شان میں تحریر فرماتے ہیں" برکتب عبرانی وتوریت وانجیل واقفیت تمام داشت وہم بزبان عربی ترجمہ آنہامے نوشت" یعنی یہ شخص عبرانی کتابوں اور توریت وانجیل سے پوری واقفیت رکھتا تھا اور ان کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ بھی لکھا کرتا تھا۔

اس علم دوست دیندار آدمی نے عمر کی پوری برکت پائی تھی۔ یہ عالم شباب میں یہود ونصاریٰ کے ملکوں میں سیاحی کرکے اور عالموں کی صحبت اٹھا کر عیسائی ہوگیا تھا اور ہمیشہ اسی دین پر قائم رہا۔ اپنی بساط وگنجائش کے موافق اس نے کس قدر نسخے کتابوں کے اور کس قدر تحریری کلام نثر ونظم وتراجم وغیرہ اپنے پاس نہ جمع کئے ہونگے اور خود بھی کس قدر نہ لکھا پڑھا ہوگا۔ کان یکتب الکتاب بالعربی وہ عربی میں ایک کتاب لکھا کرتے تھے یہ تم خود جانتے ہو اور یکتب من الانجیل بالعربیۃ اور وہ انجیل سے ترجمہ کرکے عربی میں لکھا کرتے تھے یہ بھی تسلیم کرتے ہو اور لکھتے بھی اتنا ہی تھے" ماشاللہ ان یکتب جتنا اللہ ان سے لکھواتا تھا جس کا حاصل یہ ہوا کہ عربی زبان میں ان کی تصنیفات موجود تھیں اور ان میں ایسے نسخے بھی تھے جن کو لوگ انجیل کا ترجمہ سمجھتے تھے اور وہ لکھے بھی تائید الہیٰ سے گئے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ورقہ کا یہ علمی زخیرہ کہاں گیا جو اس نے ملک ملک سفر کرکے غیر معمولی بڑی عمر میں اپنے پاس فراہم کیا تھا؟ بالخصوص اس کی وہ عربی کتاب جو وہ لکھا کرتا تھا اس کے وہ نسخے جو انجیل کا عربی ترجمہ گمان کیا جاتا تھا؟ ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ علمی سرمایہ اس ورقہ کی ملکیت سے تھا سب کا سب حضرت محمد صاحب کے ہاتھ آیا۔

یہ ورقہ خدیجہ کا چچازاد بھائی تھا اور اس بڑھاپے کے وقت میں مکہ میں رہتا تھا جو حضرت خدیجہ کا مسکن تھا۔ حضرت خدیجہ ورقہ کی موت کے وقت بڑی صاحب ثروت رئیسہ تھیں اور اپنے بھائی کے حال نگران بلکہ دینی امور میں اور مشکل کے وقت وہ ان سے رجوع کیا کرتی تھیں ۔ اسی ورقہ کے حین حیات میں آنحضرت کی شادی بی بی خدیجہ کے ساتھ ہوگئی۔ نزول سورہ اقراء کے وقت ورقہ مکہ میں اپنی بہن خدیجہ کے پاس موجود تھا اور آنحضرت کے شک وشکوک رفع کرانے کی غرض سے بی بی خدیجہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئی تھیں اور آپ نے اس سے بات چیت کی ۔ پھر اس زمانہ سے کچھ مدت بھی وہ زندہ رہا۔ ورقہ کی وارث گویا بی بی خدیجہ ہی تھیں اور خدیجہ آنحضرت کی زوجہ تھیں تو اس جہت سے ورقہ کے وارث آنحضرت ہی ہوئے۔ پس اس قیاس کے لئے کوئی امر بھی تو مانع نہیں کہ ورقہ کا روحانی علمی ترکہ بلاشرکت غیرے ومداخلت احدے آنحضرت کے ہاتھ لگا کیونکہ آپ تو اس علم کے قدر دان تھے آپ خدا پرستوں کے شیدا تھے آپ دور دور کے دینداروں کی فکر رکھتے تھے ۔ پھر کیونکہ آپ اس مرد بزرگ سے جو آپ کا عزیز وقریب تھا بلکہ آپ کا رفیق تھا غافل رہ سکتے ؟ کیا

اسی نے نزول وحی کی پریشانی وسراسیمگی میں آپ کی مدد نہیں کی اور آپ کی خاطر مضطر کو تسکین واطمینان نہیں بخشا؟ آپ نے کم از کم ورقہ کی وہ کتاب جووہ لکھا کرتا تھا اور وہ عربی ترجمے جن کو لوگ انجیل کے ترجمے سمجھتے تھے ضرور بچالئے اور اس طرح ورقہ کے ملفوظات محفوظ رہ گئے۔اس میں آپ کی مدد خود خدیجہ بھی کرسکتی تھیں کیونکہ ان کو بھی اہل کتاب کے علم سے حصہ ملا ہوا تھا۔ تاریخ طبری کا یہ فقرہ بھی مشہور ہے کہ " خدیجہ کتاب ہائے پیشین خوانده بود خبر ہائے ۔پیغمبر ان دانستہ ' اسلام کے مورخین نے ضرور اس بات کی کوشش کی کہ اس قسم کے احتمالات پیدا نہ ہونے پائیں اور مخالفین کوموقع نہ ملے اور ان کو اس بات کا خیال رہا ہے شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر سورہ اقراء کی تمہید کے آخر میں لکھتے ہیں:

"ورقہ بن نوفل راکہ تسلی بخش آنجناب شدو بودوشہادت بر نزول وحی دادہ جبرائیل عم راشنا ختہ وکمرہمت رابنصرت وامداد آنحضرت صلعم بستہ بود زدازیں جہان برداشتند تاکسے راگمان نشود کہ ایں ہمہ قصص اوائل و دیگر امور شرائع آنحضرت صلعم راہ تلقین نمود ویاد دادہ باشد صحبت آنحضرت بادے بعد ازیں وقاعہ مستمر نماندو گنجائش ایں احتمال مطلق مسدو گردو نیز امداد نصرت آنحضرت صلعم دریں دین موقوف براہد اہل کتاب مستفیضان ادین سابقہ نشود"

یعنی ورقہ بن نوفل جس نے جناب محمد صاحب کو تسلی دی تھی اور آپ پر نزول وحی کی گواہی دی اور حضرت جبرائیل کو پہچانا اور آپ کی یاری اور مددگاری پر کمرہمت کسی تھی اس جہان سے اس شخص کو جلد اٹھالیا تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ تمام ابتدائی قصے اور شریعت کی دوسری باتیں اسی شخص نے حضرت کو سکھلائیں اور یاد کرائیں تھیں۔

اس واقعہ کے بعد آنحضرت کی صحبت اس کے ساتھ قائم نہ رہی تاکہ ایسے احتمال کی گنجائش بھی مٹ جائے اور حضرت کی یاری ومددگاری کا خیال اسلام میں اہل کتاب کی یا ان لوگوں کی امداد پر موقوف نہ رہے جن کو پہلے دینوں سے فیض حاصل ہوا تھا۔ یہ گمان کہ امور شرائع وقصص وغیرہ حضرت کو ورقہ نے تلقین کئے اور یاد کرائے اس امر سے نہیں مٹ سکتا کہ بعد نزول سورہ اقراء اس کا انتقال ہوگیا۔ وہ گمان تو اس پر مبنی ہے کہ نکاح خدیجہ کے زمانہ سے جب آپ کی عمر 25 سال کی تھی رویت جبرائیل علیہ السلام تک جب آپ 40سال کے تھے بعد بھی اس نے اپنی عربی کتب جو چھوڑیں وہ سوائے حضرت کے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں پڑیں۔

یہاں ایک خاص بات بھی ہے جو ہمارے دعوے کی سراسر تائید کرتی ہے وہ یہ کہ تاحین حیات ورقہ آنحضرت نے اصل دعویٰ نبوت نہیں کیا۔ آغاز وحی کی نسبت ابن ہشام اور روضۃ الصفا کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ چالیس برس کی عمر میں حضرت غار حرا میں اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ کوئی شخص دکھائی دیا جس نے آپ کو سورہ اقراء کی ابتدائی آیتیں پڑھادیں۔ اس واقعہ کو دیکھ کر حضرت ایسے ڈرگئے کہ سہمے ہوئے آپ گھر تشریف لائے اور بی بی خدیجہ سے فرمایا کہ میں کاہن ہوگیا اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ جس شخص میں میں دیکھا وہ مبادا وہ شیطان ہو اور یہ خوف ہراس آپ پر یہاں تک طاری ہوگیا کہ آپ پہاڑ سے کود کر جان دے دینا چاہتے تھے بارے بی بی خدیجہ نے آپ کو بہت دلاسادیا اور سمجھایا اور اپنے بھائی ورقہ کے پاس لے جاکر آپ کے شکوک رفع کرانے کی اور اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ جس شخص کو آپ نے دیکھا وہ فرشتہ تھا۔ یہیں یہ روایت بھی بیان ہوئی کہ کیونکر اس امر کی تحقیق کرنے کو کہ وہ فرشتہ تھا یا شیطان حضرت خدیجہ نے ایک خاص عمل کیا اور پھر حضرت سے فرمایا فواللہ انہ لملک وماھد الشیطان خدا کی قسم وہ فرشتہ ہے اور شیطان نہیں روضتہ الصفا جلد دوم صفحہ 32مطبوعہ ممبئی اور ابن ہشام جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ 82)۔

گو یہ نہیں معلوم کہ ابتدائی واقعہ کے بعد کتنے دنوں ورقہ زندہ رہے مگر بخاری شریف کی حدیث وحی میں بذکرملاقات ورقہ لکھا ہے ثمہ لمہ ینشب ورقہ ان توفیٰ وفتر الوحی یعنی بعد تھوڑی مدت کے ورقہ کا انتقال ہوگیا اور وحی آنا بند ہوگیا۔ پھر اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ اقراء کے بعد جو سورہ آپ پر نازل ہوئی وہ سورۃ یا یھا المدثر ہے ۔ شارحین بتلاتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کے درمیان تین برس کی مدت گذری اور اس کے بیچ میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ یہ فترالوحی کازمانہ حضرت کے لئے بڑی آزمائش کازمانہ تھا۔ تاریخ کامل ابن اشیر میں لکھا ہے "زہری کہتا ہے کہ پھر وحی آنا بند ہوگیا اور رسول اللہ کو سخت رنج ہوا یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر جاتے اور چاہتے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے گرادیں لیکن جب ہی وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو وہاں جبرائیل آتے اور کہتے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں۔ اس سے آنحضرت کے دل کو تسکین ہوجاتی اور پھر دل ٹھہر جاتا ہے" یہی روایت بخاری سے مشکواۃ میں نقل ہوئی (باب المبعث) گمان غالب یہی ہے کہ ورقہ کی عمر نے اس سے زیادہ وفا نہ کی اور آنحضرت کو اپنی نئی مشکلات خود حل کرنا پڑا۔ اس وقفہ میں سلسلہ وحی منقطع رہا۔ سوال یہ ہے کہ اس تین برس کی مدت میں حضرت کیا کرتے رہے اور وحی اس طرح کیوں ملتوی ہوگئی؟ ان جملہ واقعات پر مجموعی نظر ڈالنے کے بعد جو جواب ہم کو سوجھا وہ یہ ہے کہ اول تو کچھ وقت اس بات کے لئے درکار تھا کہ آپ خود تیقن حاصل کرلیں کہ نازل ہونے والا روح الامین تھا نہ معاذ اللہ شیطان لعین۔ دوم ایک مدت ورقہ کے کتاب خانہ کی جانچ پڑتال اور ترتیب تدوین میں ماخذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول سے صرف ہوئی۔ یوں تین برس کا زمانہ دینی محنت وریاضت میں لگ گیا۔ جس سے الہامی سرمایہ فراہم ہوا۔ اس کے بعد میدان صاف تھا۔ اللہ نے کرم کیا حضرت جبرائیل لگاتار نازل ہونے لگے اور

اب عہد نبوت کا شروع ہوا۔ یوں یہ عقدہ بھی حل ہوگیا کہ کیوں ورقہ کے حین حیات میں دعویٰ نبوت و نزول قرآن کی گنجائش نہ تھی اور ہم کو قرآن میں ورقہ کی الکتاب العربی بھی مل جاتی ہے مگر ہاں اس قسم کے احتمالات کا اثر اسلامی مورخین پر ضرور پڑا۔ انہوں نے اپنی کتب میں ان واقعات کی تفصیل کو دبادیا۔ اس خوف سے کہ مبادا مخالفین کے ہاتھ اعتراض لگ جائے گا مگر تحقیق کے لئے میدان اب بھی کافی ہے۔

قرآن کیونکر موجود ہوا۔ جو لوگ آنحضرت کے دعوی الہام ووحی کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے وہ خود کسی الہام ووحی کے قائل ہوں یا نہ ہوں ان کا قول یہ ہے کہ قرآن آنحضرت کی اپنی تصنیف ہے جس کے لئے آنحضرت نے بڑی کوشش وجان افشانی سے اسباب بہم پہنچائے تھے۔ ہم اس رائے کو ترمیم کے قابل ضرور سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک حق یوں ہے کہ قرآن میں ایسے اجزا تھوڑے ہیں جو حضرت کی اپنی تصنیف سے ہوں۔ ہم آنحصرت کو قرآن کامصنف نہیں سمجھتے اور یہ ایک طور سے وہی بات ہے جو اہل اسلام خود مانتے ہیں۔

آنحضرت کی اپنی انشا پردازی کا طرز واسلوب دریافت کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی سامان ہیں یعنی احادیث۔ ان میں اور قرآن میں صریح فرق ہے ۔ یہ دونوں ایک ہی شخص کی تصنیف ہو نہیں سکتے ۔ سرسید احمد نے اس خیال کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے " جب ہم آنحضرت صلعم کی کسی متواتر یا مشہور حدیث کو پڑھتے ہیں جس میں یقین کیا جاتاہے کہ خاص لفظ آنحضرت صلعم کے محفوظ ہیں جیسے دعائیں وغیرہ تو ہم کو معلوم ہوتاہے کہ ان کا طرز کلام دیگر فصحائے عرب کے طرز کلام سے کچھ غیر مشابہ نہیں ہے۔ لیکن جب ہم قرآن مجید کے مقدس مضمون کو پڑھتے ہیں تو ہم کو حیرت ہوتی ہے اور ہمارا تعجب بے انتہا بڑھ جاتاہے کہ وہ دونوں کلام ایک شخص کے نہیں معلوم ہوتے اور وہ دونوں میں بہت بڑا فرق پاتے ہیں اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ اول کلام انسانی ہے اور دوسرا کلام ربانی خطبہ (12 صفحہ 670و671)۔

بات تو سچ کہی ہے کہ مگر منطق غلط یہ لازمی نہیں کہ اگر "دونوں کلام ایک شخص کے نہیں" تو وہ دوہی کے ہوں اور پھر ان دو میں ایک خدا بھی ہو۔ اب جس شخص نے اس تدقیق کے ساتھ قرآن وحدیث کے مضامین پر غور کیا ہوگا اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ خود قرآن اول سے آخر تک کسی ایک اسلوب پر نہیں۔ اندرونی شہادت عبارت وبندش الفاظ ومضامین وانشائے سے ظاہر ہوتاہے کہ کلام کہیں مقفیٰ و مسجع ہے جس کی نثر میں شاعرانہ رنگ ہے کہیں آمد ہے گویا استغراق ووجد کی حالت میں کوئی اپنے رحوانی جذبات بیان کررہا ہے کہیں ناول کے ڈھنگ پر دلچسپ قصے ہیں۔ کہیں واعظانہ مذاق میں زہد خشک اظہار ہے کہیں امم سابقہ کی سرگذشت مورخانہ انداز سے کہیں کھری حکاتیوں کا تکرار طبعیت کو اکتا دینے والا۔ غرضیکہ مختلف لوگوں کا کہا ہوا مختلف درجوں کا کلام ہے کہیں چست ہے کہیں سست کہیں تیکھا ہے کہیں پھیکا۔ جس شخص کا یہ کلام ہے اولک الذین اشترو الضلالۃ بالھدیٰ تا آخر رکوع سورہ بقر اسی کا وہ کلام ہر گز نہیں ہوسکتا جو سورہ احزاب کے رکوع 5 میں اس طرح شروع ہوا ہے ۔ ماکان لمومن ولامومنۃ اذا قضی اللہ ورسلولہ امراً حاصل کلام یہ " کہ اگر کوئی شخص بہت سے زہد وپند کی کتابوں کے منتخب کلام کو ایک مجموعہ میں جمع کردے تو سمجھ کر پڑھنے والامضامین میں امتیاز کرسکتا ہے ۔اسی طرح قرآن بھی ایک کشکول ہے جس میں صدہا متقدمین کا کلام اکٹھا کیا گیا اور گو مصنفوں کے نام ناپید ہوگئے اور سب کا سب ایک ہی سے منسوب کردیا تو بھی امتیاز باقی ہے اور اندرونی شہادت زبردست ہے جس سے مختلف مصنفوں کا کلام جداجدا معلوم ہوجاتا ہے۔

یہ اس قسم کا تغیر وتبدل نہیں جو اکثر زندگی کے مختلف زمانوں کے کلام میں کسی ایک ہی عالم یا شاعر کی تصنیف میں ہوا کرتاہے ورنہ ہم اس کو صرف آنحضرت کا یا کسی اور ایک ہی شخص کا کلام مان لیتے بلکہ یہ اس قسم کا فرق ہے جس سے روشن ہوتاہے کہ مختلف زبان ومختلف اقوام عرب ومختلف خیالات کے لوگوں کا رطب دیا بس کلام عربی جو مواحدانہ اخلاقانہ پایا جمع کرلیا اور پھر کسی ایک ترتیب سے اس کو ظاہر کرتے چلے گئے ۔ قرآن ہمارے نزدیک پیشتر ان تحریرات پر مشتمل ہے جو ورقہ نے جمع کی تھیں اور اس سے منسوب کی جاتی تھیں جن کی نسبت مسلم وغیرہ لکھتے ہیں کان یکتب الکتاب العربی ویکتب من الانجیل بالعربیۃ آنحضرت کے لئے اس کتاب کو پڑھنا یا اس کی نقل کرنا یا وقتاً وفوقتاً اس کے مضامین یاد کرکے لوگوں کو سنا دینا کچھ مشکل نہ تھا ترجمہ ینا بیع میں ہم صاف دکھلا چکے کہ امی کے معنی ناخواندہ نہیں نہ کوئی وجہ ہے کہ ہم آنحضرت کو ناخواندہ مان لیں۔آنحضرت کے زمانہ میں پڑھنا لکھنا شاذ تو تھا پر یہ بھی پڑھے لکھے آدمی موجود تھے۔آنحضرت کی حالت بالکل استثنائی تھی۔ ان کو بذات خاص پڑھنے لکھنے کے سامان آسانی سے بہم پہنچے ہوئے تھے۔ آپ جوانی میں خدیجہ کے کارندے تھے۔ حساب کتاب کا کام آپ کے لئے لازمی ہوگیا۔ خود خدیجہ کو لوگوں نے پڑھی لکھی کہا ہے خود اس کے اپنے گھر میں اس کا بھائی بقول اسلام ایک بڑا عالم تھا۔ معمولی طبعی شوق اور پھر اس کے لئے موقع ووسائل اور تجارت میں اس کی ضرورت واحتیاج اور ان سب پر پڑھے لکھے لوگوں کی صحبت ۔ ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ضرور تحصیل علم کیا اور آپ ورقہ کے علم وعلمی اندوختہ کے وارث جائز ہوئے۔ گو بعد کو اپنے پڑھے لکھے ہونے کو یا تو بوجہ منکسر مزاجی یا کسی اور دینی یا دینوی وغیرہ مصلحت سے ظاہر نہ کیا یا قصداً پوشیدہ کردیا۔

ورقہ کی اپنی لکھی ہوئی کتاب العربی موجود تھی۔ اس کی اور بھی تحریرات تھیں جو من الانجیل بالعربیۃ مشہور ہوئیں۔علاوہ اس کے اس علم دوست محقق دیندار قریشی عیسائی کے کتب خانہ میں نہ معلوم اور

دوسروں کی عربی تحریروں کا کتنا بڑا ذخیرہ تھا۔ مثلاً زید بن عمرو کا جو اسی ورقہ کا دوست وہمدرد تھا کل کلام عربی میں تھا۔ دیگر حنفائے عرب کا کلام بھی اسی زبان میں تھا۔ یہی حال عربی یہودیوں وعرب متنصر کی تصنیفات کا تھا ورقہ خاص دینی مذاق کا شخص تھا۔ اس کے کتب خانہ میں اس قسم کے کل دینی لٹریچر کی موجودگی کی توقع بہت آسانی سے کی جاتی ہے۔

عاد وثمود کے قصے کہانیاں۔ اصحاب الاخدود اصحاب الکہف والرقیم کے افسانے اصحاب فیل کے مقامی روایات احسن القصص حضرت یوسف کا قصہ، موسیٰ وہارون کے فرعون کو زک دینے کی تاریخ، سلیمان کے جاوہ حشم وبلقیس کے ایمان وسفر کے حالات اور اسی قبیل سے آل یعقوب کی صدہا اور حکایات، پھر عیسائیوں کی اپنی احادیث حضرت مریم وعیسیٰ کی پیدائش زکریا کی دعا یہ یحییٰ کا تولد، حواریوں کی تبلیغ دین سورہ یاسین، حضرت مسیح کے معجزات طفلی۔ ان سب کے ماخذ کے لئے ورقہ کی الکتاب العربی اور اس کی تحریرات من الانجیل بالعربیۃ کافی سے زیادہ ہوسکتے ہیں۔ علاوہ بریں اس قسم کی روایات وقصص عرب کے درمیان زبان زد خاص وعام ہورہے تھے اس پر خود قرآن شاہد ہے " کیا پہنچا نہیں ان کو احوال اگلوں کا قوم نوح کا اور عاد کا اور ثمود کا اور قوم ابراہیم کا اور مدین والوں کا اور الٹی بستیوں کا" سورہ توبہ ع 9۔ اگر یہ قصے عرب میں جاری ساری نہ ہوتے تو یہ سوال بے معنی ہوتا۔

پس یہ بوقلموں افسانے یہ رنگارنگ پندونصائح یہ حمد ومناجات کے مضامین یہ دوزخ کے عذاب وجنت کے عیش کے نقشے یہ سب کے سب تحریری وزبانی نظم ونثر میں موجود تھے جن کو آنحضرت نے ورقہ کے علمی گودام میں محفوظ پایا۔ آپ نے اس کی قابل داد قدر کی۔ آپ نے اس کو بے ترتیبی سے یا یوں کہو کہ ایک خاص ترتیث سے تالیف کیا۔ اس میں جس قدر کلام نظم تھا اس کو توڑ کر ایک خاص طرز کی نثر پر لے آئے اور جا بجا قل کا اضافہ کیا اور جہاں تک نبھ سکا اللہ کے ذکر کو غائب سے متکلم کے صیغے میں کردیا تاکہ لفظی وحی کے دعوے کے ساتھ موافقت پیدا ہوجائے۔ اس زمانہ کا یہ بڑا علمی سرمایہ جو حسب موقع گلایا گیا اور مختلف سانچوں میں ڈھلا گیا دینداروں کا کلام تھا یعنی خدا پرستوں کا جس کے قدر دان عوام الناس جو بت پرست تھے نہیں ہوسکے۔ یاد بھی یہ صرف معدودے چند معتقدین کو رہ سکتا تھا اور شاید ورقہ کے سوا کسی اور نے اس کو اس طرح تالیف وتدوین بھی نہیں کیا تھا۔ حضرت نے اس کو بڑی مشقت وجانفشانی سے محفوظ رکھ چھوڑا اور پھر ترتیب دے کر وحی کا دعویٰ کیا اور حسب ضرورت ٹکڑے ٹکڑے بالااقساط 23 برس کی مدت میں خوب مانجھ کر اور سلجھا کر لوگوں کو سنایا اور دیانت کے ساتھ اس بات کا اعتراف بھی کردیا کہ میں اس کا مصنف نہیں ہوں بلکہ جس طرح اگر کسی اللہ نے دیا اسی طرح آپ نے بھی اس نعمت غیر مترقبہ کو منزل من اللہ کہا یعنی

اس منتخبات کو جس کے مختلف مصنفوں کا نام بھی لوگ بھول گئے تھے آپ نے گمنام شائع کیا یعنی ایک فرضی نام سے منسوب کردیا اور یہ بات اس زمانہ کے ضمنی آداب کے خلاف بھی نہ تھی۔ لوگ اپنی کتابوں کو مشہور عالموں وحکیموں سے منسوب کردیتے تھے۔ خود مسلمان اپنی موضوعہ روایات واحادیث کو حضرت سے منسوب کرتے رہے۔ اسی طرح حضرت نے جو اپنے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اپنی تالیف کو اللہ سے منسوب کردیا۔

لیکن معاصرین میں سے بعض لوگ جو زیادہ واقفکار تھے بغیر شور شغب اٹھائے نہ رہے۔ ان کے اصلی اقوال ہم کو آزاد ذرائع سے پہنچے ہیں۔ ہاں ان کے بعض الزاموں کا ذکر قرآن نے اپنے طور پر صرف اس غرض سے کیا کہ مومنین کے دل کے شکوک رفع ہوجائیں ولیکن جو لوگ قرآن کے ساتھ اسلامی حسن عقیدت نہیں رکھتے ان کے لئے وہ جواب مطلق تسلی بخش نہیں بلکہ نکتہ سنجیوں کے لئے وہ اشارے جو ان مخالفین معاصرین کے الزاموں میں ملتے ہیں ایسے مطلب خیز ہیں گویا مبسوط کتابیں ہیں (سورہ نحل رکوع 14) "ہم کو معلوم ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں اس کو سکھاتا ہے آدمی جس پر تعریض کرتے ہیں اس زبان تو عجمی ہے اور یہ عربی صاف ہے"

اہل مکہ کہتے تھے کہ حضرت کو ایک آدمی تعلیم دیتا ہے اور کسی خاص شخص کی طرف اشارہ بھی کرتے تھے کہ جو اہل کتاب سے تھا اور جس کا مذکور جملہ تفاسیر میں ہے۔ اس آیت میں اس کی تفصیل نہیں ہے کہ مخالفین کس قسم کا سکھلانا کہتے تھے۔ آیا وہ شخص قرآن کی عربی بنا بنا کر آپ کو دیا کراتا تھا یا صرف مضامین بتلاتا اور تعلیم سمجھاتا تھا۔ آیت میں اس شخص کے وجود سے اقرار کرتا ہے اور دوسری قسم کے سکھلانے سے انکار نہیں۔ صرف ضمنی طور سے اس بات کا انکار کیا ہے کہ قرآن کی جو عربی معلیٰ ہے عدجمی شخص اس قسم کی عبارت نہیں لکھ سکتا۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اس میں اس بات کا بھی انکار نہیں ہے کہ وہ عجمی شخص عربی کا بولنے والا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک عجمی عرب میں رہنے لگے اور عربی بولے اور لکھے گو ان لوگوں کے برابر نہ ہوسکے جن کی زبان مادری ہے۔ اگر اہل مکہ کا مقصود یہ تھا کہ ایک عجمی اہل کتاب عربی میں مضامین قرآن بیان کرتا ہے اور حضرت اس کو اصلاح دے کر اعلیٰ درجہ کی عربی میں کرلیتے ہیں تو دراصل اس آیت میں اس الزام کا جواب نہیں ہے۔

سورہ فرقان ع 1 "اور کہنے لگے منکر یہ کچھ نہیں مگر جھوٹ جو وہ آپ باندھ لایا ہے اور اس میں اس کی مدد کی ہے اور لوگوں نے۔ اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں اگلوں کی جو لکھ لایا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح وشام۔ تو کہہ اس کو اتارا ہے اس شخص نے جو جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں میں اور زمین میں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ مکہ کسی ایک ہی شخص کا نام نہ بتاتے تھے جو ان کے گمان میں آنحضرت کو سکھلاتا تھا بلکہ وہ حضرت کو سکھلانے والے بہت لوگوں کو بتلاتے تھے جو ایک گروہ کا گروہ تھے۔اسی آیت میں ان کا ایک اور دعویٰ بھی ہے جو شاید آنحضرت کے جواب مرقومہ بالا کی تردید میں ہے۔ آنحضرت نے کہا تھا کہ قرآن عربی مبین ہے۔ اس کو کوئی عجمی شخص نہیں بنا سکتا کفار کہتے ہیں کہ ہم عجمی شخص سے اس کی تصنیف منسوب نہیں کرتے قرآن تو اساطیر اولین ہے۔پہلے لوگوں کے نوشتے جو آنحضرت لکھ لائے ہیں۔ سو وہی لکھوائے جاتے ہیں۔آپ کے پاس صبح وشام یعنی عربی نوشتے ہیں متقدمین کی تحریریں شب وروز آپ اور آپ کے یارو مددگار انہیں کو ترتیب وتالیف کرکے لکھتے رہتے ہیں اور ہم کو سناتے ہیں۔ دراصل یہ بہت پتے کی باتیں ہیں۔مگر ان کا جواب قرآن میں کچھ نہیں دیا گیا۔آنحضرت نہیں فرماتے کہ ایسے لوگ عرب میں کوئی موجود نہیں ہیں یا اگر ہیں تو میری ان تک رسائی نہیں یا وہ میرے پاس آتے جاتے نہیں یا ہمارا اور ہمارے ایسے یاروں کا کوئی خفیہ جلسہ کہیں نہیں جمتا۔ نہ وہاں صبح وشام درس وتدریس کا کوئی بازار گرم رہتا ہے اور نہ پرانی کتابوں کی نقلیں اتاری جاتی ہیں یا ان کے مضامین جمع کئے جاتے یا اس طور پر قرآن تالیف کیا جاتا ہے اس سب کے جواب میں آنحضرت صرف یہ فرماتے ہیں کہ اس قرآن کو تو خدا نے اتارا ہے۔کہاں ان لوگوں کا آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کرنا اور کہاں یہ دعویٰ جو دلیل کا محتاج ہے۔ ہم کو تو اس جواب سے تشفی نہیں ہوئی اور معاصرین کو بھی تشفی نہیں ہوئی اور شاید ہمارے ناظرین کی بھی تشفی نہیں ہوسکتی۔

سورہ انفال ع 4 "جب پڑھی جائیں ان لوگوں پر ہماری آیتیں بولیں ہم سن چکے ہیں جو ہم چاہیں اس کی مانند کہہ ڈالیں یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی نقلیں ہیں۔

اس آیت کے مضمون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ مین بعض لوگ تھے جو ان کے اگلے نوشتوں کے مضامین وعبارت سے واقف ہوچکے تھے جن کی نقلیں وغیرہ قرآن میں تالیف کرکے آنحضرت سنایا کرتے تھے۔ قد سمعنا ہم سن چکے ہیں۔ یہ فقرہ قابل غور ہے۔ کفار کہتے ہیں کہ یہ کلام جو تم ہم کو انزل اللہ کہہ کر سناتے ہو ہمارا سنا ہوا ہے۔ ہمارے کان اس سے آشنا ہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ پرانے استادوں کا کلام ہے۔ یہ اساطیر الاولین ہے۔ اگلے لوگوں کے نوشتے۔ یہ کوئی نیا کلام نہیں جو ابھی تازہ آسمانی ڈاک میں پہنچا ہو۔آنحضرت کے سنانے سے پہلے ان لوگوں نے اس کلام کو کہاں سے سن پایا تھا؟ شاید ورقہ نے اپنی عربی کتابوں کے بعض مضامین چیدہ چیدہ لوگوں کو پہلے کبھی سنادیئے ہوں یا اس کی جمع وتالیف سے پہلے اس کلام کا شہرہ ہوچکا تھا۔ دراصل یہ وہی باتیں ہیں جو ہم یہاں ثابت کررہے ہیں کہ قرآن اساطیر الاولین ہے جن کو آنحضرت خدا اور جبرائیل کے نام سے لوگوں کو سناتے رہے اور ہم نے اس کا ماخذ بھی بتادیا کہ وہ ورقہ کا کتب خانہ تھا اور اس کی الکتاب العربی اور دیگر تحریرات معروف بہ من الانجیل بالعربیۃ۔

ہمارے نزدیک کفار کا دعویٰ کہ اساطیر الاولین ہے بالکل صحیح ہے اور ہمارے نزدیک قرآن کی گواہی اپنی شان میں کہ نہ الفی زبر الاولین۔ شعر اع لا قرآن لکھا ہوا ہے پہلوں کی کتابوں میں بھی " برحق ہے۔

سورہ انعام ع 13 میں ایک جگہ لکھا ہے کہ کذلک نصرف الایات ، ولیقولوا است" یعنی یوں ہیر پھیر سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور تا کہیں کہ تو پڑھا ہے یعنی تو نے اے محمد اہل کتاب سے تعلیم پائی ہے اور تو نے اگلے لوگوں کی کتابیں پڑھی ہیں اور قرآن اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ کفارہ کا دعویٰ ہے۔ جلالین میں اس فقرہ کی تفسیر یہ ہے دراست ذاکرت اہل الکتاب (فی قراۃ درست اے کتب الماضئین وحست بہذا نہا۔

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ مصلحت وقت یہی تھی کہ آنحضرت قرآن کے حقیقی ماخذ کو خوب پوشیدہ کریں اور اس امر میں مخالفوں کے الزاموں کا تفصیل کے ساتھ جواب دینے سے اجتناب کریں تاکہ اس امر کا شہرہ عام نہ ہو اور صرف اپنے معتقدین کی دلجوئی کریں۔ مگر کبھی ایسے راز بالکل سربستہ نہیں رہ سکتے۔ آنحضرت کا ایک بڑا معتمد اہلکار جو حضرت عثمان کے عزیزوں میں سے تھا اور کتاب وحی پر مامور تھا یعنی عبداللہ بن ابی سرح جب اس نے قرآن کی جمع وترتیب کے اسباب وذرائع پر غور کیا اور اس کے ماخذ کو دیکھا تو فوراً بد اعتقاد ہوگیا اور اسلام سے پھر گیا اور مخالفوں سے جاملا اور تمام باتوں کو طشت ازبام کردیا۔ چنانچہ واقدی اس کی بابت کی لکھتا ہے کہ ابن ابی سرح مدینہ سے چلاآیا اور قریش سے بیان کرنے لگا کہ محمد کے پاس کوئی وحی نازل نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ ابن قمطہ علام نصرانی محمد کو جو کچھ تعلیم کرتا ہے میں اس بحکم محمد لکھا کرتا تھا اور جیسا چاہتا تھا بدل کر لکھ دیتا تھا پس حق تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی (یعنی یعلمہ بشر) معاذی الرسول صفحہ 54۔

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عبداللہ بن ابی سرح کا صرف یہی دعویٰ تھا کہ اسلامی مورخ اس کے دعویٰ کی تفصیل نہیں بیان کرینگے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دعوے بہت خطرناک تھے اور مصلحت ملکی اس امر کی متقاضی تھی کہ ایسے لوگ نابود کردیئے جائیں مبادا اسلام کی عمارت کو گزند پہنچے اور مومنین کے ایمان میں ضعف آوے۔ چنانچہ یہ شخص ان چند لوگوں میں سے تھا جن کا خون فتح مکہ کے وقت بدر کردیا گیا تھا۔ مگر اس شخص کی جان بخشی اس کے رشتہ دار حضرت عثمان نے بڑی حکمت عملی کے ساتھ آنحضرت سے کرالینے میں کامیابی حاصل کی جس کا آنحضرت کو افسوس رہا۔

ایسا ہی ایک اور شخص تھا نصر بن حارث جس کا ذکر بحوالہ ابن ہشام متن کتاب میں ہوچکا یہ بھی قرآن کو اساطیر الاولین کہتا تھا اور اس کے ماخذ کا پتہ بتا اور لوگوں میں مشہور کرتا تھا کہ آنحضرت کو لوگ تعلیم دیتے ہیں اور آپ ان کی نقلیں کر کرکے سناتے ہیں۔ اس شخص کو جب اس پر قابو پایا تو حضرت نے بلا رحم قتل کروادیا اور اس طور سے وہ اصلی ذرائع بالکل مفقود ہوگئے جن سے ہم کو حاضرین کے صحیح دعوؤں پر اطلاع مل سکے لیکن اگر کوئی چاہے تو قرآن کے ماخذ کا پتا خود قرآن کی اندرونی شہادت سے لگا کرہمارے دعوے کی تصدیق کرسکتا ہے۔

صرف قرآن کا اخیر سپارہ عمہ تیسا لون پڑھو اور غور کرو۔ اس میں ایسی سورتیں موجود ہیں جن میں ایک بات بھی نہیں جس کی تصنیف خدا سے یا جبریل سے منسوب ہوسکتی ہو اور تم خود ان کو آنحضرت کی تصنیف نہیں مانتے۔ ان سورتوں کو اسلام یعنی دین محمدی کے ساتھ کوئی تعلق بھی نہیں ۔ یہ اسلام کے قبل کی تصنیفیں ہیں جن کو محمد صاحب نے اپنے قرآن میں داخل کر لیا۔ وہ سورتیں یہ ہیں۔ بنا ، نازعات ، انفطار ،طارق ،غاشیہ ، فجر ، شمس ، لیل ، تین ، زلزال ، عادیات ، قارعہ ، تکاثر ، عصر ، ہمزہ ، فیل ، اخلاص۔ اور اسی قسم سے سورہ انشقاق و بروج ہیں۔مگر پہلی میں آنحضرت نے یہ آیت اپنی طرف سے اضافہ کردی ہے یعنی واذا اقری علیم القرآن اور دوسری میں بل ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔

سورہ عبس کا شروع آنحضرت کے حال کے متعلق ہے۔مگر وہ نہ جبریل کا کلام ہوسکتا ہے نہ خدا کا اور نہ آنحضرت کا ۔ یہ آپ کے کسی روحانی پیرو مرشد کی نصیحت ہے جس میں عیسویت کو زیادہ دخل دیا گیاہے اور ہم بھی اس حصے کو اساطیر الاولین میں شمار نہیں کرتے۔

سورہ کافرون کو اگر زید بن عمر وسے منسوب کردیں تو بہت ہی چسپاں ہوتا ہے ۔ یہ بالکل اسی کے حسب حال ہے۔

سورہ ضحیٰ ورقہ کا کلام معلوم ہوتاہے جس کو اس نے شاید اس وقت کہا جب حضرت خدیجہ آنحضرت کو ان کی خدمت میں لے گئیں کہ وہ آپ کے شک وشبہ اور پریشانی خاطر کو دور کردیں۔ اس میں یہ کوشش بھی نہیں کہ لفظ قل سے ابتدا کریں اور نہ اللہ اس میں مخاطب ہے بلکہ اللہ کو صیغہ غائب میں یاد کیا ہے ۔

سورہ اقراء یعنی علق کی ابتدائی 5آیتیں جن کا سب سے پہلے آنحضرت پر نازل ہونا بیان کیا جاتاہے اس کے نفس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ دین دار عربی معلموں کے ہاں کا کوئی متبرک وظیفہ ہے جو اپنے شاگردوں کو بسم اللہ میں پڑھایا کرتے تھے اور یہ وظیفہ آنحضرت نے اپنے کسی استاد سے سیکھا جس سے لکھنا پڑھنا شروع کیا تھا۔

سورہ نصر وتبت ضرور اسلامی زمانہ کی تصنیف ہیں اور حضرت سے بھی منسوب ہوسکتی ہیں اور حضرت کے کسی اور ہمدرد مددگار سے بھی قرآن کی اخیر دوسورتیں یعنی فلق اور ناس جن کو معوذتین کہتے ہیں یقینی طور سے معلوم ہے کہ جزو قرآن نہیں۔شاید ابتداء میں آنحضرت نے ان کو منزل من اللہ بتلایا ہو مگر آخر جب آپ کو معلوم ہوا کہ لوگوں میں یہ سورتیں عام طور سے مشہور ہیں اور نہیں چھپ سکتا کہ یہ زمانہ اسلام کے قبل کے ہیں تو ان کو قرآن سے خارج کردیا مگر بعد کے مسلمانوں نے ان کو اللہ سے منسوب کرکے داخل قرآن رہنے دیا بجنسہ یہی حال قرآن کے دیباچہ سورہ الحمد کا ہے۔ اس کے الفاظ گواہ ہیں کہ وہ بندہ کا کلام ہے خدا کا کلام نہیں مگر نہایت ہی پاکیزہ کلام ہے اور اس کو ام القرآن کہنا برحق ہے ۔الحمد اللہ صرف بندے کا کلام ہوسکتا ہے نہ خدا کا اور خواہ مخواہ کہنا کہ قل محذوف ہے اور اللہ نے بندوں کی زبان پر اس کو نازل فرمایا کلام میں تصرف کرنا اورآیات بنانا ہے جس کے لئے کوئی عذر نہیں۔ قرآن کھول کر دیکھ لو کہ تیسوں پاروں سے یہ الگ ہے ۔ قرآن میں اس جگہ نہیں اور اس کا شان نزول بھی کوئی یقینی طور سے نہیں بتا سکتا کہ یہ آنحضرت پر کب نازل ہوا مکہ میں یا مدینے میں ؟ اتقان جلد اول نوع 18 کے آخر صفحہ 68 میں بحوالہ ابن اشتتہ تالیف مصحف عبداللہ بن مسعود کی تعداد و ترتیب سورہ بتلا کر لکھاہے کہ دلیس فیہ الحمد والا لمعوذتان یعنی مصحف عبداللہ بن مسعود میں سورہ الحمد اور معوذتین یعنی فلق وناس نہیں ہیں۔ پھر اسی کے نوع 19 کے شروع میں دوسری سند سے لکھتاہے وفی مصحف ابن مسعود ماعتمہ اثنا عشرۃ سورۃ لانہ لم ایکتب المعوذتین وفی مصحف بی است عشرۃ لانہ یکتب فی آخرہ سورتی الحفد والتلخ یعنی مصحف عبداللہ میں ایک سو بارہ سورتیں ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے قرآن میں معوذتین کی دوسورتیں درج نہیں کی تھیں اور مصحف ابی میں 116 سورتیں تھیں کیونکہ انہوں نے اپنے مصحف کے اخر میں دوسورتیں حفد وخلع بھی درج تھیں ۔(قرآن میں اب 114سورتیں ہیں)

اتقان نوع 22و27 صفحہ 84 میں لکھاہے قال ابن حجر شرح النجاری قد صح عن ابن مسعود انکار ذلک فارخرج احمد ابن حبان عنہ انہ کان لایکتب المعوذتین فی مصحفہ یعنی ابن حجر نے شرح بخاری میں لکھاہے کہ یہ امر سچ ثابت ہوا ہے کہ ابن مسعود نے ایسا انکار کیا اور ان سے احمد اور ابن حبان نے روایت کی کہ وہ دراصل معوذتین کو اپنے مصحف میں درج نہ کرتے تھے۔

اور عبداللہ بن احمد کی سند سے مرقوم ہے کان عبداللہ بن مسعود یحک معوذتین من مصاحفہ ویقول انہما بیستا من کتاب اللہ یعنی عبداللہ بن مسعود خارج کرتے تھے معوذتین کو اپنے قرانوں سے اور کہتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ سے نہیں ہیں۔

اتقان کے اسی صفحہ میں اس روایت کی بابت لکھاہے کہ اسانید باصحیہ کہ "اس کی سند یں صحیح ہیں" اور یہیں مرقوم ہے کہ قال ابن حجر فقول من قال نہ کذب علیہ مردود الطعن فی روایاۃ الصحیہ غیر مسند لا یقبل یعنی ابن حجر کہتے ہیں کہ اس شخص کا قول جو کہے کہ عبداللہ بن مسعود پر اس باب میں جھوٹ باندھا گیا مردود ہے اور ایسی صحیح روایتوں پر طعن کرنا بغیر دلیل کے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

سورہ الحمد کا مصحف عبداللہ سے خارج ہونا اس کی بابت صاحب اتقان لکھتا ہے کہ قلت واسقاط الفاتحہ من مصحفہ اخرجہ ابو عبید بسند صحیح کما تقدم فی اوائل النوع التاسع عشر "میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن مسعود کا سورہ فاتحہ کو اپنے قرآن سے ساقط کردینا ایسا امر ہے جس کو ابوعبید نے بسند صحیح روایت کیا جیسا اوپر نوع 19 کے شروع میں مذکور ہوا۔

اب اس امر میں تو شک نہیں ہوسکتا کہ عبداللہ بن مسعود نے اپنے قرآن سے الحمد وفلق وناس تینوں سورتوں کو خارج کیا تھا اور معوذتین کی بابت صاف الفاظ میں کہتے تھے کہ قرآن سے نہیں ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کے قول کی وقعت اس باب میں کیا ہے؟ عبداللہ بن مسعود کون تھے؟

صحیح مسلم کتاب الفضائل میں ہے۔ عن عبداللہ قال والذی لالہ غیرہ مامن کتاب اللہ سورۃ الاانا اعلم حیث نزلت ومامن آیتہ الاانا اعلم فیما انزلت یعنی عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے وہ کہتے تھے قسم اس کی جس کے سوا کوئی اللہ نہیں کہ کتاب اللہ (قرآن) میں ایسی کوئی سورت نہیں مگر مجھ کو معلوم ہے کہ وہ کہاں اتری ہے اور نہ کوئی ایسی آیت ہے مگر مجھ کو معلوم ہے کہ وہ کس باب میں اتری ہے۔

اور اس کے بعد دوسری حدیث ہے مسروق کی جس میں عبداللہ بن عمرو کا قول یوں لکھا ہے سمعت رسول اللہ یقول خذء القرآن من اربعۃ من ابن ام بعد فبدأ بہ معاذ بن جبل ابی بن کعب وسالم مولیٰ ابی حذیفتہ یعنی میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ قرآن چار شخصوں سے سیکھو ام عبد کا فرزند یعنی عبداللہ بن مسعود) پہلا نام انہی کا لیا اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور سالم جو ابو حذیفہ کا مولیٰ تھا۔ پس عبداللہ بن مسعود جیسے شخص کی نسبت یہ کہہ دینا کہ الحمد ومعوذتین کو قرآن سے خارج کرنے میں ان سے غلطی ہوئی کسی طرح درست نہیں ہوسکتاع)چوکہ کفر از کعبہ برخیز کجا ماند مسلمانی ؟ اگر انہوں نے ان کو اپنے مصحف سے خارج کیا یاکہا کہ وہ کتاب اللہ سے نہیں ہیں تو دراصل وہ اجزاء قرآن قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ اگر دنیا کے پردہ

پر اس بات کا کوئی جواب ہو تو امام رازی اس کا جواب دیتے۔سنو وہ کیا فرماتے ہیں۔ اسی اتقان کے صفحہ 83 میں ہے امام فخر الدین رازی قال نقل فی بعض الکتب القدیمتہ ان ابن مسعود کان ینکہ کون سورۃ الفاتحہ والمعوذتین من القران وہونی غایتہ الصعوبتہ الاناان قلنا ان النقل المتواتر کان حاصلانی عصر الصاحبتہ یکون ذالک من القرآن فانکارہ یوجب الکفرون قلنالم یکن حاصلاً فی ذالک الزمان فیلزم ان لقرآن لیس بمتواتر فی لااصل قال والاغلب الظن ان نقل ہذا المذہب عن ابن مسعود نقل باطل وبہ یحصل الخلاص عن ہذہ العقد "یعنی امام فخر الدین رازی نے کہا کہ بعض قدیم کتابوں میں بیان ہواہے کہ ابن مسعود اس بات سے انکار کرتے تھے کہ سورہ فاتحہ اور معوذتین قرآن سے ہیں اور اس بات سے بہت بڑی مشکل پیش آتی ہے کیونہ اگر ہم یہ کہیں کہ نقل متواتر زمانہ صحابہ میں حاصل تھی تو یہ سورتیں قرآن سے تھیں اور عبداللہ بن مسعود کا انکار کرنا کفر واجب کرتا ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس زمانہ میں نقل متواتر حاصل نہ تھی تو یہ بات لازم آتی ہے کہ قرآن دراصل متواتر نہیں ہے پس رازی نے کہا ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ ایسے مذہب کا ابن مسعود سے نقل کرنا جھوٹ ہے اور اسی بات سے اس عقدے کے پیچ سے خلاصی ملتی ہے۔ تعجب ہے کہ امام رازی ایسا بودا سخن زبان سے نکالیں۔صرف اس لئے کہ اعتراض سے بچ جائیں اور وہ بھی محض ایک گمان کی بنا پر چاہے کسی پر کفر لازم آئے اور چاہے قرآن کے دعوے تواتر پر بلا نازل ہو۔ حق بات جو ہے وہ یہی ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے سورہ الحمد وفلق وناس کو قرآن سے نہیں مانا اور نہ اپنے مصحف میں جگہ دی گو اس قسم کی باتوں کے باعث اپنے تئیں خطرے میں ڈالا اور اپنے قرآن کو خطرے میں ڈالا اور ابن حجر تو یہ کہہ کر من قال انہ کذب علیہ مردود امام رازی کے سخن کو مردود قرار دیتے ہیں اور وہ سچ فرماتے ہیں الطعن فی الروایات الصحیہ غیر مستند لایقبل۔ امام رازی بالکل بے سند بات کہتے ہیں جو تحقیق وحق سے بعید ہے۔

پس معلوم ہو گیا کہ قرآن کے اندر ایسی سورتیں موجود ہیں جو قرآن سے نہیں ہیں۔ اب ہم یہ بھی بتلاتے ہیں کہ قرآن سے ایسی سورتیں ندارد بھی ہیں اور قرآن میں موجود تھیں اوپر ہم اتقان سے لکھ چکے کہ ابی بکعب کے مصحف میں 116 سورتیں تھیں یعنی آخر میں انہوں نے دو سورتیں حفد وخلع بھی درج کی تھیں۔اسی نوع 19 کے صفحہ 69 میں لکھا ہے اخرج ابو عبید اللہ ابن سیرین قال کتب ابی بن کعب فی مصحفہ فاتحہ الکتاب والمعوذتین والہم انا نستینک وہ اللہم ایاک نعد وترکہن ابن مسعود کتب عثمان منہن فاتحہ الکتاب والموذتین ۔ابوعبید نے ابن سیرین سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے کہ ابی بن کعب نے اپنے نسخہ قرآن میں سورہ فاتحہ اور معوذتین (فلق وناس) وسورہ اللہم انا نستعینک (خلع) اور سورہ اللھم ایاک نعبد (حفد) درج کی تھیں اور ابن مسعود نے ان سورتوں کو اپنے نسخہ قرآن سے خارج کیا تھا اور حضرت عثمان نے ان سورتوں میں سے سورہ فاتحہ

ومعوذ تین کو اپنے نسخے قرآن میں درج کرلیا۔ یہیں عبداللہ بن زریر الغافقی کا قول درج ہے ولقد علمنی منہ علی بن ابی طالب سورتیں علمھا ایاہ رسول ﷺ یعنی حضرت علی نے مجھ کو قرآن کی دو سورتیں (خلع وحفد) سکھلائیں جن کو رسول اللہ نے حضرت علی کو سکھایا تھا۔

اور ابن جریح کا قول ان دونوں سورتوں کے بارے میں یہ ہے کہ انھما سورتان فی مصحف بعض الصحابتہ یعنی بعض اصحابہ کے قرآنوں میں یہ دونوں سورتیں موجود ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کی بابت ہم بتلا چکے کہ یہ کتنا بڑا شخص قرآن کی حقیقت کے واقفکاروں میں تھا اور وہیں اس کا بھی ذکر ہوچکا کہ ابی بن کعب بھی ان چار مستند شخصوں میں سے تھا جن کی نسبت آنحضرت کا قول ہے کہ قرآن ان سے سیکھنا چاہیئے اور ان لوگوں کے اقوال سے ثابت ہے کہ مصحف عثمانی یعنی قرآن مروجہ الحاق واسقاط سے خالی نہیں۔ اس میں ایسی سورتیں بھی موجود ہیں جو اصل قرآن میں نہ تھیں اور اصلی قرآن کی بعض سورتیں اس میں ندارد ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود اور ابی کعب دونوں کے قرآن بہ زبردستی چھنوائے اور جلوادیئے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو بھی بمقابلہ شیعہ حریفوں کے تسلیم کے سوا چارہ نہیں ہوا (تحفہ صفحہ 509 نولکشوری)۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ پانچ سورتیں الحمد ،فلق ،نامس ،خلع ،حفد جن کے قرآن ہونے اور نہ ہونے پر تاریخ اسلام کی بسم اللہ میں مستند قرآن دانوں کے درمیان اختلاف پڑا رہا اور جن کے قرآن قرار دینے اور نہ دینے پر صرف پچھلے لوگوں نے بلا تحقیق اتفاق کرلیا کہاں سے آگئیں ؟ یہ امر تو صاف ہے کہ وہ آنحضرت کی اپنی تصنیف نہیں اور سب سے معتبر گواہ عبداللہ بن مسعود کی شہادت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ کتاب اللہ سے نہیں۔ اسی لئے قرآن سے خارج کی گئیں یعنی وہ خدا کی تصنیف سے بھی نہیں تو اب ضرور ان دو یعنی خدا اور رسول کے علاوہ یہ سورتیں اور شخص یا شخصوں کا کلام ثابت ہوتی ہیں۔

ماحصل اس تقریر کا یہ ہے کہ اس زمانے کے عربی لٹریچر میں بالخصوص اس میں جس کو ورقہ نے الکتاب العربی میں منضبط کیا تھا ایسی سورتیں موجود تھیں جن کو منزل من اللہ کہہ کر قرآن کے نام سے رواج دیا گیا مگر ان میں کچھ کلام تو ایسا نکلا جو چھپ نہ سکا اور پتہ لگ گیا کہ اہل عصر کے کلام میں موجود ہے۔

چنانچہ اس طرح بعض سورتوں کو قرآن سے خارج کرنا پڑا اور صحابہ میں بھی اختلاف ہو گیا کیونکہ اگر وہ کلام خدا کا ہوتا یا کلام رسول تو ایسا التباس ممکن نہ تھا۔ دراصل وہ موجودہ کلام تھا جس کو خدا اور جبریل سے منسوب کردیا گیا تھا اور پتہ لگ گیا تو اس کو منسوخ التلاوۃ کہہ کر یا کسی اور چلتے ہوئے حیلے سے قرآن سے خارج کردیا۔ اگر پتہ نہ لگا یا پتا لگانے والوں کی آوازیں بند کرادیں تو وہ کلام خدا برقرار رہا اور اس طرح سارا قرآن تالیف ہو گیا۔ بہر حال اس قدر تو روشن ہے کہ کا بسم اللہ اور تمت یعنی الحمد اور معوذ تین کی دونوں سورتیں نہ اللہ کی تصنیف ہیں نہ آنحضرت کی اور پھر بھی قرآن کی دونوں دفتینوں کے بیچ موجود ہیں۔ پس اسی پر قرآن کی بہت سی سورتوں کو قیاس کرنا چاہیئے ۔ یعنی وہ سب اساطیر الاولین اگلے لوگوں اور اگلے وقتوں کی یادگار کہیں نہ کہیں موجود تھیں جن کو ورقہ نے یکجا جمع کیا اور آنحضرت نے قرآن میں محفوظ رکھا۔

ہم سید صاحب کے اس خیال سے بھی متفق نہیں کہ احادیث میں جو بعض دعائیں وغیرہ ہیں ان میں یقین کیا جاتا ہے کہ خاص الفاظ آنحضرت صلعم کے محفوظ ہیں" اور اس بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ" ان کا طرز کلام اور فصحائے عرب کے طرز کلام سے کچھ غیر مشابہ نہیں ہے" کوئی وجہ نہیں کہ ان دعاؤں کو حضرت کی اپنی تصنیف مانا جائے بلکہ غالباً یہ عرب کے صلحا کے پرانے وظیفے تھے جن کو آنحضرت نے بھی ورد زبان کرلیا تھا جس کی عمدہ مثالیں بھی سور الحمد اور سورہ فلق وناس ہیں اور قیاس بھی چاہتا ہے کہ ان کے مصنف ایسے لوگ ہوں جیسے قس بن ساعدہ زید بن عمرو یا خود ورقہ بن نوفل اور دیگر احبار یہود ورہبان نصاریٰ جن کا جامع ورقہ ضرور ہوسکتا ہے ۔اس وجہ سے ان کی بنا پر ہم آنحضرت کے طرز کلام کا انداز نہیں کرسکتے بلکہ حدیثوں میں جو تعلیم وتلقین کی بایں ہیں آپ کے فیصلے خطبے فتوے وغیرہ ان کی عبارت آپ کے طرز کلام پر شاہد ہو گی اور اس کی بناء پر حکم لگانا چاہیئے کہ آنحضرت کے کلام اور فصحائے عرب کے کلام میں کیا مناسبت ومشابہت ہے اور جب کوئی اس بات کی تدقیق میں مصروف ہوتا کہ قرآن میں خاص آنحضرت سے کون کون اجزا منسوب ہوسکتے ہیں تو اس امر کا لحاظ رکھے۔ ہماری دانست میں جہاں جہاں جہاد کے احکام ،مال غنیمت کی تقسیم کی ہدایات حقوق وراثت کی تفصیل آنحضرت کے اپنے ذاتی واقعات ،ازواج مطہرات کے حالات ان کے حقوق اور آپ کے اختیارات اہل عرب کے ساتھ معاملات وغیرہ کا تذکرہ ہے مثلاً نکاح زینب ،طلاق زید،لوگوں کے مطاعن ، حضرت عائشہ پر الزام اور ان کی بریت یہ حصے قرآن میں ضرور آپ کی تصنیف قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ سورہ انفال،سورہ توبہ ،سورہ احزاب ،سورہ نور ایسی ایسی سورتیں باستثنائے ان آیات کے جو دوسروں کے کلام سے مقتبس معلوم ہوتی ہیں قرآن کے اندر آنحضرت کے اپنے انشاء کا عمدہ اور معتبر نمونہ ہیں۔ لیکن قرآن کی وہ سورتیں جن میں ایسے امور کا تذکرہ ہے جن کو آنحضرت سے اور تاریخ اسلام سے کوئی خاص واسطہ نہیں جیسے بنی اسرائیل کے قصص وحکایت ، نصاریٰ کی اپنی دینی روایات اہل کتاب کے عقائد وفرائض اور وہ تمام سورتیں بھی جن میں حمد ومناجات ، بندو نصائح ،دوزخ وبہشت ،عذاب وثواب ،مبدا ومعاد کا بیان ہوا ہے وہ اسلام کی ملکیت صرف اس جہت سے قرار دی جاسکتی ہیں کہ آنحضرت نے ان کو قبول کرکے قرآن کے اندر داخل کرلیا اور وہ جزو اسلام بن گئیں ورنہ ان کا اصلی ماخذ ومنبع اور ہے جو کتاب ینابیع الاسلام میں تفصیل ودلیل کے ساتھ بیان کیا گیا۔

تمام شد